بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے منظوم فارسی کلام

درّثمین فارسی کے محاسن

بلحاظ فصاحت و بلاغت

مرتبہ

میاں عبدالحق رامہ منشی فاضل بی اے سابق ناظر بیت المال و ناظر زراعت
صدر انجمن احمدیہ ربوہ ضلع جھنگ

نام کتاب	:	درِّ ثمین فارسی کے محاسن
تصنیف	:	مکرم عبدالحق صاحب رامہ مرحوم
سنِ اشاعت	:	دسمبر ۲۰۰۲ء
تعداد	:	۱۰۰۰
مطبع	:	پرنٹویل، امرتسر (بھارت)
ISBN	:	81-7912-035-X

Published by :
RASHID AHMAD CHAUDHRY
82 GIRD WOOD ROAD
LONDON
SW-18 5QT
UK

Available in India :
NAZARAT NASHRO ISHAAT
QADIAN-143516 GURDASPUR (Pb.)
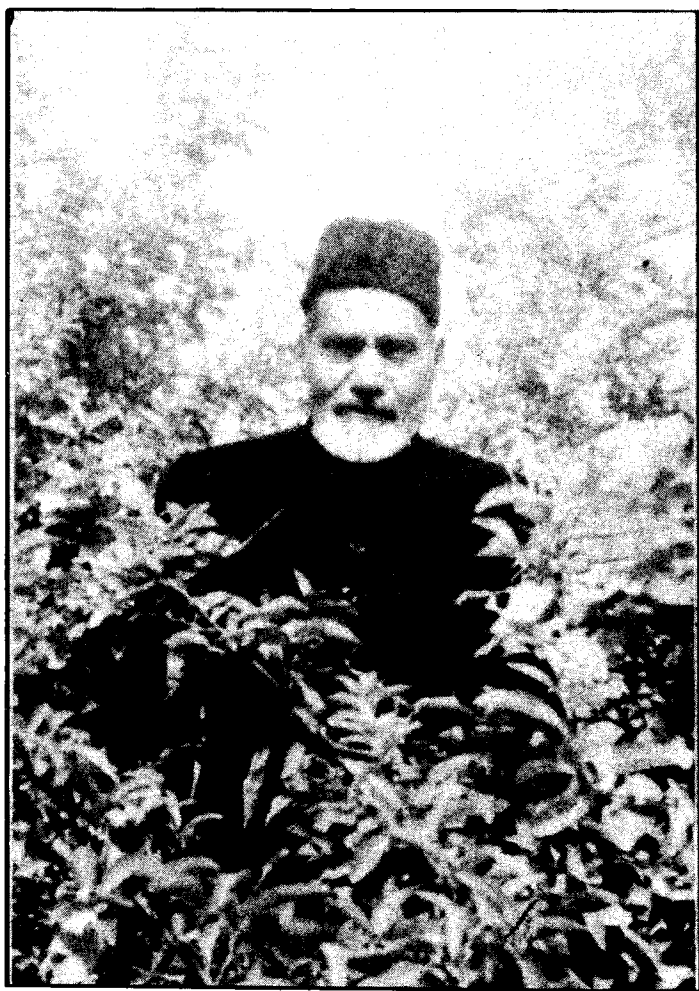
حضرت میاں عبدالحق صاحب رامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاک
نظارت اشاعت ربوہ
480
14/11/99

محترم جناب عزیز الحق صاحب رامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بزرگوار سے محترم میاں عبد الحق صاحب رامہ سابق ناظر بیت المال کے مرتب کردہ مقالہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم فارسی کلام درثمین فارسی کے محاسن" کی اشاعت کی آپ کو اجازت ہے۔ لیکن اشعار کی صحت کا بطور خاص خیال رکھا جائے۔ کسی ماہر فارسی دان سے اس کی پروف ریڈنگ کروائیں

والسلام

سید عبد الحی
ناظر اشاعت ربوہ

نوٹ: مسودہ دفتری ریکارڈ میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

سید عبد الحی
ناظر اشاعت ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعارف

میاں عبدالحق رامہ 1899ء میں اپنے آبائی گاؤں موضع بھاگورائیں تحصیل سلطان پور ریاست کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ کچھ خاندانی بزرگوں کی روایت کے مطابق آپ کے آباواجداد عرب حملہ آوروں کے ساتھ آٹھویں صدی عیسوی میں شام سے سندھ آئے اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ اٹھارہویں صدی میں رامہ صاحب کے آبا واجداد نے سندھ سے پنجاب آ کر موضع بھاگورائیں آباد کیا۔ انکا پیشہ کاشتکاری تھا۔ چنانچہ رامہ صاحب کے دادا محترم منور خاں صاحب گاؤں کے نمبردار تھے اور انکی وفات کے بعد رامہ صاحب کے چچا نمبردار بنے۔ میاں عبدالحق رامہ کے والد منشی خدابخش صاحب اپنے چار بھائیوں میں سے دوسرے نمبر پر تھے ابتدائے عمر سے ہی عبادت گزار تھے اور دینی معاملات کا شغف تھا۔ عمر بھر درویش کے طور پر مشہور رہے۔

ایک پختہ خاندانی روایت کے مطابق منشی خدابخش صاحب کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور بتایا گیا کہ یہی وہ مسیح موعود ہے جن کے آنے کا وعدہ تھا۔ اور خواب میں قادیان کی بستی کا کچھ حصہ ڈھاب وغیرہ آپ کو دکھایا گیا۔

خواب کے بعد کافی عرصہ تک جستجو کی کہ معلوم ہو سکے وہ مسیح موعود کہاں ہے۔ کسی نے ہریانہ کے علاقہ میں آپ کو اطلاع دی کہ قادیان جاؤ وہاں ایک شخص مرزا غلام احمد ہیں جنہوں نے براہین احمدیہ لکھی ہے ان کا پتہ کرو۔ چنانچہ آپ 1884ء میں قادیان پہنچے۔ آپ کا بیان ہے کہ

دور سے ہی قادیان کے قصبہ کو دیکھ کر آپ نے جان لیا تھا کہ یہ وہی جگہ ہے جو آپ کو خواب میں دکھائی گئی تھی۔ اتہ پتہ پوچھ کر آپ مسجد مبارک میں جا کر بیٹھ گئے اور جونہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے منشی خدا بخش صاحب نے ایک ہی نظر میں انہیں پہچان لیا۔ ملاقات کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو قادیان آتے رہنے کی تاکید کی چنانچہ اس کے بعد آپ باقاعدگی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

جس وقت حضرت اقدس نے بیعت لینے کا اعلان کیا آپ لائلپور (فیصل آباد) میں نئی آباد ہونے والی زمینوں پر بطور پٹواری تعینات تھے۔ 1889 ء کے آخر میں آپ نے قادیان جا کر حضرت مسیح موعود کے دست مبارک پر بیعت کی محترم عبدالحق رامہ صاحب کی والدہ محترمہ بھی صحابیہ تھیں اور انتہائی فدائی احمدی تھیں۔

مکرم عبدالحق رامہ صاحب ابتدائی عمر سے ہی ہر کام محنت اور لگن سے کرتے تھے۔ سکول میں ذہین طلباء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبر لے کر پاس کیا اور سکالرشپ کے حقدار ٹھہرے۔ پھر آپ نے کپورتھلہ کالج سے ایف.اے. اور بعد میں عربی اور فارسی میں منشی فاضل اور بی.اے. کرنے کے بعد ملٹری اکاؤنٹس کے محکمہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ دوران ملازمت مختلف شہروں میں تعینات ہوئے اور جہاں بھی رہے جماعت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1924ء میں جماعت احمدیہ پشاور کے سکرٹری مال تھے اور 1940ء میں جالندھر کی جماعت کے صدر تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے آپ کی تقرری کراچی میں ہوگئی تھی جہاں آپ نے سکرٹری مال کے عہدہ پر کام کیا۔ آپ کی خدمات کا ذکر مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اسطرح فرمایا ہے:

''پاکستان کے قیام سے پہلے کراچی میں چندہ دینے والے احمدیوں کی تعداد

17 تھی۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد کراچی میں جماعت کا غیر معمولی اضافہ ہوا اور جماعت احمدیہ کے افراد کراچی کے طول وارض میں آکر آباد ہوئے۔ انہی آنے والوں میں محترم عبدالحق رامہ بھی تھے جو دہلی سے تشریف لائے اور جماعت کے سیکرٹری مال مقرر ہوئے۔ یہ ملٹری اکاونٹس کے آدمی تھے ساری عمر ہندوستانی فوج کے مالی معاملات کو کنٹرول کیا تھا اسلئے مالی معاملات کا بہت وسیع تجربہ تھا اس کے ساتھ مخلص، انتھک کام کرنے والے اور مالی سوچ میں گہری نظر کے حامل تھے۔ انتظامی قابلیت بھی بہت تھی۔ کراچی کو کئی حلقوں میں تقسیم کر کے ایسے رنگ میں محصل مقرر کیے تا چندہ دینے والوں کو سہولت رہے اور جماعت کے اموال بھی محفوظ رہیں۔ اس سارے کام کی بنیادیں اس طرح استوار کیں کہ جلد جلد وسعت کی وجہ سے مالی معاملات میں خلل واقع نہ ہو۔ بفضل تعالیٰ انکی یہ سعی کامیاب رہی اور آج بھی کراچی جماعت کا مالی نظام معمولی تبدیلیوں کے ساتھ ان کے وضع کردہ خطوط پر چل رہا ہے۔

رامہ صاحب کی حسن کارکردگی کا علم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی تھا اور انکے کام پر بارہا اظہار خوشنودی فرما چکے تھے چنانچہ ایک موقعہ پر قیام کراچی کے دوران فرمایا کہ رامہ صاحب جیسے کارکن کی مرکز میں زیادہ ضرورت ہے اس لئے ان کو ناظر بیت المال مقرر کرتا ہوں۔" (الفضل 8 جنوری 1995ء)

دوران ملازمت محکمہ میں آپکی ایک قابل، محنتی اور دیانتدار افسر کی حیثیت سے بہت اچھی شہرت تھی اور اعلیٰ حکام کی نظروں میں بڑی عزت اور احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ دیانتداری کا یہ حال تھا کہ اس معاملے میں اپنے کیریر کی بھی پرواہ نہ تھی۔ ایک بار آپ نے یہ واقعہ سنایا کہ دوسری جنگِ عظیم کے شروع میں آپکی تعیناتی شملہ میں ہوگئی تھی۔ آپنے وہاں دفتر کا چارج سنبھالا تو معلوم ہوا کہ ٹھیکیداروں سے رشوت لینے کا سلسلہ اس خوبی اور مضبوطی سے قائم ہے کہ دفتر میں ہر

کسی کو اسکی حیثیت کے مطابق حصہ تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں رشوت لینے سے انکار کا مطلب باقی افسروں سے دشمنی لینے کے مترادف تھا اور ٹھیک طرح سے کام کرنا بھی ناممکن ہو جاتا۔ آپ دہلی جا کر چوہدری محمد علی صاحب سے ملے جو بعد میں پاکستان وزیراعظم بھی بنے۔ اور فوری تبادلے کی درخواست دی۔ رامہ صاحب کے چوہدری محمد علی صاحب کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے اور وہ اس وقت محکمہ اکاؤنٹ میں اعلیٰ افسر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی آپ کی تعیناتی کو چند دن ہوئے ہیں قانون کے مطابق تبادلہ ممکن نہیں۔ یہ صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب کسی افسر کا نااہلی کی وجہ سے تبادلہ کر دیا جائے۔ محترم عبدالحق رامہ نے اصرار کر کے جبری تبادلہ کروالیا اسطرح آپ کی ترقی کافی پیچھے جا پڑی مگر آپ نے کبھی اس پر ملال نہیں کیا۔ اسطرح ساری زندگی انہوں نے یہ خیال رکھا کہ کمائی میں ایک پیسہ بھی ناجائز شامل نہ ہو۔ آپ 1954ء میں ڈپٹی کنٹرولر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ سے پہلے ہی آپ نے حضرت خلیفة المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زندگی وقف کرنے کی درخواست دے دی تھی اس کے بعد حکومت نے آپ کی ملازمت میں دو سال کی توسیع کر دی لیکن چونکہ آپ کو نظارت بیت المال کا کام سنبھالنے کا حکم مل چکا تھا اس لئے آپ ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے کر ربوہ حاضر ہو گئے۔ اور زندگی کے آخری سانس تک بشاشت قلب سے جماعت کی خدمت میں مصروف رہے۔

1973ء تک محترم رامہ صاحب نے بطور ناظر بیت المال، ناظر زراعت، اور اسکے علاوہ ممبر مسجد اقصیٰ کمیٹی، فضل عمر فاؤنڈیشن، نصرت جہاں اسکیم اور کئی دوسری ذمہ دار حیثیتوں میں جماعتی خدمات سرانجام دیں۔ اسکے بعد علمی کاموں کا سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔ نظارت بیت المال کا کام آپنے بڑی محنت اور لگن سے جدید بنیادوں پر استوار کیا۔ خدا تعالیٰ نے غیر معمولی محنت کرنے کی توفیق عطا کی تھی۔ رات دیر تک جماعتی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اور صبح فجر کی اذان کیساتھ اٹھ کر ادائیگی نماز اور بآواز بلند تلاوت قرآن کے بعد میز پر کام کے لئے بیٹھ جاتے

تھے۔ دفتر سے واپسی کے بعد کپڑے تبدیل کر کے پھر میز پر جا بیٹھتے۔ ارتکاز توجہ کا یہ عالم تھا کہ ارد گرد کچھ بھی ہو رہا ہو آپکی توجہ ذرہ بھر اسطرف مبذول نہیں ہوتی تھی۔ جب بھی نماز یا کھانے کے لئے یا کسی ملاقاتی کے لئے یا کسی اور کام کیلئے میز سے اٹھنا پڑتا تو بلاتردد فوراً اُٹھ بیٹھتے اور جونہی فارغ ہوتے، ایک منٹ ضائع کئے بغیر جہاں سے کام چھوڑا ہوتا وہیں سے دوبارہ شروع کر دیتے۔ چھٹی والے دن بھی سارا دن کام میں مصروف رہتے۔ آپ کے بیٹے سفیر الحق بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ اتنا کام کرنے سے کیا آپکو کبھی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ جواب میں آپ نے لذت کار کے فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جب انسان کو کسی کام کی لگن ہو تو اس کام میں ایسی لذت پیدا ہو جاتی ہے کہ بجائے تھکاوٹ کے فرحت محسوس ہونی شروع ہوتی ہے۔

آپکا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اور جماعت میں علمی ذوق رکھنے والے احباب، خصوصاً محمد احمد صاحب مظہر، شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب اور بہت سے دوسرے احباب سے قریبی تعلق تھا۔ فارسی کے حوالے سے جماعت سے باہر بھی پہچانے جاتے تھے۔ خصوصاً کلاسیکی فارسی ادب پر آپکی بہت گہری نظر تھی اور تمام فارسی صوفیانہ ادب کا آپنے بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ بہت سے شاگردوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ درثمین فارسی کی طبع ثانی پر شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب کے ساتھ مل کر 1966ء تا 1968ء کے دوران بڑی لگن سے درثمین فارسی کی کتابت وغیرہ کی غلطیوں سے پاک کر کے دوبارہ شائع کیا۔

مکرم عبدالحق رامہ صاحب کو قرآن سے بہت محبت تھی کوئی دس سال کی محنت شاقہ کے بعد آپ نے قرآن کریم کے تمام الفاظ کی معنوی اور گرائمر کے اعتبار سے ایک ضخیم فہرست تیار کی تھی۔

آپکی عمومی صحت بہت اچھی تھی اور کم ہی کبھی بیمار پڑتے تھے۔ جوانی میں خوب ورزش کرنے کا شوق تھا۔ جسم اکہرا لیکن بہت کسرتی اور مضبوط تھا۔ اعلیٰ درجے کے پیراک بھی تھے۔

آخری عمر تک کئی میل روزانہ دریا تک تیز چل کر سیر کرنے جاتے تھے۔طبیعت میں بلا کی خودداری،مکمل بے خوفی اور بے انتہا حوصلہ تھا۔انتہائی مضبوط اعصاب،غیر معمولی قوت ارادی اور خوداعتمادی کے مالک تھے۔کسی قسم کے حالات میں بھی طبیعت میں گھبراہٹ پیدانہیں ہوتی تھی۔

آپ کے چہرے پر ہروقت ایک دلنواز مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔بڑی ہی دلکش انداز میں گفتگو کرتے تھے۔بہت سادگی پسند تھے اور کسی معاملے میں بھی دکھاوے اور بناوٹ کو پسند نہیں کرتے تھے۔کسی بھی کام کے کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ تھا۔اور زندگی وقف کرنے کے بعد اپنا معاملہ اسطرح ذات باری حق پر چھوڑ دیا تھا کہ نہ کسی تکلیف یا نقصان کی فکر تھی اور نہ ہی کسی صلے یا تعریف کی پرواہ تھی۔کسی اصول یا حق کی بات سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔جھوٹ اور غلط بیانی سے سخت نفرت تھی اور اسے بزدلی اور ایمان کی کمزوری خیال کرتے تھے۔

زندگی کے آخری سانسوں تک خدائی کاموں میں مصروف رہے۔انجمن سے ریٹائر ہونے کے بعد مولانا ابوالمنیر نورالحق کے زیرنگرانی الشرکتہ الاسلامیہ سے چھپنے والی جماعت کی کتب کی نظر ثانی آپکے ذمہ تھی۔چنانچہ اس زمانے میں چھپنے والے براہین احمدیہ کے نئے ایڈیشن پر آپنے بڑی محنت اور عرق ریزی سے کئی سال تک کام کیا۔مئی 1981ء میں جب آخری بیماری کا حملہ ہوا،اس دن صبح کو ایک جماعتی مسودہ کی نظر ثانی مکمل کر کے اور مولانا ابوالمنیر نورالحق کے گھر دے کر واپس آئے تھے۔لباس تبدیل کر کے میز پر کوئی اور کام شروع کرنے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ طبیعت خراب ہونے لگی۔پہلے تو اس ارادے سے اسی وقت اٹھ کر تیار ہونے لگے کہ ابھی سیر کر کے آتا ہوں اس سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔پھر شائد اندازہ ہوا کہ معاملہ انکی قوت ارادی سے آگے نکل چکا ہے اور آخری گھڑی آن پہنچی ہے۔چنانچہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔تلاوت کے دوران ہی فالج کا شدید حملہ ہوا اور خاموش ہو

گئے۔اسی حالت میں مختصر بیماری کے بعد اپنی جان جان آفریں کے حوالے کی۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے فضلوں سے آپکی قربانیوں کو قبول فرمائے اور آپکے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

مرحوم کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے روزنامہ الفضل ربوہ اپنی یکم جون 1981ء کے اشاعت میں لکھتا ہے:

''انتہائی افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ سابق ناظر صاحب بیت المال محترم میاں عبدالحق رامہ صاحب 14 مئی 1981ء کو شام 8 بجے بعمر 82 سال ربوہ میں انتقال کر گئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔اگلے روز 15 مئی کی صبح کو 10 بجے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر مولانا نذیر احمد مبشر نے نماز پڑھائی بعد ازاں بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم 1955 تا 1973 بطور ناظر بیت المال، ناظر زراعت خدمات بجالاتے رہے۔ آپ نے علمی میدان میں بھی جماعت کی خدمت کی۔سلسلہ کی بہت سی کتب کی پروف ریڈنگ کی آپ فارسی زبان کے مسلم الثبوت استاد تھے اور اس سلسلہ میں جماعت کی گراں قدر خدمات بجا لاتے رہے۔جامعہ احمدیہ کے کئی طلباء آپ کے پاس اکتساب فیض کرنے آتے رہے۔''

جناب عبدالمنان مغنی صاحب ابنِ حضرت عبدالمغنی خان صاحب ناظر دعوت تبلیغ و وکیل تبشیر جنہیں ایک لمبی مدت تک میاں عبدالحق رامہ صاحب کے ساتھ نظارت بیت المال میں کام کرنے کا موقعہ ملا، لکھتے ہیں: جب رامہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت میں ڈوب کر درثمین فارسی کے فنی محاسن کے بارے میں لکھنے کے لئے اپنا قلم اٹھایا تو یوں لگتا ہے جیسے روح القدس نے اس کی حرکت میں زور بھر دیا۔آپ کو کلام حضرت مسیح موعود سے بہت محبت تھی۔ دفتر میں صبح آتے ہی نائب ناظران اور خاکسار کو درثمین فارسی کا درس دیتے۔اس کے بارے میں

فرمایا کرتے تھے کہ آپ درثمین کے ہر شعر کو قرآن کی تفسیر کے طور پر ثابت کر سکتے ہیں اور اس بیان کی تائید میں اکثر اشعار کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نیاز کا شرف تو ضرور حاصل ہوا تھا مگر عمر کے لحاظ سے صحابی کہلانے کے زمرے میں نہیں آسکے۔دنیاوی گوناگوں مصروفیات کو ختم کر کے آپ 1954ء میں ربوہ تشریف لے آئے اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کو جماعت احمدیہ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا اور تازندگی بھرپور انداز میں نبھایا۔آپ نے اپنی عمر عزیز کا ہر لحہ خدمت دین کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

ابتدا میں آپکو نظارت بیت المال کی خدمت سونپی گئی جس کو آپ نے اپنی محنت شاقہ سے دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائی، بعد ازاں انجمن میں ہی آپ کو اور شعبوں میں بھی خدمت کا موقعہ ملا۔

انجمن اور دفتر کے معمولی سے معمولی کام اور اسکی نوعیت کبھی بھی آپکی نظروں سے اوجھل نہ ہوتی تھی۔چھوٹی سے چھوٹی جماعت کے چندوں کی تفصیلات سے باخبر رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی انتظامی قابلیت عطا فرمائی تھی۔ ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچ کر صحیح اور مناسب حال فیصلہ فرماتے تھے۔اپنے کارکنان سے بہت ہی شفقت اور نرمی کا سلوک روا رکھتے تھے۔آپ اردو، فارسی، عربی اور انگلش کے عالم تھے اور ہندی اور گورمکھی میں بھی خاصا درک تھا ان تمام زبانوں کی شاعری خصوصاً صوفیانہ شاعری پر ان کی گہری نظر تھی۔آپ عموماً پنجابی میں گفتگو کرتے تھے۔آپکی ہر بات قول سدید پر مبنی ہوتی تھی۔ ہر بات بہت ہی دل نشین پیرایہ میں ہوتی تھی۔ گفتگو میں بہت دھیما پن ہوتا تھا۔اگر کبھی کسی کی سرزنش کا موقع بھی آیا تو خلوص دل اور نرمی سے سمجھایا۔دنیوی مسائل کا ذکر تو کیا باریک باریک دینی مسائل پر بھی خوب عبور حاصل تھا۔

جماعت کے بجٹ اور چندوں کے احتساب کے وقت بھی عہدیداروں سے دلکش گفتگو فرماتے اور کسی کے سخت جملوں کا بھی بہت نرمی سے جواب دیتے۔خوش طبع اور روشن ضمیر تھے۔

آپکی فطرت میں الفت ومحبت ودیعت تھی، مومنانہ فراست کے ساتھ آپ صاحبِ رؤیا اور کشوف بھی تھے لیکن اس کا اظہار قطعاً ناپسند فرماتے تھے۔

آپ طبعاً اعتدال پسند تھے، افراط وتفریط سے نفرت تھی اور نمود ونمائش کو کبھی پسند نہ فرماتے تھے۔ گوشہ نشینی کی طرف طبیعت راغب تھی۔ مزاج میں انتہا درجہ کی سادگی تھی۔ غرور وتکبر سے کوسوں دور تھے۔ حلیمی اور بردباری آپکی طبیعت میں رچی ہوئی تھی۔ ان کی زندگی کا آرام کام میں ہی تھا۔ گھر میں بھی حاجات ضروریہ کے سوا سب وقت کام میں ہی مصروف رہتے تھے۔ پیدل چلتے تو تیز چلا کرتے تھے۔ آپکی شخصیت ایسی تھی کہ دیکھنے والے کے دل میں آپ کے لئے احترام کے جذبات ابھر پڑتے۔

آپ کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے کھلا رہتا اور بلا امتیاز سب کو اسی خندہ پیشانی اور اخلاق سے ملتے اور حاجت مندوں کی حتی الواسع حاجت براری کرتے۔ علم دوست حضرات کا تانتا بھی بندھا رہتا۔ اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود درس وتدریس کا سلسلہ بھی تادمِ مرگ جاری رہا۔ زندگی کے آخری ایام تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی پروف ریڈنگ کرتے رہے۔ جب تک حُکم الٰہی نے آپ کی قوت حیات سلب نہ کرلی آپ خدمت دین اور خدمت خلق کے فریضہ کی ادائیگی سے باز نہ رہے۔

اس وقت رامہ صاحب مرحوم کی اولاد میں سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی زندہ ہیں۔ مکرم منیر الحق رامہ جوانی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ مکرم سفیر الحق رامہ امریکہ میں، مکرم عبدالحمید رامہ جرمنی میں اور مکرم بشیر الحق، نصیر الحق اور عزیز الحق پاکستان میں اور رفیعہ بیگم صاحبہ امریکہ میں ہیں ان سب نے اپنے والد کی خواہش کی تکمیل میں اس کتاب کے شائع ہونے میں دلچسپی لی۔ خصوصاً مکرم سفیر الحق رامہ جنہوں نے اسکی اشاعت کے اخراجات ادا کئے۔ ان سب کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

نیز اس موقعہ پر مکرم محمد یعقوب امجد صاحب ایم.اے ایم او ایل (فارسی) سابق استاد جامعہ احمدیہ ربوہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے میری درخواست پر کتاب کی نظر ثانی کا کام سرانجام دیا اور اسکی اشاعت میں مفید مشورے دئے۔

والسلام

خاکسار

رشید احمد چوہدری

پریس سکرٹری جماعت احمدیہ عالمگیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے خودنوشت واقعات

خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچپن میں متعدد دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا موقع نصیب ہوا تھا۔ خاکسار کی پیدائش ۱۸۹۹ء کی ہے۔ اور والد محترم منشی خدا بخش مرحوم خاکسار کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے بیعت کر چکے تھے۔ بلکہ ان کا بیان ہے کہ حضورؑ کے دعویٰ سے پہلے بھی قادیان آیا جایا کرتے تھے۔ وہ موضع بیگووال ریاست کپورتھلہ میں پٹواری تھے۔ اور اکثر جمعہ کے دن پیدل صبح چل کر نماز جمعہ قادیان میں ادا کرتے اور شام کو واپس اپنے حلقہ میں پہنچ جاتے۔ اور کبھی کبھی اس عاجز کو بھی کندھوں پر اٹھا کر یا پیدل چلاتے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے دو نظارے خاکسار کو اب بھی اچھی طرح یاد ہیں۔ صبح کا وقت تھا۔ کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ خاکسار اور خاکسار کی والدہ اور ہمشیرہ سیڑھیاں چڑھ کر ایک برآمدے میں داخل ہوئے۔ وہاں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا دودھ بلو رہی تھیں۔ برآمدے میں ہمارے داخل ہوتے وقت آپ نے چاٹی سے ڈھکنا اٹھایا تو خاکسار نے دیکھا۔ کہ چاٹی گلے تک دودھ سے بھری ہوئی تھی۔ یہ امر خاکسار کے لئے تعجب کا موجب ہوا۔ کیونکہ خاکسار نے اپنے ہاں اور گاؤں کے دوسرے گھروں میں اتنی بھری ہوئی چاٹی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ہمیں دیکھ کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہوگئیں۔ اور ہمیں سامنے دالان کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر کے واپس برآمدہ تشریف لے گئیں۔

حضور علیہ السلام کمرے کے دائیں طرف ایک پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پاؤں مبارک نیچے لٹک رہے تھے۔ اور اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ ہم تینوں نے چاندی کا ایک ایک روپیہ حضورؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؑ خاکسار کی والدہ سے کچھ باتیں فرماتے رہے۔ لیکن خاکسار کو ان باتوں میں سے کچھ بھی یاد نہیں۔ اور نہ یہ یاد ہے۔ کہ وہاں سے کب اور کیسے واپس ہوئے۔

دوسری مرتبہ بھی صبح کا وقت تھا۔ سورج ابھی نکلا ہی تھا خاکسار کو یہ یاد نہیں کہ کس طرح اور کدھر سے مذکورہ برآمدہ میں داخل ہوئے۔ صرف اتنا یاد ہے۔ کہ برآمدہ کے دالان والے باہر کے کونے سے ایک دو سیڑھیاں چڑھ کر ایک اور برآمدہ میں داخل ہوئے۔ جس کے بائیں طرف ایک کوٹھڑی میں حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اس کوٹھڑی کا دروازہ برآمدہ میں تھا۔ اور دائیں طرف کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی۔ شائد دروازے کے بالمقابل بھی ایک کھڑکی تھی۔ لیکن اب ٹھیک طرح یاد نہیں۔ کوٹھڑی میں صرف کوئلوں کی ایک دہکتی انگیٹھی تھی۔ اور ایک چارپائی جس پر کوئی کپڑا اچھا ہوا نہیں تھا۔ حضورؑ چارپائی پر سرہانے کی طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ اور رخ مبارک پائنتی کی طرف تھا۔ جو دروازہ کی طرف تھی۔ حضورؑ نے ایک کشمیری لوئی جس کا رنگ اونٹ کے بالوں کی طرح تھا۔ اور کنارہ سبز تھا۔ اپنے اوپر لپیٹی ہوئی تھی۔ پاؤں مبارک اسی میں چھپے ہوئے تھے۔ حضورؑ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دفعہ بھی ہم تینوں ہی تھے اور چاندی کا ایک ایک روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ خاکسار کی والدہ سے حضورؑ نے کچھ باتیں کیں۔ لیکن خاکسار کو ان باتوں میں سے کچھ یاد نہیں۔ اور نہ یہ یاد ہے۔ کہ وہاں سے کب اور کس طرح واپس آئے۔ البتہ حضورؑ کی شبیہ مبارک دماغ میں نقش ہے۔

دو واقعات جو خاکسار کو تو یاد نہیں۔ والد صاحب مرحوم بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں کچھ احباب جمع تھے۔ اور حضرت اقدس کا انتظار تھا۔ یہ عاجز لوٹوں اور ٹونٹیوں سے کھیل رہا تھا کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب مرحوم نے جھڑکا۔ اس عاجز نے رونا شروع کر دیا

اور والد صاحب کے ہر چند کوشش کرنے پر چپ نہ ہوتا تھا۔ آخر اس شرط پر چپ ہوا۔ کہ جب حضورؑ تشریف لائینگے تو پھر رونا شروع کردونگا۔ انہوں نے سمجھا کہ بچہ ہے اسے کہاں یاد رہیگا۔ لیکن جب حضورؑ تشریف لائے۔ تو پھر رونا شروع کر دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے بچوں سے نرم سلوک کرنے کے متعلق کچھ عرصہ تقریر فرمائی۔

دوسرا واقعہ جو والد مرحوم بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ ہے کہ والد مرحوم حضرت محمد خانصاحب مرحوم کی عیادت کیلئے جایا کرتے تھے۔ ان دنوں قادیان میں زیر علاج تھے۔ ایک دن انکی قیام گاہ پر گئے تو یہ عاجز بھی ساتھ تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی خانصاحب کی عیادت کیلئے تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ بہت سے احباب تھے۔ جن کی وجہ سے خاکسار کو بہت پیچھے ہٹنا پڑا اور رونا شروع کر دیا۔ حضورؑ نے دریافت فرمایا کہ بچہ کون ہے۔ اور کیوں روتا ہے۔ اس عاجز نے روتے روتے کہا کہ مجھے امام مہدی کے پاس نہیں آنے دیتے۔ جس پر خاکسار کو حضورؑ کے پاس جانے کیلئے راستہ دیدیا گیا۔ حضورؑ نے اس خاک پا کو گود میں اٹھالیا اور بہت شفقت فرمائی۔ اللھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد وعلیٰ المسیح الموعود و علیٰ اٰلہ واصحابہ۔

خاکسار عبدالحق رامہ

۳۱-۱-۱۹۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مکرم و محترم جناب سیکرٹری صاحب مجلس کارپرداز - ربوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - بہ تعمیل آپ کے اعلان مندرجہ اخبار الفضل

مؤرخہ ۱۹ - جنوری ۱۹۷۷ء گزارش ہے - کہ خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچپن میں متعدد

دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا موقعہ نصیب ہوا تھا -

خاکسار کی پیدائش ۱۸۹۹ء کی ہے - اور والد محترم

منشی خدا بخش صاحب مرحوم خاکسار کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے ۱۸۹۲ء

میں بیعت کر چکے تھے - بلکہ ان کا بیان ہے - کہ حضورؑ کے دعویٰ سے پہلے بھی قادیان میں

آیا جایا کرتے تھے - وہ موضع بیگووال ریاست کپورتھلہ میں پٹواری تھے - اور اکثر جمعہ کے

دن پیدل صبح چل کر نماز جمعہ قادیان میں ادا کرتے اور شام کو واپس اپنے حلقہ میں پہنچ جاتے -

اور کبھی کبھی اس عاجز کو بھی کندھوں پر اٹھا کر ساتھ لے جایا کرتے تھے پیدل چلتے - خاکسار

کی والدہ مرحومہ بھی اکثر قادیان آیا جایا کرتی تھیں - اور وہیں دفن ہیں -

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے دو نظارے خاکسار کو اب

بھی اچھی طرح یاد ہیں کہ خاکسار اور خاکسار کی والدہ اور ہمشیرہ سیڑھیاں چڑھ کر ایک برآمدے

میں داخل ہوئے - وہاں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا دودھ بلو رہی تھیں - ہمارے

برآمدہ میں داخل ہوتے ہی آپ نے مدھانی سے مکھن کے بننے کا اندازہ

لگانے کیلئے چاٹی سے ڈھکنا اٹھایا تو خاکسار نے دیکھا - کہ چاٹی گلے تک دودھ سے بھری

ہوئی تھی جو یہ امر اس عاجز کیلئے تعجب کا موجب ہوا - کیونکہ خاکسار نے اپنے اور گاؤں

کے دوسرے گھروں میں اتنی بھری ہوئی چاٹی کبھی نہیں دیکھی تھی -

ہمیں دیکھ کر حضرت ام المؤمنین اٹھ کھڑی ہوگئیں - اور ہمیں السلام علیکم

کہہ کر سامنے دالان کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر کے واپس

صبح کا وقت تھا - کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی - لیکن ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا

فہرست مضامین

کتابت : چوہدری محمد ارشد خوشنویس ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السّلام) کا منظوم فارسی کلام حمدِ الٰہی، نعتِ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم، فضائلِ قرآن مجید، صداقت دینِ اسلام، ترغیب حسنات اور وعظ و نصیحت کا ایک ایسا بے بہا خزانہ ہے، جس کی نظیر اور کہیں نہیں مل سکتی۔ یہ کلام آپ کی کتب اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اخبارات میں جگہ جگہ ملتا ہے اور یکجائی طور پر بھی الگ کتابی صورت میں درّثمین فارسی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اس درّثمین کا اُردو ترجمہ تو ہمارے سلسلہ کے ایک بلند پایہ عالم اور صوفی منش بزرگ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم نے کر دیا تھا، جسے محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے قیام پاکستان کے بعد شائع کیا۔ اس سے احباب جماعت کو حضرت اقدس کے فارسی کلام کو سمجھنے میں ایک بڑی حد تک آسانی ہو گئی۔ لیکن اس بے نظیر کلام کے ظاہری اور باطنی محاسن پر تا حال کسی صاحبِ ذوق نے قلم نہیں اُٹھایا۔ حالانکہ کسی فصیح و بلیغ کلام کو پوری طرح سمجھنے اور اوراس سے حظّ اٹھانے کے لئے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی اس کے محاسن سے واقفیت پیدا کرنا ضروری ہے۔ علمِ بلاغت کے قواعد اور تفاصیل کے مرتب کرنے کی ایک بڑی غرض یہی ہے کہ اُن کے ذریعہ سے اساتذۂ فن کے کلام کو کما حقہٗ سمجھ کر اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ اور یہ امر حضرت اقدس کے کلام کے متعلق تو اور بھی ضروری ہے کیونکہ

آپ کا کلام فصاحت و بلاغت میں لاثانی ہے۔ اور اتنا حسین اور پُراثر اور دلگداز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ یہ کلام ایک مؤیّد من اللہ ہستی کا ہے جسے خود ذات باری تعالیٰ نے "سلطان القلم" کا خطاب عطا کیا (تذکرہ صفحہ ۳۰۴ طبع ۱۹۶۹ء)۔ نیز الہاماً بتایا گیا:۔

"درکلام تو چیزیست کہ شعراء را دراں دخلے نیست" (تذکرہ ص۶۵ طبع ۱۹۶۹ء)

یعنی تمہارے کلام میں ایک ایسی چیز بھی ہے جس میں شعرا کو کوئی دخل نہیں۔

اس دُرِّثمین میں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں حضرت اقدس کی بعثت کی غرض (یعنی احیائے اسلام) اور اس کی تکمیل کے ذرائع کو مکمل اور مؤثر طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً بعثتِ رسل، امکان وحی و الہام، ضرورتِ امام، مجددین کی آمد، تبلیغِ ہدایت، مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کے جواب اور سب سے بڑھ کر عرفانِ الٰہی کے حصول کے طریق۔ غرض احیائے اسلام کے متعلق کوئی ضروری موضوع ایسا نہیں جس پر اس دُرِّثمین میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ گویا یہ دُرِّثمین حضرت اقدس کی تعلیم کا مکمل خلاصہ ہے۔

خاکسار کو بچپن سے ہی فارسی نظم سے دلچسپی رہی ہے۔ خصوصاً درثمین فارسی تو اکثر خاکسار کے زیرِ مطالعہ رہی اور جوں جوں عمر بڑھتی گئی اس کتاب سے تعلق خاطر بھی بڑھتا گیا اور اس کی عظمت اور محاسن کے دروازے کھلتے گئے! اور خیال پیدا ہوا کہ اس بارے میں کچھ لکھنا چاہیئے۔ لیکن خاکسار کی کم علمی اور بے بضاعتی سدِّراہ رہی۔ چونکہ ابھی تک اور کسی دوست نے توجہ نہیں فرمائی لہٰذا خاکسار نے بقول مولانا جامیؒ ؎

بیا جامی رہا کن شرمساری ✤ زصاف و دُرد پیش آر آنچہ داری[1]

---

[1]:۔ اے جامی شرم کو چھوڑ، شراب یا تلچھٹ جو کچھ تیرے پاس ہے، سامنے لے آ۔

ارادہ کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے فارسی کلام کے محاسن میں سے تھوڑا بہت جو کچھ یہ عاجز سمجھ سکا ہے، اسے احباب کے سامنے پیش کر دیا جائے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیر کوشش میں برکت ڈال دے اور احباب اس دُرِّثمین سے استفادہ کرنے کی طرف زیادہ متوجہ ہو جائیں۔

اس عظیم کلام کے محاسن کو کما حقہٗ بیان کرنا کسی کے بس کی بات نہیں اور خاکسار تو اپنی کم علمی اور کوتاہ فہمی کا خود معترف ہے۔ اس اہم کام میں ہاتھ ڈالنے کے لئے خاکسار کا عذر سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خاکسار کو اس دُرِّثمین فارسی سے والہانہ الفت ہے۔ وما توفیقی اِلَّا باللہِ العلیّ العظیم وھو اللہ المستعان۔

ہر اچھے کلام کے محاسن کے دو پہلو ہیں۔ ایک باطنی خوبیاں یعنی کلام کی راستی، عظمت اور وسعت جن کے بغیر ظاہری حسن کی کوئی وقعت نہیں۔ اور دوسری ظاہری خوبیاں یعنی عبارت کی خوبصورتی اور دلکشی جس میں وہ حقائق اور اسرار پیش کئے جائیں، جو کلام کی رُوح ہیں۔

چنانچہ شروع میں شعر اور شاعری کے متعلق چند ضروری کوائف بیان کرنے کے بعد زیادہ اہم مضامین کے متعلق اس دُرِّثمین سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ تا معلوم ہو کہ اس درِّثمین کے اتنا مختصر ہونے کے باوجود اسلام کے متعلق کوئی ضروری موضوع ایسا نہیں جس کی مکمل وضاحت اس درِّثمین میں نہ کی گئی ہو۔ اور وہ موضوع بھی ایسے ہیں کہ انسان کو مکمل انسان اور حقیقی مسلمان بننے کے لئے ان کا مطالعہ کرنا اشد ضروری اور ناگزیر ہے۔ حضرت اقدس نے اپنی دوسری کتب میں بھی اور اس دُرِّثمین میں بھی اصلاح خلق اور تجدید و احیائے دین اسلام کے لئے بھی قرآن و حدیث کے مطالب ایسے عمدہ، دلکش اور مؤثر طریق پر بیان کئے ہیں کہ خود بخود قاری کے دل میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اس مختصر تعارف میں نہ تو ان تمام مضامین کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جو اس دُرِّثمین کے بحرِ زخّار میں پائے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی ہر مضمون کے متعلق جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے تمام متعلقہ اقتباسات

پیش کرنا ممکن ہے۔ لہٰذا زیادہ اہم مضامین اور ان مضامین میں سے ہر مضمون کے متعلق صرف چند اقتباسات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور کسی کسی جگہ حسن کلام کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد حسن کلام کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔ وہاں بھی فصاحت و بلاغت کی اقسام اور جزئیات کی تشریح کرتے وقت وصف یا صنعت کے متعلق وہ تمام اشعار پیش کرنا ممکن نہیں جن میں وہ وصف یا صنعت پائی جاتی ہو۔ کیونکہ حضرت کے تو ہر شعر میں متعدد اوصاف موجود ہیں بلکہ ایک ایک شعر میں کئی کئی صنعتیں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ہر وصف یا صنعت کے لئے چند شعر ہی بطور نمونہ پیش کئے جا سکے ہیں۔

ویسے اگر کسی شعر میں ان صنعتوں میں سے جو فصاحت و بلاغت کی کتب میں منضبط کی گئی ہیں، کوئی صنعت بھی نہ لائی گئی ہو، تو حضرت اقدس کی خداداد علمی استعداد کی بنا پر محض مناسب الفاظ کے انتخاب اور ان کی موزوں ترتیب سے ہی ایسا حسن پیدا ہو گیا ہے، جو دوسروں کی صنعتوں والے اشعار میں بھی نظر نہیں آتا۔ اور دراصل یہی قادر الکلامی کی معراج ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کلام کا بیشتر حصہ ایسے ہی اشعار پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ آگے آپ کے کلام سے مثالیں پیش کر کے وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

جس درثمین کے صفحات کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ درثمین فارسی مترجم طبع ثانی مطبوعہ ۱۹۶۷ء ہے۔

شعر کیا ہے؟

کسی منظوم کلام کا جائزہ لینے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ شعر ہے کیا چیز؟ شاعری ایک خداداد ملکہ ہے، جو خاص خاص انسانوں کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودلیعت کیا جاتا ہے۔ یہ بات ہر کس وناکس کے بس کی نہیں۔ نہ ہر تُک بندی کرنے والا شاعر کہلا سکتا ہے اور نہ ہر خود ساختہ شاعر کو قبولیّت عامہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۗ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝

(الرحمٰن : ۲ - ۵)

یعنی "وہ رحمٰن خدا ہی ہے، جس نے قرآن سکھایا ہے۔ اسی نے انسان کو بنایا اور اسے فصاحت وبیان بخشا"۔ بے شک اس لحاظ سے بھی انسان اشرف المخلوقات ہے۔ لیکن اس کے مختلف کمالات اور فضائل کے مظاہر خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ اسی طرح قُوّتِ بیان بھی چیدہ چیدہ افراد کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

عام طور پر شعر کی یہ تعریف کی جاتی ہے۔ "وہ کلام موزوں جسے متکلّم نے بالارادہ موزوں کیا ہو" یہ تعریف مکمل نہیں کیونکہ شاعری صرف وزن اور قافیہ کا نام ہی نہیں۔ مثلاً ایسے منظوم باقافیہ کلام کو جیسے :۔

دندان تو جملہ در دہان اند ؎ چشمانِ تو زیرِ ابروان اند[1]

شعر نہیں کہہ سکتے۔ اسی لئے شبلی نعمانی نے نظامی عروضی سمرقندی کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

"شاعری اس کا نام ہے کہ مقدمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بدنما اور بُری چیز

---

[1] : تیرے سب دانت منہ میں ہیں ؛ اور تیری آنکھیں ابروؤں کے نیچے ؎

خوشنما ثابت کی جائے، جس سے محبت اور غضب کی قوتیں مشتعل ہو جائیں"۔
(شعر العجم: حصہ اوّل، صـ۱۰)

یہ تعریف بھی کچھ اچھی نہیں۔
چنانچہ یہی بزرگ آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے) ایک قسم کی مصوّری یا نقّالی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مصوّر صرف مادی اشیاء کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ بخلاف اس کے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ ایک شخص کا عزیز دوست جُدا ہو رہا ہے۔ اس حالت میں جو اس پر صدمے گذرتے ہیں اور دلدوز خیالات کا جو طوفان اس کے دل میں اُٹھتا ہے شاعر اس کی تصویر اس طرح کھینچ سکتا ہے کہ اگر رنج و غم مادی چیزیں ہوتیں اور ان کی تصویر کھینچی جاتی تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ کھینچی تھی"۔ (شعر العجم: حصہ اوّل، صـ۱۲)

یہی بزرگ (مولانا شبلی نعمانی) مزید لکھتے ہیں: -

"شاعر کے لفظی معنی صاحبِ شعور کے ہیں۔ شعور اصل میں احساس (فیلنگ) کو کہتے ہیں یعنی شاعر وہ شخص ہے جس کا احساس قوّی ہو۔ انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ مثلاً رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا۔ یہ حالتیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتی ہیں۔ رونے کے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ہنسی کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ انگڑائی میں اعضاء تن جاتے ہیں۔ اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصّہ یا استعجاب کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر پڑتا ہے اور یہ اثر موزوں الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کا نام شاعری ہے"۔ (شعر العجم: حصہ اوّل، صـ۱۳-۱۴)

ایک اور بزرگ لکھتے ہیں، کہ شعر کے معنی ہیں صحیح فراست اور درست فکر اور استدلال سے مفہوم کلام کو پانا، اور اصطلاح میں اس کلام کو کہتے ہیں جو سوچ بچار کر کہا جائے، بامعنی ہو، وزن اور قافیہ رکھتا ہو۔ ایک فاضل نے کہا ہے: اِنَّہٗ نَفْثَۃٌ رُّوْحَانِیَّۃٌ تَتَمَزَّجُ بِاَجْزَاءِ النُّفُوْسِ وَلَاتَحِسُّ بِہٖ مِنْھَا غَیْرُ النُّفُوْسِ الذَّکِیَّۃِ۔ یعنی القائے روحانی جو دل کے گوشوں میں گھس جاتا ہے، لیکن تیز فہم شخص کے سوا اسے کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک اور بزرگ نے کہا ہے: اَلشِّعْرُ قَوْلٌ یَّصِلُ اِلَی الْقَلْبِ بِلَا اِذْنٍ یعنی شعر ایسا کلام ہے جو بلا اجازت دل میں اُتر جاتا ہے۔" (ماخوذ از دبیر العجم، صفحہ ۵۰، ۵۱)

ان مختلف اقوال کا خلاصہ یہ ہے، کہ شعر وہ کلام ہے جس سے شاعر کے جذبات اور احساسات کا پورا پورا اظہار ہوتا ہے، اور جو سننے والے کے دل پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اسے بالارادہ ایسے اوزان پر موزوں کیا جاتا ہے جو ترنّم کے لئے مناسب ہوں۔ کیونکہ ترنّم بھی کلام کے تأثر کو بڑھانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (المزمل: ۵) یعنی قرآن کو ترنّم کے ساتھ پڑھو۔ قافیہ شعر کا جزو لاینفک نہیں۔ البتہ پہلے اکثر اس کا التزام کیا جاتا تھا۔ جس نظم میں قافیہ کا التزام نہ ہو اُسے آزاد نظم کہتے ہیں۔ اور آج کل اسکا بہت رواج چل نکلا ہے۔ اسی طرح قافیہ کے ساتھ روی کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ یہ اہلِ فارس کی ایجاد ہے۔ عرب شاعری میں اس کا رواج نہیں تھا۔

شعر کی مذکورہ بالا تعریف سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دو دھاری تلوار ہے، جو دوست و دشمن دونوں کو کاٹ سکتی ہے۔ شعر اخلاق حسنہ پر بھی اُبھارتا ہے اور اخلاق رذیلہ پر بھی اُکساتا ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"شریفانہ اخلاق پیدا کرنے کا شاعری سے بہتر کوئی آلہ نہیں ہو سکتا۔ علم اخلاق ایک مستقل فن ہے۔ اور فلسفہ کا جزو اعظم ہے۔ ہر زبان میں اس فن پر بہت سی کتابیں لکھی گئی

ہیں۔ لیکن اخلاقی تعلیم کے لئے ایک ایک شعر ضخیم کتاب سے زیادہ کام دے سکتا ہے۔ شاعری ایک مؤثر چیز ہے۔ اس لئے جو خیال اس کے ذریعہ سے ادا کیا جاتا ہے۔ دل میں اُتر جاتا ہے اور جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے۔ اس بنا پر اگر شاعری کے ذریعہ سے اخلاقی مضامین بیان کئے جائیں۔ اور شریفانہ جذبات مثلاً شجاعت، غیرت، حمیت، آزادی کو اشعار کے ذریعہ سے ابھارا جائے، تو کوئی اور طریقہ برابری نہیں کر سکتا۔"

(شعر العجم حصہ چہارم صفحہ ۹۳)

پھر لکھتے ہیں:۔

"فارسی شاعری اس وقت تک قالب بے جان تھی۔ جب تک اس میں تصوّف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ مدّاحی اور خوشامد کا نام تھا۔ مثنوی واقعہ نگاری تھی۔ غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوّف کا اصل مایۂ خمیر عشق حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے۔ عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی۔ اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرما دیئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا۔ گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اربابِ دل ایک طرف، اہلِ ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی۔"

(شعر العجم حصہ پنجم، صفحہ ۱۲۰)

لیکن "شاعری میں جب عاشقانہ خیالات آتے ہیں۔ تو بہت جلد ہوا و ہوس کی طرف منجر ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام شاعری رندانہ اور عیاشانہ خیالات سے بھر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بے حیائی اور فحش تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ عاشقانہ شاعری چھٹی صدی میں شروع ہوئی۔ چونکہ ایران کو رندی اور عیش پرستی سے خاص مناسبت ہے۔ اس لئے احتمال تھا کہ بہت جلد اس کے خمیر میں عفونت آجائے۔ لیکن تصوّف

نے کئی سو برس تک اس کی لطافت میں فرق نہ آنے دیا۔ تصوف کا اعجاز یہ تھا، کہ وہ الفاظ جو رندی اور عیاشی کے لئے خاص تھے وہ حقائق اور اسرار کے ترجمان بن گئے۔" (شعر العجم حصہ پنجم، ص ۱۳۳)

غرض "شاعری کے جس قدر اقسام ہیں یعنی فلسفیانہ، اخلاقی، عشقیہ، تخیئلی سب سے مفید کام لئے جا سکتے ہیں۔ فلسفیانہ شاعری دقیق خیالات کو آسانی کے ساتھ ذہن نشین کر سکتی ہے۔ اخلاقی شاعری اخلاق کو سنبھالتی ہے۔ عشقیہ شاعری سے زندہ دلی اور تازگیٔ رُوح پیدا ہوتی ہے۔ تخیئل سے طبیعت کو اہتزاز اور انبساط ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اکثر شعرائے ایران نے شاعری کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ بہ لحاظ غالب شاعری صرف دو کام کے لئے مخصوص ہوگئی۔ سلاطین اور اُمراء کی مدّاحی جس میں کذب و افترا کا طومار باندھا جاتا تھا، اور عشق و عاشقی جو دُور از کار مبالغوں اور فضول گوئیوں سے معمور تھی۔ متأخرین نے تخیئلی کو البتہ بہت وسعت دی۔ لیکن اس میں اس قدر اعتدال سے تجاوز کر گئے کہ تخیئلی نہیں رہی بلکہ معما بن گئی۔" (شعر العجم حصہ چہارم ص ۹۵)

قرآن کریم نے شاعری کے دونوں پہلو (اچھے بُرے) بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں: -

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

(الشعراء: ۲۲۲-۲۲۸)

کیا مَیں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں
وہ شاعر اپنے کان (آسمان کی طرف) لگائے رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر جھوٹے
ہوتے ہیں۔ (یہی وجہ ہے کہ) گمراہ لوگ ہی شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔
(اے مخاطب) کیا تو نہیں سمجھ سکتا کہ شعراء تو ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور
وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں اُن کے سوا (ایسے شاعر بھی) ہیں جو
مومن ہیں اور نیک عمل بجالاتے ہیں۔ اور (اپنے شعروں میں) اللہ کا بہت ذکر
کرتے ہیں۔ اور (اگر ہجو کرتے ہیں تو ابتدا نہیں کرتے بلکہ) مظلوم ہونے کے بعد
جائز بدلہ لیتے ہیں اور ظالم لوگ ضرور ہی جان لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔
خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت اقدس کا کلام اس شاعری کا بہترین نمونہ ہے جسے قرآن کریم
نے جائز قرار دیا ہے۔ آپ نے اس شاعری کو صرف روحانیات اور اخلاقیات جیسے بلند مقاصد
کے لئے استعمال فرمایا اور اپنے شعروں میں خدا، خُدا کے نبیؑ اور خُدا کے کلام کا اس کثرت سے
اور اس والہانہ انداز سے ذکر کیا کہ اس کی مثال کسی پہلے یا پچھلے شاعر کے کلام میں قطعًا نہیں
مل سکتی اور خدا اور رسولؐ کے ذکر میں عشق و محبت کے رموز و نکات بھی خوب خوب بیان فرمائے۔ آپ کے
کلام میں کسی معمولی سے معمولی خلاف اخلاقِ حسنہ امر کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ ورنہ فارسی کے شعراء میں سے سوائے
چند ایک کے باقی سب بڑے بڑے صوفی بزرگ بھی اس حمام میں ننگے نظر آتے ہیں مثنوی مولانا روم کو ہی لیجئے اسمیں
بعض حکایات اتنی فحش ہیں کہ خدا کی پناہ! حتیٰ کہ شیخ سعدی جیسے واعظ بزرگ بھی اس کیچڑ سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔
یہ شرف صرف حضرت مسیح موعودؑ کو حاصل ہے کہ آپ نے شعر کی بلند ترین چوٹیوں کو چھُوا لیکن کبھی
متانت اور سنجیدگی کے دامن کو نہ چھوڑا۔ ہمیشہ صاف ستھرے الفاظ استعمال فرمائے۔ یہانتک کہ ذومعنی
الفاظ سے بھی پرہیز کیا۔ ہاں اپنی خداداد فصاحت و بلاغت سے کام لیکر خشک سے خشک مضمونوں کو بھی
لذیذ اور رسیلہ بنا دیا۔ جیسا کہ آگے آپ کے کلام کے نمونوں سے واضح ہو جائے گا۔

کیا اسلام میں شاعری جائز نہیں؟

بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے شاعری ناجائز ہے۔ یہ خیال درست نہیں ہے، کیونکہ اگر متذکرہ بالا آیات کا یہی مفہوم ہوتا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم یہ نہ فرماتے:۔ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً (مشکوٰۃ باب البیان والشعر) یعنی شعر میں بھی دانائی کی باتیں ہیں۔ اور نہ حسّان بن ثابتؓ کو کفّار کے مقابلہ میں ہجو کی اجازت مرحمت فرماتے:

اُھْجُ الْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّ جِبْرِئِیْلَ مَعَکَ ---- اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ[1]۔ (مشکوٰۃ باب البیان والشعر)۔

اسی طرح کعبؓ بن زہیر نے اپنا قصیدہ پیش کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور اپنی چادر اُسے عنایت فرمائی۔

ایک اور روایت میں ہے:۔

"عن عمرو بن الشرید عن ابیہ قال رَدِفتُ رسُولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یوما فقال ھل معك من شعر امیّۃَ بن الصّلت من شئ قلت نعم قال ھیہ فانشدتہ بیتا فقال ھیہ ثُمَّ انشدتہ بیتا فقال ھیہ حتّی انشدتہ مائۃ بیت" (مشکوٰۃ باب البیان والشعر)

یعنی عمرو بن شرید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ ایک دن میں کسی سواری پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا تجھے امیہ بن ابی الصلت کے کچھ

---

[1] یعنی مشرکوں کی ہجو بیان کر (اس کام میں) یقیناً جبرئیل تیرے ساتھ ہے۔۔۔ میری طرف سے مشرکوں کو جواب دے۔ اے خُدا! رُوح القدس سے اس کی مدد فرما۔

شعر یاد ہیں، مَیں نے کہا ہاں یاد ہیں۔ فرمایا پڑھو۔ مَیں نے ایک شعر سنایا۔ آپ نے فرمایا۔
اور پڑھو۔ تو مَیں نے اور شعر پڑھا۔ آپ نے فرمایا اور پڑھو۔ حتّٰی کہ مَیں نے آپؐ کو سَو شعر سنائے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شعروں کا سنانا بھی جائز ہے جن کا کہنے والا فاسق و فاجر ہو،
ایک اور موقعہ پر کسی نے سوال کیا۔ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَاذَا تَرٰی فِی الشِّعْرِ فَقَالَ اِنَّ
الْمُؤْمِنَ یُجَاھِدُ بِسَیْفِہٖ وَلِسَانِہٖ۔ کہ یا رسُول اللہؐ شعر کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟
فرمایا: مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ پس شعر کہنا اور سننا بالکل جائز
اور روا ہے۔

پھر ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک بڑے بڑے صوفی اور زاہد بھی شعر کہتے رہے ہیں،
ہاں! جو شعر رذائل پر اکسائیں وہ بے شک منع ہیں۔ لیکن جو شعر خُدا، رسولؐ اور حسنات کی طرف
کھینچیں انہیں کس طرح حرام قرار دیا جا سکتا ہے؟

البتہ جائز شاعری میں بھی افراط تفریط سے بچنا لازم ہے۔ چنانچہ ایک جگہ بعض شاعرانہ
مذاق کے دوست ایک باقاعدہ انجمن مشاعرہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے متعلق حضرت
مسیح موعودؑ سے دریافت کیا گیا، فرمایا:۔

"یہ تضیع اوقات ہے کہ ایسی انجمنیں قائم کی جائیں اور لوگ شعر بنانے میں
مستغرق رہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص ذوق کے وقت کوئی نظم لکھے اور
اتفاقی طور پر کسی مجلس میں سُنائے، یا کسی اخبار میں چھپوائے۔ ہم نے اپنی کتابوں
میں کئی نظمیں لکھی ہیں۔ مگر اتنی عمر ہوئی کسی مشاعرہ میں شامل نہیں ہوئے۔
مَیں ہرگز پسند نہیں کرتا۔ کہ کوئی شخص شاعری میں نام پیدا کرنا چاہے۔ ہاں
اگر حال کے طور پر نہ صرف قال کے طور پر اور جوش روحانی سے اور نہ خواہش
نفسانی سے کبھی کوئی نظم جو مخلوق کے لئے مفید ہو لکھی جائے، تو کچھ مضائقہ نہیں،

مگر یہی پیشہ اختیار کر لینا ایک منحوس کام ہے"۔

(الحکم ۳۰ جون و البدر ۲۷ جون ۱۹۰۶ء)

اسی طرح ایک دفعہ "اشعار اور نظم پر سوال ہوا اور (حضرت اقدس نے) فرمایا:-

" نظم تو ہماری اس مجلس میں بھی سُنائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ ایک شخص خوش الحان کی تعریف سُن کر اس سے چند ایک شعر سنے۔ پھر فرمایا: رحمك اللہ۔ یہ لفظ آپ جسے کہتے تھے وہ جلد شہید ہو جاتا تھا۔ چنانچہ وہ بھی میدان میں جاتے ہی شہید ہو گیا۔ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجد میں شعر پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے روکا کہ مسجد میں مت پڑھو۔ وہ غصہ میں آگیا اور کہا تو کون ہے کہ مجھے روکتا ہے۔ مَیں نے اسی جگہ اور اسی مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھے تھے اور آپؐ نے منع نہ کیا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ ایک شخص کا اعتراض پیش ہوا کہ مرزا صاحب شعر کہتے ہیں۔ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی شعر پڑھے ہیں۔ پڑھنا اور کہنا ایک ہی بات ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی شاعر تھے۔ حضرت عائشہؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے قصائد مشہور ہیں۔ حسانؓ بن ثابت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مرثیہ لکھا۔ سیّد عبدالقادر صاحبؒ نے بھی قصائد لکھے ہیں۔ کسی صحابی کا ثبوت نہ دے سکو گے کہ اس نے تھوڑا بہت شعر نہ کہا ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منع نہ فرمایا۔ قرآن شریف کی بہت سی آیات شعروں سے ملتی ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ سورۃ شعراء میں اخیر پر شاعروں کی مذمت کی ہے۔ فرمایا۔ وہ مقام پڑھو۔ وہاں خُدا نے فسق و فجور کرنے والے شاعروں کی مذمت کی ہے۔ اور مومن شاعر کا وہاں خود استثناء کر دیا ہے۔ پھر ساری زبور

نظم ہے ۔ یرمیاہ، سلیمان اور موسیٰ کی نظمیں تورات میں ہیں۔ اس سے ثابت ہؤا کہ نظم گناہ نہیں۔ ہاں فسق و فجور کی نظم نہ ہو۔ ہمیں خود الہام ہوتے ہیں بعض ان میں سے مُقفّٰی اور بعض شعروں میں ہیں“ (البدر ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

بعض پاکیزہ مزاج لوگوں کے نزدیک شاعری کے معتوب ہونے میں خود شعراء کو بھی بڑا دخل ہے ۔ کیونکہ عام طور شاعری کے صرف دو مقصد قرار پاگئے تھے ۔ ایک حصول شہرت اور دوسرا جلب منفعت ۔ ان ادنیٰ اور حقیر مقاصد کے لئے بہت سے شاعروں نے اخلاقی پستی کی انتہائی گراوٹ تک پہنچنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ عوام کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے مزاح کو پھکڑ بازی تک پہنچایا۔ اور امراء کو خوش کرنے کے لئے ان کی بیجا تعریفوں اور ستائش کے طومار باندھتے رہے۔ بظاہر پاکیزہ محبت کے جذبات اور احساسات بیان کرنے کے بہانہ سے سفلی جذبات کو خوب خوب برانگیختہ کیا۔ اگر کسی جگہ انہیں مطلوبہ قبولیت حاصل نہ ہوسکی تو انہوں نے ترک وطن سے بھی دریغ نہ کیا۔ چنانچہ مغل عہد حکومت میں ایران کے متعدد جیّد شعرا مثلاً عرفی، نظیری، طالب آملی، قدسی، ابوکلیم وغیرہ ہندوستان چلے آئے، تا مغل حکمرانوں کی داد و دہش سے متمتع ہوسکیں۔ طالب آملی خود کہتا ہے ؎

در آ بہ ہند و بہ بین رُتبۂ سخا و سخن ؛ کہ منبع سخن و معدنِ سخا اینجاست
بہ ہند جوہر یانند قدر فضل شناس ؛ رواج گوہر دانش بمدعا اینجاست[1]

اسی طرح ابوطالب کلیم کہتا ہے ؎

اسیرِ کشورِ ہندم کہ از وفورِ سرور ؛ گدا بدست گرفت است کاسۂ طنبور[2]

---

[1] :۔ ہندوستان آؤ اور سخاوت اور شاعری کا مرتبہ دیکھو۔ کیونکہ حسن کلام کا منبع اور فیاضی کی کان یہیں ہے ۔ یہاں ایسے جوہری ہیں جو علم و فضل کی قدر جانتے ہیں ۔ دانائی کے موتیوں کی سوداگری یہیں اپنے مقصد کو پہنچتی ہے ۔
[2] : مَیں تو مملکت ہند کا گرویدہ ہوں ۔ جہاں خوشی اور شادمانی کی وجہ سے بھیک مانگنے والوں نے بھی طنبورے کو اپنا کاسۂ گدائی بنا لیا ہے ۔

عبید زاکانی تو یہاں تک کہہ گیا :-

اے خواجہ تا بتوانی مکن طلب علم   کاندر طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز   تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی[1]

مذکورہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس قسم کے شاعروں کے کلام میں کوئی خوبی نہیں تھی۔ خوبیاں ہیں۔ بہت ہیں۔ انہوں نے عمدہ عمدہ حکیمانہ اور ناصحانہ شعر بھی کہے ہیں۔ لیکن زیادہ تر ان کا کلام رندی اور عشق بازی کے بیان پر مشتمل ہوتا تھا اور عوام بھی انہیں اشعار کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں، جو ادنیٰ جذبات کی تسکین کریں۔ لہذا ایسے شاعروں کا کلام اصلاح نفس اور تہذیب اخلاق میں بہت کم ممد ہوتا ہے۔

لیکن ان کے برخلاف اہل اللہ اور صوفیان باصفا کی ایک بڑی جماعت ایسی ہے جنہوں نے کسی قسم کی حرص سے بھی اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیا اور اپنے خداداد جوہر شعر گوئی کو مخلوقِ خدا کی اصلاح اور بہبودی کے لئے وقف رکھا۔ انہوں نے نہ شرف اور قبولیت کو اپنا قبلۂ مقصود بنایا اور نہ ذاتی منفعت کو، دل کے کسی گوشہ میں جگہ دی۔ ان کی شاعری محبتِ الٰہی، ہمدردئ مخلوق اور صدق و راستی کا بے اختیار اظہار تھا، جو ان کے پاکیزہ دلوں میں موجزن تھی اور بس۔ انہوں نے اگر کسی دنیاوی وجاہت والی ہستی کی مدح بیان بھی کی تو اسے دائرہ حقیقت سے نہ بڑھنے دیا۔ ان کے ممدوح وہی ہستیاں بنیں، جو خلق اللہ کیلئے نفع رساں تھیں۔ ایسے بزرگوں کی درخشاں مثالیں شیخ فریدالدین عطار، حکیم سنائی، مولانا روم، شیخ سعدی اور دوسرے کئی بزرگ ہیں، جن کے ذکرِ خیر سے شعراء کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔

---

[1]: اے شیخ جہاں تک تجھ سے ہو سکے علم حاصل کرنے کی کوشش مت کر۔ ورنہ تو ہمیشہ روزانہ خوراک کی تلاش میں ہی سرگرداں رہے گا (یعنی تجھے کبھی فارغ البالی نصیب نہیں ہوگی۔ جا مسخروں کا پیشہ اختیار کر اور گانا سیکھ تا تو ہر بڑے چھوٹے سے اپنی داد وصول کر سکے ؛؛

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس مؤخر الذکر جماعت کے امام ہیں۔آپ نے اپنے خداداد ملکہ کو صرف تبلیغ اور تجدید دین تک محدود رکھا۔ آپ نے اگر کسی کی مدح بھی کی تو محض اس کی خدمات دین کے لئے ۔آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے۔کہ آپ کے قلب مطہر میں پاکیزہ جذبات کا ایک بحر موّاج موجود ہے۔جو بے اختیار آپ کی نوک قلم سے بہ کر تمام دنیا کو سیراب کر رہا ہے اور تا قیامت سیراب کرتا رہے گا۔ آپ کے کلام میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی شائبہ تک نہیں۔لفظ لفظ اخلاص اور راستی پر مبنی ہے۔

فصاحت و بلاغت

فصاحت و بلاغت کیا ہے؟ بات کو ایسے طریق پر بیان کرنا کہ کلام خوبصورت بھی ہو، پُر اثر بھی اور آسانی سے سمجھ میں بھی آسکے۔ ہر شخص بولنے کی صلاحیت سے کسی نہ کسی حد تک اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے، اور جوں جوں فراست اور تجربہ میں بڑھتا جاتا ہے اپنے کلام کو مختلف طریق سے زیادہ مؤثر اور خوبصورت بناتا جاتا ہے۔ مناسب الفاظ چن کر انہیں صحیح ترتیب دے کر۔ مثالیں لاکر (تشبیہ و استعارہ وغیرہ) تزئین کلام کے دوسرے فنون (صنائع بدائع) استعمال کرکے، اور ترقی کرتے کرتے بعض اشخاص ایسا کمال حاصل کر لیتے ہیں کہ پھر بغیر کوشش اور تردد کے ان کی زبان اور قلم سے فصیح و بلیغ کلام ہی نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا کلام حدیث قدسی اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کے مطابق سحر حلال بن جاتا ہے۔ اس سحر حلال کو نظم کی شکل میں ڈھال لیا جائے، تو اسی کا نام شاعری ہے۔ جو بعض ادبائ کے نزدیک فصاحت و بلاغت کا انتہائی مقام ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:۔

"حیث قیل فلو انهم سألوا الحقیقة ان تختار لها مکاناً تشرف منه علی الکون لما اختارت غیر بیت من الشعر۔ کہ اگر حقیقت امر سے کہیں کہ وہ اپنے لئے ایک ایسی جگہ تجویز کرے جہاں سے وہ حقائق عالم موجودات عالم پر اطلاع پا سکے، تو وہ بیت شعر کے علاوہ اور کوئی مقام پسند نہیں کرے گی۔" (ماخوذ از دبیر عجم، ص۵۱)

ایک بڑی حد تک تو یہ بات یقیناً درست ہے کہ شاعری فصاحت و بلاغت کا انتہائی مقام ہے، لیکن کلیتہً درست نہیں، کیونکہ منثور کلام بھی انتہائی طور پر فصیح و بلیغ ہو سکتا ہے۔

اور قرآن کریم اس کی بہترین مثال ہے۔ انسانوں میں بھی دوسرے کمالات کی طرح فصاحت و بلاغت کے مختلف مدارج ہیں۔ بعض لوگ کوشش کرکے بھی فصیح وبلیغ کلام پر قادر نہیں ہوسکتے اور بعض جیساکہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے مشق اور تجربہ سے یہ شرف حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعض اشخاص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فضیلت ودلیعت کی جاتی ہے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُمّی ہونے کے باوجود کوئی اور انسانی کلام آپ کے کلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت میں یہی شرف حاصل ہوُا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

"ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے انشاپردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے تا معارف حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں اور وہ بلاغت جو ایک بیہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہوگئی تھی۔ اس کو کلام الٰہی کا خادم بنادیا جائے۔" (نزول المسیح ص۵۹)

پس معلوم ہوُا کہ فنون بلاغت کا استعمال فی ذاتہٖ ممنوع بلکہ ان کا بے موقع استعمال قابل اعتراض ہے۔ ورنہ کلام کو حسین، پُر اثر اور مختصر بنانے کے لئے جو طریق اور فنون علم بلاغت میں رائج ہیں، وہ سب قرآن کریم میں موجود ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ فصاحت و بلاغت کے قواعد زیادہ تر قرآن کریم اور احادیث رسول کریمؐ سے ہی مرتب کئے گئے ہیں۔ چنانچہ علم بلاغت کی کتب میں مختلف فنون کے لئے مثالیں اولاً فرقان مجید اور احادیث نبوی سے ہی پیش کی جاتی ہیں اور بعد میں ادباء اور شعراء کے کلام سے۔ ہاں ایسی بیہودہ اور لغو صنعتیں جو بعض شعراء نے محض اپنی قابلیت اور بڑائی جتانے کے لئے وضع کی ہیں اور جن سے کلام کے تأثر میں کچھ بھی زیادتی نہیں ہوئی۔ مثلاً با نقطہ یا بے نقطہ عبارت یا ایسی عبارت جو سیدھا اُلٹا پڑھنے میں یکساں ہو۔ ایسی دور از کار صنعتوں سے کلام مجید پاک ہے لیکن جو صنعتیں کلام کو پُر اثر اور

دلنشین بناتی ہیں۔ وہ سب کلام الٰہی میں موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت اقدس (مسیح موعود علیہ السّلام) فرماتے ہیں :-

"یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ قرآن کریم کے ہر یک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے۔ اور اللہ جلشانہٗ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعارات لطیفہ سے بھرا ہؤا ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۱۵۰ حاشیہ در حاشیہ)

علم بیان کے لحاظ سے لفظ استعارہ اور لفظ حقیقت کی تعریف اور تشریح آگے زیر عنوان علم بیان (ص۱۵۵ ہذا) ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں یہ امر خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت اقدس نے یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ قرآن مجید استعارات سے بھرا ہؤا ہے اس لئے بلیغ ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ چونکہ یہ پاک کلام اعلیٰ درجہ کا بلیغ ہے اس لئے استعارات سے بھرا ہوا ہے۔ گویا حضرت اقدس کے نزدیک بھی فنون بلاغت خود بخود فصیح و بلیغ کلام میں آجاتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں ان فنون کا استعمال (جن کی تفصیل آگے آئے گی) نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

چنانچہ آپ نے ایک اور جگہ فرمایا ؎

زباں گرچہ بحرے بود موجزن ۔۔۔ طلاقت نگیرد بجز علم و فن
کسے کو ندارد وقوفے تمام ۔۔۔ چہ طورش سیاقت بود در کلام[1]

(درثمین ص۳۱۶)

مظاہر قدرت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں میں گوناگوں فوائد کے ساتھ ساتھ خوبصورتی بھی پیدا کی ہے[2]۔ سبزے کو لیجئے، پھولوں کو دیکھئے، درختوں پر نظر ڈالئے

---

[1]: زباں اگرچہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح تیز رفتار ہو پھر بھی علم و فن کے بغیر اس میں فصاحت نہیں ہوسکتی۔ جو شخص (فنون بلاغت سے) پوری واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے کلام میں روانی کس طرح ممکن ہے۔

[2]: اَللّٰہُ ۔۔۔ الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ (السجدہ : ۸)

جانوروں کے پروں اور رنگوں کو دیکھئے۔ خود انسان کے حسن صورت پر غور کیجئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کی فطرت میں حسن نے حظ اٹھانے کا ملکہ رکھا وہاں یہ رُجحان بھی ودلیعت فرمایا ہے کہ وہ جو چیز بھی بنائے اس میں خوبصورتی پیدا کرنے کی بھی کوشش کرے۔ سامان خانہ، برتن لباس، مکان وغیرہ اگر سیدھے سادے بنائے جائیں تو ان کی افادیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ لیکن ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ان تمام چیزوں کو بہتر سے بہتر رنگ میں سجاتا ہے۔ لہٰذا کلام بھی اس عالمگیر جذبہ کے دائرۂ عمل سے باہر نہیں رہ سکتا۔ خصوصاً جب ایسی تزئین سے اس کا تأثر بھی بہت بڑھ جاتا ہے۔

لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو چیزیں کسی اعلیٰ ضرورت کے پُورا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں وہ انسانوں کے طبعی لالچ اور بخل کی وجہ سے خود ہی قبلۂ مقصود بن جاتی ہیں۔ مثلاً غذا انسان کی صحت اور زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں۔ کہ کئی اشخاص کے لئے یہی لذتِ کام و دہن ہی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے : ؎

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است ٭ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است[1]

اسی طرح صنائع بدائع اور بلاغت کے دوسرے فنون مرتب کرنے کا مقصد تو یہ تھا کہ انکے ذریعہ سے کلام کو فصیح وبلیغ بنایا جائے۔ یا فطرتی طور پر کوئی قادر الکلام شخص اپنے خیالات کو بہتر اور مؤثر رنگ میں ادا کرنے کے لئے جو جو طریق اختیار کرتا ہے، اس کی نشاندہی کی جائے تا اس کے کلام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور دوسرے لوگ بھی ان طریقوں کو اپنا کر اپنے کلام کو مؤثر بنا سکیں۔ لیکن ہُوا یہ کہ بہت سے انشاپردازوں اور شاعروں نے صنائع بدائع کو ہی اپنا مطمع نظر بنا لیا۔ تا لوگوں کو بتائیں کہ وہ کیسا اچھوتا کلام پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ خواہ اس کلام میں مفید مطلب امر ہو یا نہ ہو

---

[1] : کھانا زندہ رہنے اور (اللہ تعالیٰ) کا ذکر کرنے کے لئے ہے۔ لیکن تو سمجھتا ہے کہ زندگی محض کھانے پینے کی خاطر ملی ہے ٭

مؤلف حدائق البلاغت نے اس حقیقت کو بڑے مؤثر اور دلکش طریق پر بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"باید دانست کہ شاعر را واجب است کہ چوں متوجہ بضایع لفظی شود رعایت معنی را مقدم بدارد و الّا شعرے کہ مشتمل بر صنعت لفظی باشد و درجۂ معنی در و منحط شود۔ مثل سگی یا خوکی است کہ عقد جواہر در گردن او بستہ باشند" (حدائق البلاغت ص۱۱)

جاننا چاہتے ہیں کہ شاعر کے لئے واجب ہے کہ جب صنائع لفظی کی طرف متوجہ ہو، تو معنی کی نگہداشت کو مقدم رکھے۔ ورنہ جو شعر صرف صنعت لفظی پر مشتمل ہو اور اس میں معانی کا درجہ گرا ہوا ہوگا تو وہ اس کتے یا سؤر کی مانند ہے جس کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالا گیا ہو۔

غرض بزرگ مذکور کے نزدیک فنون بلاغت کو معانی یعنی اصل مطلب پر فوقیت دینا قابلِ مذمت ہے۔ ورنہ ان فنون کے استعمال کے متعلق تو انہوں نے خود ایک ایسی اچھوتی دلیل دی ہے جو اور کہیں نظر نہیں آتی (خاکسار اختصار کی خاطر اصل اقتباس پیش کرنے کی بجائے صرف اس کا ترجمہ درج کرتا ہے) فرمایا:۔

"ارباب بلاغت کو اس امر پر اتفاق ہے کہ مجاز اور کنایہ حقیقت اور تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور استعارہ تشبیہ سے زیادہ قوی۔ مجاز اور کنایہ کے زیادہ بلیغ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجاز میں عزوم کی طرف سے لازم کی طرف انتقال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر تو کہے کہ مَیں نے آفتاب کو دیکھا اور مراد معشوق ہو تو وہ اس سے زیادہ بلیغ ہوگا، کہ تو کہے کہ مَیں نے معشوق کو دیکھا۔ کیونکہ وہ ایسے دعوٰی کی مانند ہے جس کے ساتھ گواہ موجود ہے کیونکہ ہر ملزوم اپنے لازم کے وجود کا گواہ ہے۔ بوجہ اس کے لازم، ملزوم سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایسے دعوٰی کی مانند ہے جس کے ساتھ گواہ نہیں اور دعوٰی باگواہ اور دعوٰی بے گواہ میں فرق ہے۔ پس خوب سمجھ لیجئے اور تشبیہ کی نسبت استعارہ کے زیادہ قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

وجہ شبہ مشبہ کی نسبت مشبہ بہ میں زیادہ کامل ہونی چاہیئے۔ اور استعارہ میں مشبہ
کو عین مشبہ بہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں تشبیہ کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ اور استعارہ
میں مشبہ بہ کا ارادہ نہ کرنے کا قرینہ ہونا ضروری ہے۔ پس یہ لمبا دعوٰی باگواہ کے
حکم میں ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔" (حدائق البلاغت: ص ۵۸-۵۹)

یہاں استعمال شدہ اصطلاحات کے لئے آگے دیکھئے عنوان علم بیان ص۔ ہذا۔
پس فنون بلاغت کا استعمال یقیناً مستحسن ہے۔ بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔
چنانچہ مولانا محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ:

"۹۰۰ھ کے بعد کشور نظم میں عجیب انقلاب پیدا ہوا۔ قاعدہ ہے کہ جب تک شاعری
عالم طفولیّت میں رہتی ہے اس سے عام وخاص ہر شخص مزا اٹھاتا ہے۔ سبب بھی
بیان کر چکا ہوں۔ کہ مطالب ان تشبیہوں اور استعاروں میں ادا ہوتے ہیں جو ہر جگہ
اور ہر وقت پیش نظر ہیں۔ ایک عرصہ بعد جب وہ اہل سخن کے خرچ میں آجاتے
ہیں۔ تو نئے شاعر اپنے کلام میں نئی بات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ناچار وہ باریک یا
عمیق یا بلند یا دُور کے مجاز اور استعاروں میں ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کلام باریکی سے
تاریکی میں گر کر کبھی غور طلب اور کبھی بے لطف ہو جاتا ہے۔ زبان فارسی میں عہد سعدی
و حافظ تک شاعر جب بہت سے عمدہ اور دلکش انداز اور استعارے اور مجاز
خرچ کر گئے تو بعد کے آنے والوں کو اس کے سوا چارہ نہ ہُوا کہ استعارہ کو استعارہ
در استعارہ اور مجاز کو مجاز در مجاز کر کے مضمون میں نزاکت اور باریکی پیدا کریں اور سننے
والوں سے کہلوائیں سبحان اللہ! نیا مضمون ہے۔ اس طرز کے بانی جلال اسیر، قاسم
مشہدی اور ملّا ظہوری وغیرہ تھے۔ انہوں نے تعریفوں کے شوق میں اصلیت
کو چھوڑا اور مجاز کو حقیقت سے بڑھا دیا یعنی بے اصل کو اصلیت قرار دیکر اس کے

لوازمات پر خیال پھیلانے شروع کر دئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اصلیت بالکل نہ رہی بلکہ خیال ہی خیال رہ گئے جن کا وجود یا وقوع ناممکن اور محال ہے“

(سخندان فارس ص۵۲۳)

شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:۔

”صنائع بدائع شاعری کے زوال کا پیش خیمہ ہیں۔ اس لئے فردوسی کے کلام میں اس کو ڈھونڈنا نہیں چاہیئے۔ لیکن جو محاسن شعری ضمناً کسی صنعت میں آجاتے ہیں اس کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ پہ پائے جاتے ہیں“۔

(شعر العجم حصہ اوّل ص۱۶۶)

گویا فردوسی نے اپنے کلام میں خود صنائع بدائع لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ اس کے بلیغ کلام میں وہ خود بخود آتے گئے تھے۔

مولانا رومی لکھتے ہیں:۔

”باید دانست کہ نظر بدخواہ ہموارہ مقصود بہ تحسین معانی بودہ است وصنائع را از قبیل تصنع ممد عمل پنداشتہ اند وقطع نظر از منع آں کہ در آثار وارد شدہ تصنع کلام بلیغ را از پایہ بلاغت فرود افگند واز قدمائے فصحاء ہیچ کس بگرد ایں نوع اسلوب کلام نہ گرویدہ۔ چنانکہ بر ناظر کلام اساتذۂ قدیم مخفی نیست۔ واگر احیاناً در کلام ایشاں چیزے ازیں نوع یافتہ شود آں را بہ استرخا عنان طبیعت حمل باید کرد۔ تصنع را دراں راہ نیست۔ اما اہل عجم در اواسط قرون بدیں ہنجار مائل شدہ در اختراع انواع صنائع سعی بلیغ جائز داشتند تا غایتے کہ ابراء صنائع را در کلام منثور ومنظوم از قبیل کمالات فن شعر وانشاء گمان بردہ اند“ (دبیر عجم ص۳۰۳)

یعنی جاننا چاہیئے کہ ارباب بلاغت کی توجہ ہمیشہ حسن معانی پہ مرکوز رہی ہے۔ اور کلام میں

صنائع بدائع لانے کے عمل کو تصنع سمجھتے رہے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ پہلے ادباء نے اسکی مذمت کی ہے۔ تصنع اور بناوٹ کلام کو پایۂ بلاغت سے گرا دیتی ہے۔ لہٰذا متقدمین میں سے کوئی بھی کلام کی اس قسم کی طرز کے پیچھے نہیں پڑا۔ چنانچہ اساتذہ قدیم کے کلام کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں اور اگر کبھی ان کے کلام میں اس قسم کی کوئی چیز پائی بھی جائے۔ تو اسے عنان طبیعت کے ڈھیلا پڑ جانے پر حمل کرنا چاہیئے۔ تصنع کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن قرون وسطیٰ میں اہلِ فارس اس روش پر مائل ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے قسم قسم کے صنائع بدائع ایجاد کرنے میں بہت کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ منثور یا منظوم کلام میں فنون بلاغت کا استعمال شاعری اور انشاپردازی کے فن کا کمال سمجھا جانے لگا۔

جیسا کہ اس عنوان کے شروع میں عرض کیا گیا ہے۔ کمال فن کے درجہ پر پہنچ کر انشاپرداز کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر صنائع وغیرہ اپنے کلام میں شامل کرنیکی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کی تیزئ فکر جو فصیح و بلیغ کلام پیدا کرتی ہے۔ اس میں حسب موقع ایسے فنون ضمناً یعنی خود بخود آ جاتے ہیں۔

یہی حال حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کا ہے۔ بلکہ یہاں تو خاص تائید الٰہی بھی آپ کے شامل حال تھی۔ لہٰذا آپ کی مؤیّد من اللہ طبیعت راسخہ سے جو فصیح و بلیغ کلام پیدا ہُوا اس میں حسب موقع و ضرورت یہ فنون خود بخود آ گئے۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے کلام کو مختصر، زود فہم اور پُر اثر بنانے کیلئے تمام مفید فنون بلاغت سے کام لیا۔ مگر انہیں خادم کی حیثیت ہی دی۔ انہیں اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ جہاں کلام کو واضح کرنے یا اس میں جوش پیدا کرنے کیلئے کسی تشبیہ یا استعارہ یا صنائع بدائع کی ضرورت محسوس ہُوئی اسے استعمال میں لے آئے۔ یہ نہیں کہ بعض دوسرے شعراء کی طرح موقع بے موقع انہیں اپنے کلام میں شامل کریں۔

اس لئے خاکسار نے ہر جگہ انکی نشاندہی کی ضرورت نہیں سمجھی۔ جہاں مناسب موقع ہوا تو ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے ورنہ اپنی توجہ حسن معانی یعنی مطالب پر مرکوز رکھی تا کہیں تزئین کلام کے ذکر میں الجھ کر حسن معانی کا اظہار نظر انداز نہ ہو جائے البتہ الگ عنوانات علم بیان اور علم بدیع وغیرہ کے تحت حضرت اقدس کے کلام سے ان فنون کی کچھ مثالیں پیش کر دی گئی ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے کلام کی خصوصیات

مختلف مضامین پر حضرت اقدس کے حسین اور روح پرور کلام کے نمونے پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام کی اہم خصوصیات کا ذکر کیا جائے، سو گذارش ہے:۔

۱۔ آپ کے کلام میں ایک عجیب کشش پائی جاتی ہے۔ جو قاری کو خدا، رسولؐ اور پاکیزگی کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس کا تجزیہ ممکن نہیں۔ نہ اس کے ثبوت کے لئے کوئی دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ویسے خاکسار کو یقین واثق ہے۔ کہ جو شخص بھی اخلاص سے اس درّثمین کا مطالعہ کرے گا وہ ضرور اس کشش کو محسوس کرے گا۔

۲۔ آپ نے اپنے کلام کو اپنے مشن یعنی احیائے اسلام کی تبلیغ تک محدود رکھا۔ کسی بادشاہ یا امیر کی مدح نہیں کی۔ اگر کسی کو سراہا تو محض اس کی دینی خدمات کے لئے اور بس۔ آپ خود فرماتے ہیں ؎

سُخن نزدم مراں از شہریارے　　　که ہستم بر درے امّید وارے[1]

(درّثمین صـ۲۴۲)

۳۔ دوسرے اساتذہ نے بے شک حمد اور نعت تو بیان کی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کی طرف بہت کم بزرگوں نے توجہ کی ہے۔ اس کے بالمقابل حضرت اقدس نے بار بار بالتفصیل اس مقدس کتاب کی خوبیاں بیان فرمائیں اور ہمیشہ پُر اثر الفاظ میں اس صحیفہ ہدایت پر عمل کرنے کی ترغیب دلاتے رہے۔

---

[1]: میرے سامنے کسی بادشاہ کا ذکر مت کرو۔ مَیں تو کسی اور ہی دروازہ پر اُمیدوار ہُوں۔

۴۔ نعت میں بھی دوسرے اساتذہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بنیادی خوبی اور برتری (یعنی آپ کا ذات باری تعالیٰ سے والہانہ عشق اور آپ سے اللہ تعالیٰ کی محبّت) کے ذکر کو عموماً نظر انداز کر گئے اس بارہ میں ان کے کلام میں کہیں کہیں اشارے تو ملتے ہیں لیکن بالاستیعاب اس اہم ترین خوبی کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے منظوم کلام میں بھی اور منثور کلام میں بھی اس دوطرفہ محبّت کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور بڑے ہی لطیف پیرایوں میں فرمایا۔

۵۔ دوسرے اساتذہ مطالب کی توضیح کے لئے اپنے کلام میں قصّے کہانیاں لے آتے ہیں۔ لیکن حضرت اقدس نے حکایات کی بجائے مخالفین کے اعتراضات کے جوابات کا التزام کیا۔ اور اسی ضمن میں اہم عقائد کی تشریح اور وضاحت فرمائی۔

۶۔ حضرت اقدس نے اپنی لمبی نظموں کو کسی خاص مضمون تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ احیائے اسلام کے لئے جن جن موضوعات پر روشنی ڈالنے کی ضرورت تھی۔ انہیں قریبًا ہر لمبی نظم میں جگہ دی۔ مثلاً خدا، رسولؐ، فرشتوں، الٰہی کتابوں اور آخرت پر ایمان۔ خدا اور رسولؐ کی محبت قرآن مجید کی پیروی۔ مامورین الٰہی کی شناخت، انہیں قبول کرنے کی ضرورت، اعمال صالحہ، اصلاح اخلاق، تبلیغ ہدایت، ہمدردیٔ خلائق، عرفان الٰہی کے حصول کے ذرائع۔ غرض آپ کی لمبی نظمیں قریبًا ہر ضروری مضمون پر حاوی ہیں۔

۷۔ کہا جاتا ہے کہ شراب و شاہد کا ذکر کئے بغیر محبوب حقیقی کا بیان ممکن نہیں۔ جیساکہ غالب دہلوی نے بھی کہا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ٭ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لیکن یہ ایک دھوکا ہے۔ اپنے نفسانی جذبات کے اظہار کو محبوب حقیقی کا ذکر قرار دینا ایک بہت بڑا فریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء اور ان کے متبعین (الّا ماشاء اللہ) عموماً شراب و کباب اور دوسرے رذائل پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔ لیکن حضرت اقدس نے اوّل تو ایسے الفاظ

بہت کم استعمال کئے ہیں۔ اور اگر کہیں کبھی گئے ہیں تو وہاں صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ براہِ راست محبوب حقیقی کے لئے ہیں۔ کسی مجازی معشوق کے پردہ کے اندر سے ہو کر ذات باریتعالیٰ تک نہیں پہنچتے۔

۸۔ ایک اور خصوصیت جو حضرت اقدس کی قادر الکلامی پر شاہد ناطق ہے۔ یہ ہے کہ جب کسی اہم امر کا بیان شروع کرتے ہیں۔ تو اس کی تائید یا تردید یا وضاحت کے لئے دلیل پر دلیل لاتے چلے جاتے ہیں اور صوابدید میں کبھی بلفظ تشبیہ، کبھی بلفظ استعارہ، کبھی بلفظ مترادف اور کبھی بلفظ حقیقت[1] اس کی تشریح فرماتے ہیں۔ اسے علم بیان میں تصریف یا تعطیل کہتے ہیں۔

۹۔ حضرت اقدس اپنے بعض شعر مختلف نظموں میں کئی بار لائے۔ کیونکہ آپ کا مقصد اپنی قابلیت کا اظہار نہیں تھا کہ ہر موقعہ پر نیا شعر لاتے۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ دین مستقیم کی تائید اور توضیح کے لئے جو امور ضروری ہیں وہ سامع کے ذہن نشین ہو جائیں۔ لہٰذا اگر کوئی شعر کسی موضوع پر یہ غرض پوری کرتا تھا تو اُسے بار بار لانے میں آپ نے تامل نہیں کیا۔

۱۰۔ بہت سے مصنّفین نے مغربی فلسفہ کے زیرِ اثر اسلامی عقائد کو مشتبہ سمجھ کر ان کے متعلق معذرت کا وتیرہ اختیار کر لیا تھا۔ اور ان عقائد کی دُور از کار عجیب وغریب تاویلیں کرنے لگے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ کہ دُعا کی قبولیت، فرشتوں، جنّت دوزخ اور آخرت کے بھی مُنکر ہو گئے تھے۔ حضرت اقدس نے پُورے وثوق اور جرأت کے ساتھ تمام اسلامی عقائد پر اپنے لازوال ایمان کا کُھلا کُھلا اظہار فرمایا اور مؤثر براہین اور دلائل سے تمام صحیح عقائد کی تبلیغ کی۔

۱۱۔ اسی طرح حضرت اقدس نے اس درثمین میں وحی والہام کے امکان اور اس کی ضرورت کے بیان پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ کی گراوٹ اور بے راہ روی کی ایک بڑی وجہ مکالمۂ

---

[1] ۔ ان اصطلاحات کی تعریف آگے زیرِ عنوان "علم بیان" ملاحظہ فرمائیے۔ (ص ہذا) ؛

الٰہی کے امکان کا انکار ہے۔ اور یہ انکار نبوت کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ وحی والہام کا دروازہ بند ہوئے بغیر انبیاء اور مامورین الٰہی کی آمد کا دروازہ پوری طرح بند نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس زمانہ کے بعض متکلمین نے بزعم خود وحی والہام کے امکان کو ختم کر کے ازراہ تکبر اپنی عقلوں کو ہی قرآن و حدیث کے سمجھنے اور عرفان الٰہی حاصل کرنے کا کافی اور وافی ذریعہ قرار دے لیا ہے۔ اور ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلے جا رہے ہیں۔

۱۲۔ اسی طرح حضرت اقدس نے تصوف کے مشکل ترین مسائل نہایت زود فہم الفاظ میں بیان فرمائے جنہیں عام لوگ بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً :۔

تو بِروں آ زِ خود ، بقا[1] این است ؛ تو درُو محْو شَو ، لِقا[1] این است[2]

(درّثمین صفحہ ۸۸)

آنکہ در عشقِ اَحَد محو و فناست ؛ ہرچہ زُو آید زِ ذاتِ کبریاست[3]

(درّثمین صفحہ ۱۳۶)

بلکہ ان نظموں میں جن سے یہ نمونۃً شعر لئے گئے ہیں۔ زیادہ تر مسائلِ تصوّف کا ہی ذکر ہے۔

(مزید مثالیں آگے صفحہ ہذا پر دیکھئے)۔

۱۳۔ خاکسار کے نزدیک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دین اسلام کے ثمرات کے ثبوت کے طور پر حضرت اقدس نے اپنی ذات بابرکات کو پیش فرمایا۔ کہنے کو تو سبھی اسلام کی برکات

---

[1] : براہین احمدیہ (ہر چہار حصص) طبع اوّل کے اغلاط نامہ کے مطابق پہلے مصرع میں بقا کا لفظ ہے اور مصرع دوم میں لقا۔

[2] : تو اپنے آپ سے باہر نکل یہی بقا ہے۔ اور اس (محبوبِ حقیقی) میں محو ہو جا یہی لقا ہے ؛

[3] : جو خدائے واحد کے عشق میں محو و فنا ہے۔ اس سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے۔ وہ ذاتِ کبریا کی طرف سے ہی ہے ؛

بیان کرتے ہیں ۔لیکن عملی ثبوت غائب ۔آپ خود فرماتے ہیں : ؎

سخن زِ فقر بُدزدی ہمے تواں گفتن ✤ ولے علامتِ مردانِ رہِ صفا باشد[۱]

(درثمین صفحہ ۲۶۴)

پس اس زمانہ میں وہ راہ صفا پر گامزن ہونے والی ہستی آپ کے سوا اور کون ہو سکتی ہے، جو اسلام کی برکات کے حاصل ہونے کا زندہ ثبوت پیش کرسکے۔چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

ایکہ گوئی گر دُعا ہا را اثر بودے کجاست ✤ سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب[۲]

(درثمین صفحہ ۱۹۸)

پھر فرمایا :۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است ✤ بیا بنگر ز غلمانِ محمد[۳]

(درثمین صفحہ ۱۹۳)

نیز فرمایا :۔

اے مزوّر گر بیائی سُوے ما ! ✤ وز وفا رخت افگنی در کوئے ما

و ز سرِ صدق و ثبات و غم خوری ✤ روزگارے در حضورِ ما بری

عالمے بینی ز ربّانی نشاں ! ✤ سوئے رحماں خلق و عالم را کشاں[۴]

(درثمین صفحہ ۱۴۱-۱۴۲)

---

۱ :۔ باتیں بنانے کیلئے تو فقر سے بیشک چوری تک کی بیان کی جاسکتی ہیں لیکن اس راستہ کے جوانمردوں کی نشانِ رہِ صفا کو اختیار کرنا ہے ؛

۲ :۔ اے وہ شخص جو کہتا ہے ۔کہ اگر دعاؤں میں اثر ہے تو بتاؤ کہاں ہے ؟ تو میری طرف دوڑ تا کہ میں تجھے سورج کی طرح وہ اثر دکھاؤں ؛

۳ :۔ اگرچہ اب کرامت مفقود ہو چکی ہے پھر بھی تُو آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے ؛

۴ :۔ اے کذّاب اگر تو ہماری طرف آئے ۔ اور وفاداری کے ساتھ ہمارے کوچہ میں ڈیرے ڈال دے ۔ اور اخلاص، ثابت قدمی اور دلسوزی کیساتھ کچھ عرصہ ہمارے پاس گذارے تو تجھے خدائی نشانوں کا ایک عالم نظر آئیگا ۔ جو دنیا جہان کو اس رحمان خدا کی طرف کھینچے لئے جارہا ہے ؛

عرض

گلے کہ روئے خزاں را گہے نخواہد دید ⁂ بباغِ ماست اگر قسمتت رسا باشد[1]

(درثمین صفحہ ۲۶۹)

۱۴- ایک اور خصوصیت جو حضرت اقدس کو شعراسے ممتاز کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر آپ کو کسی شاعر کا کوئی مضمون پسند آگیا۔ تو پہلے تو آپ اسے قریب قریب اسی کے الفاظ میں اپنی کسی تقریر یا تحریر میں نقل کرتے ہیں۔ پھر کبھی اس پر تضمین فرماتے ہیں۔ یعنی اس کے ساتھ اپنے چند شعر ملا لیتے ہیں۔ اور پھر بعض دفعہ اسی مفہوم کو اپنے الفاظ میں ایسے عمدہ طریق پر بیان فرماتے ہیں کہ وہ فصاحت و بلاغت میں اس پہلے شعر سے بدرجہا بڑھ جاتا ہے۔ اس کی چند مثالیں آگے" اخذ "کے عنوان کے نیچے دیکھیے۔ ممکن ہے کوئی نادان اعتراض کرے کہ نعوذ باللہ حضرت اقدس نے کسی شاعر کا مضمون چرا لیا ہے۔ ایسے شخص کو اس کوچہ کی کوئی خبر نہیں کیونکہ اہلِ فن کے نزدیک ایسا اخذ نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ بزرگ شعراء کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ شعر و شاعری کے ایک بلند پایہ نقاد ابنِ رشیق کہتے ہیں:-

"اگر کسی شخص کی شعر گوئی کا تمام دارومدار اخذ پر ہو۔ تو اُسے شاعر مت سمجھو۔ بلکہ وہ شخص عاجز اور کوڑ مغز ہے۔ اور اگر ایک شخص اس پہلو کو بالکل ہی چھوڑے ہوئے ہے۔ اور پہلے نامی شعراء کے کلام سے کہیں کچھ بھی اخذ نہیں کرتا۔ تو وہ فنِ شعر سے بالکل بے خبر اور جاہل ہے۔" (دیکھیے صفحہ ہذا)

---

[1] :- وہ پھول جو کبھی خزاں کا منہ نہیں دیکھے گا۔ اگر تیری قسمت یاوری کرے تو آ دیکھ ہمارے باغ میں موجود ہے۔

حمدِ الٰہی

اب حضرت مسیح موعودؑ کے کلام سے حسنِ مفہوم اور بلند پایہ مطالب کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ کہ صرف اسلام ہی زندہ مذہب ہے، جو انسان کو ربّ العالمین کی بارگاہ تک پہنچا سکتا ہے۔ اس کے عقائد فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس کی تعلیم تمام خوبیوں کی جامع اور ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے۔ اس کا نبیؐ بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا محسن ہے جس کی وساطت کے بغیر انسان نہ نیکی بدی کو کما حقہٗ شناخت کر سکتا ہے۔ نہ گناہ اور تاریکی سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ کوچۂ عرفانِ الٰہی میں قدم رکھ سکتا ہے۔ اس کی کتاب دل و دماغ کو روشنی بخشتی ہے۔ نیکیوں کی طرف رغبت اور برائیوں سے نفرت دلاتی ہے۔ غرض حضرت اقدس کے نزدیک صرف اسلام ہی صحیح معنوں میں دین کہلانے کا مستحق ہے۔ یہ سب امور اور دوسرے تمام ضروری مضامین اس دُرِّثمین میں بڑی خوبصورتی اور وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔

سب سے پہلی نظم حمدِ الٰہی پر مشتمل ہے۔ اگرچہ انشا پردازی اور شعر و شاعری میں حضرت اقدس کسی کے مقلد نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے خود ایک عظیم الشان انشا پردازی کی داغ بیل ڈالی۔ پھر بھی قبل ازیں اس کام کے لئے جو طریق اور دستور موزوں اور مناسب قرار پا چکے تھے۔ ان سے آپ نے عموماً انحراف نہیں کیا۔ مثلاً اکثر بزرگ مصنفین اپنی کتاب حمدِ الٰہی سے شروع کرتے ہیں۔ پھر نعت رسول کریمؐ لاتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے مضامین۔ چنانچہ حضرت اقدس نے بھی اپنی سب سے پہلی کتاب براہین احمدیہ حمدِ الٰہی سے شروع کی اور اس کے بعد نعت نبیؐ لکھی۔ یہی حمد دُرِّثمین فارسی کی پہلی نظم ہے۔ یہ حمد مثنوی کی شکل میں ہے۔ اور حمد کے لئے مثنوی کی مخصوص بحروں

میں سے ایک بحر یعنی خفیف مسدس مجنون مقصور یا محذوف (فاعلاتن۔ مفاعلن۔ فعلن یا فعلان) میں ہے۔ آپ ذات باری تعالیٰ کی حمد میں یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں ؎

ہر دم از کارِ عالم آواز لیست ⁂ کہ یکش بانی و بنا ساز لیست
نرکس او را شریک و انباز لیست ⁂ نے بکارش دخیل و ہمراز لیست
ایں جہاں را، عمارت انداز لیست ⁂ واز جہاں، برتر است و ممتاز لیست
وَحدَہٗ لاشریک، حَیّ و قدیر ⁂ لَمْ یَزَل، لَایَزَال فرد و بصیر
کارسازِ جہان و پاک و قدیم ⁂ خالِق و رازِق و کریم و رحیم
رہنما و مُعَلِّمِ رہِ دیں ⁂ ہادی و مُلہِمِ عُلُومِ یقیں
مُتَّصِف، باہمہ صفاتِ کمال ⁂ برتر، از اِحتیاجِ آل و عیال
ہر یکے حال ہست، در ہمہ حال ⁂ رَہ نیابد، بدو، فنا و زوال
نیست از حُکمِ اُو، بروں چیزے ⁂ نہ ز چیز لیست اُو، نہ چُوں چیزے
نتواں گفت، لامسِ اَشیا ست ⁂ نے تُواں گفتن ایں کہ، دُور از ماست

(درِّثمین صفحہ ۱۰۹)

ترجمہ:۔ نظام عالم ہر وقت یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس جہان کا بانی اور بنانیوالا کوئی ضرور ہے۔ نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ ساجھی نہ اسکے کام میں کوئی دخل دے سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی ہمراز ہے۔ وہی اس جہان کا معمار ہے۔ اور خود اس جہان سے بالاتر اور ممتاز ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ زندہ ہے اور قدرت والا ہے، ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ تنہا ہے اور بینا ہے۔ وہ دنیا جہان کے کام بنانے والا ہے۔ پاک، قدیم، خالق، رزاق، کریم اور رحیم ہے وہ دین کے راستہ کا رہنما اور استاد ہے۔ اور یقینی علوم کی طرف رہنمائی کرنے والا اور ان کا الہام کرنیوالا ہے۔ وہ تمام صفات کاملہ سے متصف ہے۔ اہل و عیال کا حاجتمند نہیں۔ وہ ہر زمانہ میں ایک ہی حالت پر قائم رہتا ہے۔ فنا اور زوال کا اس کے حضور گذر نہیں۔ اس کے حکم سے کوئی شے باہر نہیں۔ نہ وہ کسی چیز سے پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی چیز سے مشابہت رکھتا ہے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ چیزوں کے اتنا نزدیک ہے گویا انہیں چھو رہا ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے دُور ہے ⁂

دیکھیئے ذات باری تعالیٰ کی صفات کا ایک چشمہ ہے جو آپ کے پاکیزہ دل سے بے اختیار ابل رہا ہے۔ نظم کی سلاست اور روانی دیکھیئے۔ الفاظ کی مناسبت اور بندش دیکھیئے۔ حسن مطلع ملاحظہ فرمائیے آپ اس حمد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم کون ومکاں زبان حال سے پکار رہا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل: ۴۵) یعنی دنیا کی ہر چیز اس کی توصیف و تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ پہلا شعر صنعت براعۃ الاستہلال کی بھی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس صنعت سے یہ مراد ہے کہ کلام کے شروع میں ایسے الفاظ آئیں جو بیان آئندہ کی طرف اشارہ کریں یعنی ان سے اس کلام کے مضمون کا اظہار ہو جائے۔

اب دوسرے ماہرین فن کی بیان کردہ حمد الٰہی کے چند نمونے پیش کیئے جاتے ہیں۔ تا ان سے مقابلہ کر کے حضرت اقدس کے کلام کی برتری کا اندازہ لگایا جا سکے۔

حکیم سنائی پہلا بزرگ شاعر ہے جس نے افکار تصوف، اصطلاحات عرفان اور گفتار مشائخ کو ذوقیاتِ شعری کے قالب میں ڈھالا۔ آپ کو صرف شعراء میں ہی ایک بلند مرتبہ حاصل نہیں۔ بلکہ صوفیائے کرام اور صاحبان ذوق وحال میں بھی ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔ آپ کی تعریف میں آپ کے بعد آنے والے تمام اساتذہ رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ما عاشقاں بخانۂ خمار آمدیم ❊ رندان لا ابالی و عیار آمدیم
عطار روح بود سنائی دو چشم او ❊ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم [1]

حکیم سنائی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب "حدیقۃ الحقیقہ" ہے جو اسی بحر میں ہے جس میں حضرت اقدس کی بیان فرمودہ مذکورہ بالا حمد الٰہی ہے۔ حکیم سنائی مالک حقیقی کی حمد میں یوں نغمہ سرا ہیں: ؎

---

[1]:۔ ہم پیر مغاں کے ہاں (مہمان بن کر) آئے ہیں۔ ہم لاپرواہ اور چالاک رند ہیں۔ عطار کی مثال ایک روح کی ہے اور سنائی اس کی دو آنکھیں ہیں۔ ہم سنائی اور عطار کے پیچھے آنے والے یعنی چلنے والے ہیں ❊

اے درون پرور بروں آرای ٭ وے خرد بخش بے خرد بخشای
خالق و رازق زمین و زماں ٭ حافظ و ناصر مکین و مکان
ہمہ از صنع تو مکان و مکین ٭ ہمہ در امر تو زمان و زمین
آتش و آب و باد و خاک و سکوں ٭ ہمہ در امر قدرتت بے چوں
عرش تا فرش جزو مبدع تست ٭ عقل با روح پیک مسرع تست
در دہاں ہر زباں کہ گرد انست ٭ از ثنائے تو اندرو جانست
نامہای بزرگ محترمت ٭ رہبر جود و نعمت و کرمت
ہر یک افزوں ز عرش و فرش و ملک ٭ کاں ہزار و یکست و صد کم یک
ہر یکے زاں بحاجتے منسوب ٭ لیک نامحرماں ازاں محجوب
یا رب از فضل و رحمت ایں دل و جاں ٭ محرم دید نام خود گردان[1]

(حدیقۃ الحقیقہ صفحہ ۶)

---

[1] :۔ اے جان کی پرورش کرنیوالے اور جسم کو زیب و زینت بخشنے والے بلے بے عقلوں کو عقل بخشنے والے (ہمیں بھی) بخش۔ اے کائناتِ عالم کو پیدا کرنیوالے اور انہیں رزق پہنچانے والے اے مکینوں اور مکانوں کے حافظ و ناصر! سب مکان و مکین تیری ہی کاریگری کا کرشمہ ہیں۔ زمان و زمیں سب تیرے فرمانبردار ہیں۔ یہ آگ، پانی، ہوا اور یہ بے حرکت مٹی۔ سب بے چون و چرا تیری ہی اطاعت کر رہے ہیں۔ عرش (آسمان) سے لیکر فرش (زمین) تک سب تیری ہی پیدائش کے افراد ہیں۔ اور عقل بھی اور روح بھی تیرے ہی تیز رو قاصد ہیں۔ ہر مُنہ میں جو زبان حرکت میں ہے اس میں تیری ہی ثنا کرنے کے باعث جان ہے۔ تیرے عظمت والے قابل احترام نام۔ تیری بخششوں، نعمتوں اور مہربانیوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ہر ایک عرش اور فرش اور فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ جو (نام) ایک ہزار ایک اور ایک کم سَو ہیں۔ ہر ایک نام (انسان) کی کسی نہ کسی حاجت سے منسوب ہے لیکن وہ (اسرارِ الٰہی کے) ناموں سے پوشیدہ ہیں۔ اے رب اپنے فضل و رحمت سے (میرے) اس دل و جان کو اپنے ہر نام کے دیدار کا محرم بنا دے۔

بے شک ایک حد تک یہ حمد مؤثر اور دلنشین ہے۔ لیکن اس کے الفاظ میں وہ سلاست اور روانی نہیں۔ اور معانی میں وہ جوش نہیں۔ جو حضرت اقدس کی بیان فرمودہ حمد میں پائے جاتے ہیں۔ شعر نمبر ۴ میں سکوں کا لفظ حشو ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر مفہوم پُورا ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ کسی دوسرے عنصر کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی۔ اسی طرح شعر نمبر ۸ میں لفظ ملک حشو ہے۔ کیونکہ فرشتوں کا مفہوم لفظ عرش میں شامل ہے۔ جس طرح اہلِ زمین کا مفہوم فرش میں شامل ہے۔ لہٰذا بہتر ہوتا کہ عرش و فرش میں سے کسی کے ساکنین کا ذکر نہ کیا جاتا۔ یا توازن کیلئے دونوں کے ساکنین کا ذکر ہوتا۔ اسی طرح آخری شعر میں یا حرف محرم دید چاہیئے یا صرف محرم نام۔ محرم دید نام کہنے سے شعر کے مفہوم میں کوئی خوبی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ابہام پیدا ہو گیا۔

اس کے مقابلہ میں حضرت اقدس کے کلام میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی خوبیاں موجود ہیں۔ اور کہیں کوئی سقم نہیں۔ معنی ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ جن سے ایک معمولی سمجھ بوجھ والا شخص بھی حظ اُٹھا سکتا ہے اور ایک فاضل اجل بھی۔

اب ایک اور جیّد استاذ مولانا نظامی گنجوی کی اسی بحر میں حمد الٰہی کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

"سب سے پہلے انہی نے پانچ مختلف بحروں میں پانچ مثنویاں لکھیں جس کی تقلید آج تک تمام بڑے بڑے شعراء کرتے آئے ہیں۔" (شعر العجم حصہ اوّل ص۳۰۶)

بہت سے بلند پایہ شعراء نے نظامی کے کمال فن کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے۔ چنانچہ دیباچۂ گنجینۂ گنجوی میں لکھا ہے۔ کہ

" خاتم الشعراء خواجہ حافظ شیرازی نیز در اشعار نظامی تتبع بسیار و بمقام بلند و فکر ارجمندوی اعتقاد کامل داشتہ۔ چنانکہ در ستایش نظامی وخطاب بممدوح فرماید ؎

ز نظم نظامی کہ چرخ کہن ✿ ندارد چو او ہیچ زیبا سخن

بیارم بتضمین سہ بیت متین ❊ کہ نزد خرد بہ ز دُرِّ ثمین[1]

(صفحہ صح۔صط)

مولانا موصوف حمد باری تعالیٰ کا حق یوں ادا فرماتے ہیں :ـــ

اے جہان دیدہ بود خویش از تو ❊ ہیچ بودی نبودہ پیش از تو

در بدایت بدایت ہمہ چیز ❊ در نہایت نہایت ہمہ چیز

اے بر آرندۂ سپہر بلند ❊ انجم افروز و انجمن پیوند

آفرینندۂ خزائن جود ❊ مبدع و آفریدگار وجود

سازمند از تو گشتہ کار ہمہ ❊ اے ہمہ و آفریدگار ہمہ

ہستی و نیست مثل و مانندت ❊ عاقلاں جز چنیں ندانندت

روشنی پیش اہلِ بینائی ❊ نہ بصورت بصورت آرائی

بحیات ست زندہ موجودات ❊ زندہ بلکہ از وجود تست حیات[2]

---

[1] :ـ "خاتم الشعراء خواجہ حافظ شیرازی نے بھی نظامی کے اشعار کے اسلوب کو ایک بڑی حد تک اپنایا اور وہ اس کے بلند مقام اور قابل قدر فکر و تدبّر کا بہت گرویدہ تھا۔ چنانچہ نظامی کی تعریف میں کہتا ہے۔ کہ نظامی کی ایک نظم سے کہ اس جیسا خوبصورت کلام اس عالم میں اور کہیں نہیں پایا جاتا میں تین شعر بطور تضمین اپنی اس نظم میں شامل کرتا ہوں کہ عقل کے نزدیک اس جیسے قیمتی موتی کہیں نہیں"۔

[2] :ـ اے وہ ذات جس سے اس جہان نے اپنا وجود پایا۔ کوئی وجود تجھ سے پہلے موجود نہیں تھا (اے جو) ابتدا میں ہر چیز کی ابتدا اور انتہا میں ہر چیز کی انتہا (توہی ہے) اے اس بلند آسمان کو قائم کرنیوالے، ستاروں کو روشن کرنیوالے اور (ان کی) محفل سجانیوالے بخششوں کے خزانے پیدا کرنیوالے اور وجود کے موجد اور خالق، سب کا کام تجھی سے بنا ہے۔ اے جو سب کچھ خود ہی ہے اور سب کا خالق ہے۔ صرف توہی موجود ہے تیری مثل اور مانند کوئی نہیں عقلمندوں کو اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں آنکھوں والوں کے آگے تیری ہستی آشکار ہے ظاہری صورت کے لحاظ سے نہیں بلکہ صورت بنانے کے ذریعے سے۔ سب موجودات کی زندگی حیات سے ہے اور خود حیات تیری ہستی سے زندہ ہے ❊

اے جہاں را ز ہیچ سازندہ ؎ ہم نوابخش و ہم نوا زندہ
نام تو کابتدائے ہر نام ست ؎ اوّل آغاز و آخر انجام ست[1]
(ہفت پیکر صہ ۲)

مولانا نظامی کی جتنی عظمت اور بڑائی شعرا کے تذکروں میں لکھی ہے۔ الفاظ کے لحاظ سے وہ سب تسلیم لیکن ان کے بیان میں نہ وہ بے ساختگی ہے اور نہ وہ گہرائی ہے۔ جو حضرت اقدس کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ جو کلام تائید ایزدی سے مُنصّۂ شہُود پر جلوہ افروز ہے، اس کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ حضرت اقدس کے کلام میں تصنع کہیں نام کو بھی نہیں۔ لیکن مولانا کے کلام میں صاف دکھائی دیتا ہے مثلاً: دیکھئے بدایت بدایت، نہایت نہایت، اوّل آغاز، آخر انجام وغیرہ۔ کلام کو خوبصورت بنانے کی کوشش میں معانی غائب ہو گئے۔ چنانچہ ان دس شعروں میں ذات باری تعالیٰ کی دو چار صفات سے زیادہ دکھائی نہیں دیتیں۔ مگر حضرت اقدس کے اتنے ہی اشعار میں بیسیوں صفات کا ذکر ہے۔ الفاظ کے گورکھ دھندوں نے بعض شعروں میں بہت ہی ناپسندیدہ ابہام پیدا کر دیا ہے۔ مثلاً "آٹھویں شعر کا پہلا مصرع دیکھئے۔ "بحیات ست زندہ موجودات"۔ بھلا حیات سے زندہ ہونا کیا بات بنی؟ کیا زندہ چیزوں کی صفت کے علاوہ بھی زندگی کا کہیں کوئی وجود ہے؟ جس سے چیزیں زندہ ہوتی ہیں۔ اس طرح عرض کو جوہر قرار دینے سے کلام قابل فہم نہیں رہتا۔ اور بقول مولانا محمد حسین آزاد "باریکی سے تاریکی میں گر کر کبھی غور طلب اور کبھی بے لُطف ہو جاتا ہے۔" (دیکھئے صہ ہذا)۔

اسی طرح اس شعر کا دوسرا مصرع لیجئے۔ "زندہ بلک از وجود تست حیات"۔ کسی خاص حالت میں کسی چیز کو زندہ قرار دینے کا کچھ مفہوم تبھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جب اس چیز کے مُردہ ہونے کا

---

[1]:۔ اے وہ جو جہاں کو عدم سے پیدا کرتا ہے۔ تو نوا (ساز و سامان) بھی دیتا ہے اور (دوسرے طریقوں سے بھی) نوازتا ہے۔ تیرا نام جو کام کی ابتداء ہے۔ آغاز کا اوّل بھی وہی ہے۔ انجام کا آخر بھی وہی ہے ؎

امکان ہو۔ لیکن زندگی تو کبھی موت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ یہ دو متضاد صفات ہیں۔ صرف زندہ چیزیں مُردہ ہوسکتی ہیں۔ ایسا ذہنی انتشار الفاظ کو معنی پر ترجیح دینے کا نتیجہ ہے۔ اس مصرع میں لفظ بلک (جو بلکہ کا مخفف ہے اس) کا استعمال بھی بے موقعہ ہے۔ کیونکہ یہ حرف اضراب ہے جو کسی بات کو ترقی دینے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ اگر اس شعر کے کچھ معنی بن سکتے تو یہاں حرف عطف آنا چاہیئے تھا۔ جیسے موجودات زندگی سے زندہ ہیں۔ اور زندگی تیرے وجود سے زندہ ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ زندگی سے زندہ ہونے یا زندگی کے زندہ ہونے کا کچھ بھی مفہوم متصور نہیں ہوسکتا۔ یہ بہت ہی دور از کار تخیّل ہے۔

شیخ سعدی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

بنامِ جہاندار جاں آفرین ٭ حکیمِ سخن در زبان آفرین
خُداوندِ بخشندۂ دستگیر ٭ کریمِ خطابخش پوزش پذیر
عزیزے کہ ہر کز درش سر بتافت ٭ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت
سرِ پادشاہانِ گردن فراز ٭ بہ درگاہِ او بر زمین نیاز
نہ گردن کشان را بگیرد بفور ٭ نہ عذر آوران را براند بجور
وگر خشم گیرد بکردارِ زشت ٭ چو باز آمدی ماجرا در نوشت[1]

---

[1] ترجمہ:۔ اے جان بخشنے والے بادشاہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) وہ ایسا دانا ہے جس نے زبان کو قوت گویائی بخشی۔ وہ بخشنے والا اور دستگیری کرنیوالا مالک ہے۔ خطاؤں کا بخشنے والا اور عذر کو قبول کرنیوالا مہربان ہے۔ وہ ایسا صاحب عزت ہے کہ جس کسی نے اسکے دروازہ سے مُنہ موڑا، وہ جس کسی کے دروازہ پر گیا اسے کچھ بھی عزت نہ ملی۔ گردن اکڑانے والے بادشاہوں کا سر اسکی بارگاہ میں حاجتمندی کی زمین پر جھکا ہوا ہوتا ہے۔ وہ سرکشی کرنے والوں کو فوراً نہیں پکڑتا اور نہ عذر کرنیوالوں کو سختی سے اپنی بارگاہ سے نکالتا ہے۔ اگر وہ کسی کے بُرے کردار پر گرفت کرتا ہے۔ تو جب وہ اس کام سے باز آجائے تو معاملہ سمیٹ دیتا ہے۔

اگر باپدر جنگ جوید کسے ٭ پدر بے گماں خشم گیرد بسے
وگر خویش راضی نباشد ز خویش ٭ چو بیگانگانش براند ز پیش
وگر بندہ چابک نہ آید بکار ٭ عزیزش ندارد خداوندگار
اگر بار فیقان نباشد شفیق ٭ بفرسنگ بگریزد از وے رفیق
وگر ترک خدمت کند لشکری ٭ شود شاہ لشکرکش از وے بری
ولیکن خداوند بالا و پست ٭ بعصیان در رزق ہر کس نہ بست[1]

(بوستان ص۱)

یہ حمد دوسرے بزرگوں کی بیان کردہ حمد الٰہی سے نسبتہً بہتر ہے۔ لیکن پھر بھی حضرت اقدس کی بیان فرمودہ حمد کے مرتبہ تک نہیں پہنچتی۔ شعر کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی اختصار ہے۔ لیکن شیخ سعدیؒ نے ایک ہی تخیل کو بلا ضرورت پانچ چھ اشعار میں دہرایا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے بزرگوں کی نسبت آپ کی حمد کے زیادہ شعر نقل کرنے پڑے۔ کیونکہ شرط و جزا کا جو سلسلہ شعر نمبر ۶ سے شروع ہوا تھا اس کی استثناء شعر نمبر ۱۲ پر جا کر آئی۔ اس کے مقابلہ میں حضرت اقدس کے کلام میں بے جا طول کہیں نہیں۔ چنانچہ شیخ کے بارہ شعروں میں جو صفات

---

[1]:۔ ترجمہ: بے شک اگر کوئی شخص اپنے باپ سے آمادۂ جنگ ہو، تو باپ یقیناً بہت غصہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنا (یعنی رشتہ دار) کسی دوسرے رشتہ دار سے خوش نہ ہو، تو وہ رشتہ دار اسے غیروں کی طرح اپنے پاس سے بھگا دے گا۔ اگر کوئی غلام چستی اور مستعدی سے اپنے مالک کی خدمت نہ کرے، تو اس کا مالک اسے کبھی پسند نہیں کرے گا۔ اگر کوئی شخص اپنے دوستوں سے شفقت کا سلوک نہ کرے، تو اس کے دوست اس سے کوسوں دور بھاگ جائیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی سپاہی اپنا حق خدمت ادا نہ کرے تو لشکر کو لڑائی کیلئے تیار کرنے کے وقت بادشاہ اس سے تعلق توڑ لے گا لیکن بلندی و پستی کا مالک خداوند تعالیٰ گناہوں کی بنا پر رزق کا دروازہ کسی پر بند نہیں کرتا۔

لائی گئی ہیں۔ان سے بہت زیادہ صفات حضرت اقدس کے دس شعروں میں سموئی ہوئی ہیں۔
اب ایک اور ماہر فن "عارف معارف حقیقت، سالک سالک طریقت، مولانا نورالحق والدین عبدالرحمٰن جامیؒ" کی بیان کردہ حمد کا نمونہ بھی دیکھئے جن کے متعلق دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرۃ الشعراء میں لکھتے ہیں :-

" درِ مصطبۂ جامی تاکشادہ شد مجلس رندان نامی درہم شکست و عروس بکر و فکر تا نامزد ایں مرد معنی شد، مخدرات حجرات دعوای عقیم و سقیم شدند۔ توتیان شکر شکن ہند و اسواد دیوان و منشا آتش خاموش ساخت و شیریں زبانان و فارسان میدان فارس مشہد اشعارش نوشبد ندیگر انگشت بر نمکدان کلام ملیح گویان نزدند۔"[1]
(دیباچہ دیوانِ کامل جامی ص۱)

یہ صاحب فضل و کرم بزرگ فرماتے ہیں :-

خواہم مدد ز فضل تو اے مفضل احد ⁂ زاں پیش کز مداد دہم خاسہ را مدد
حمد ترا بفضل تو نہ (بہ) فضل خود[2] ⁂ باشد کہ طے شود ورق علم و فضل من

---

[1] :- ترجمہ: جس وقت سے جامی کے میخانہ کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ بڑے بڑے نامی رندوں کی مجلس تتر بتر ہو گئی ہے اور جس وقت سے فکر سخن کی دوشیزہ دلہن کی نسبت اس صاحب علم و فضل جوانمرد سے قرار پائی ہے۔ دعاوی کے مجروں کی پردہ نشین بانجھ اور عیب دار بن گئی۔ اس کے دیوان اور دوسری تصانیف کی سیاہی نے ہندوستان کی شیریں زبان طوطیوں کو خاموش کر دیا ہے اور فارسی نظم کے شہسواروں نے جس دن سے اس کے اشعار کا شہد چکھا تب سے انہوں نے کسی ملیح گو (شاعر) کے نمکدان (دیوان) کو انگلی نہیں لگائی۔ اس تعریفی بیان سے یہ اندازہ بھی لگائیے کہ اس زمانہ میں بات کو کیسے پیچیدہ اور مشکل طرق پر ادا کرنے کا رواج ہو گیا تھا۔ چنانچہ شعر میں بھی یہی طرز پسند کی جانے لگی۔ خواہ مطلب کچھ بھی حاصل نہ ہو)۔

[2] :- اس سے پہلے کہ میں سیاہی سے قلم کی مدد کروں (یعنی دوات میں قلم ڈالوں) تجھ سے میں اے یکتا صاحب فضل تیرے فضل کی امداد کا سوالی ہوں اس طرح ممکن ہے میرے علم و فضل کو کامیابی حاصل ہو۔ کیونکہ تیری حمد تیرے فضل و کرم سے ہی کہی جا سکتی ہے نہ کہ اپنے علم و فضل سے۔

نشگفت جز شکوفۂ حمد وثنائے تو ؛ در باغ کن نہال قلم چون کشید قد

ہستی برای ثبت ثنایت صحیفہ الیست ؛ کا غاز آن ازل بود انجام آن ابد

در جنب آں صحیفہ چہ باشد اگر بفرض ؛ سُدنامہ در ثنای تو انشا کند خرد[1]

بالذات واحدی نود اعداد کون را ؛ نبود جز اختلاف ظہور تو مستند

رخسار وحدت تو جمال دگر گرفت ؛ در دیدۂ شہود ز خال و خط عدد

از کثرت زَبَد نشود بحر مختفی ؛ بحر حقیقی تُو و عالم ہمہ زبد

بر آفتاب سایہ نیفتاد اگرچہ شد ؛ محدود بر سر الفش سائبان مَد

عنوان نامۂ کرم و فضل نام تست ؛ خوش آنکہ شد بنامہ و نام تو نامزد[2]

(دیوان کامل جامی ص۳۴)

---

[1] :۔ آج کل ایران میں صد (بمعنی سَو) کو ص کی بجائے سین سے لکھتے ہیں ؛

[2] :۔ جب (ارشادِ الٰہی) سے کُن کے باغ میں قلم کے درخت نے قد پکڑ لیا۔ تو اس سے تیری حمد وثنا کے سوا اور کوئی شگوفہ نہ پھُوٹا۔ یہ عالم کائنات تیری ثنا لکھنے کے لئے ایک ایسی کتاب ہے، جس کی ابتدا ازل سے ہوئی ہے اور خاتمہ ابد کو ہی ہوگا (یعنی کبھی نہیں ہوگا)۔ اگر بفرض محال کوئی صاحب عقل تیری ثنا میں سینکڑوں مسودے بھی لکھ ڈالے تو اس کتابِ فطرت کے مقابلہ میں اس کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ تُو اپنی ذات میں اکیلا ہے اور کائنات کے تمام افراد تیرے مختلف جلووں کے ہی مظاہر ہیں۔ ان مختلف شکلوں اور صورتوں کے ذریعہ شاہد کے درجہ پر پہنچے ہُوئے لوگوں کی نگاہ میں تیری وحدت کے جلوہ نے نیا حسن اختیار کرلیا ہے۔ جھاگ کی زیادتی کی وجہ سے سمندر نہیں چھپ سکتا۔ تُو حقیقت کا سمندر ہے، اور یہ سب عالم کائنات جھاگ کی حیثیت رکھتا ہے (لہٰذا تجھے نہیں چھپا سکتا) اگرچہ آفتاب کے الف پر مَدّ کا سائبان پھیلا ہوا ہے۔ پھر بھی وہ آفتاب پر سایہ نہیں ڈال سکا (یعنی اُسے چھپا نہیں سکا)۔ تیرا نام فضل وکرم کا عنوان ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو تیرے فرمان اور تیرے نام سے منسوب ہو جائے ؛

دیکھئے صنائع بدائع اور دوسرے فنون بلاغت کی بھرمار نے کس طرح معانی (یعنی اصل مقصد مدح) کو نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے نہایت خوبصورت اور شاندار ہیں لیکن محامد باری تعالیٰ تلاش کرنیکی کوشش کی جائے تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ لفظ لفظ سے اپنے تبحر علمی کا تفاخر ٹپکتا ہے۔ تمام اشعار حمد باری تعالیٰ کے بیان کی بجائے اپنی فضیلت اور قابلیت کا مرقع نظر آتے ہیں۔ بیشک ثنا کا لفظ بار بار آیا ہے۔ لیکن کسی قابل ثنا صفت کا ذکر کہیں نہیں۔ دیدۂ شہود نے جمال کا نیا رنگ پکڑا۔ لیکن جمال کا ہلکا سا خاکہ بھی اس نظم میں کہیں نہیں ملتا۔ بیشک ذات باری تعالیٰ دنیا کی جھاگ سے نہیں چھپ سکتی۔ لیکن وہ کونسی صفات ہیں جن کے ذریعہ ذات باری تعالیٰ کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ ان کا بیان کہیں نہیں۔ حالانکہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک اسکی صفات کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے لیکن اس اقتباس میں ان کی جھلک بھی کہیں نظر نہیں پڑتی۔ سب شعر علم بلاغت میں مولانا کی مہارت کو ضرور نمایاں کرتے ہیں لیکن اکثر شعروں کا حمد سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً نواں شعر دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔ آفتاب کے الف پر جو مدّ ہے اس سے آفتاب نہیں چھپ سکتا۔ اسے ذاتِ باری تعالیٰ کے مخفی نہ رہ سکنے کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس مدّ کے مقابلہ میں وہ کونسی چیز ہے، جو ذات باری تعالیٰ کو چھپا نہیں سکتی۔ خیال کے گھوڑے کتنا ہی دوڑائیے یہ مثل کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ اگر کہا جائے کہ مدّ سے مراد صفات ہیں تو وہ تو اُلٹا اس ذات بے مثال کو ظاہر کرنیکا ذریعہ ہیں۔ نہ چھپانے کا۔ بفرض محال انہیں چھپانے کا ذریعہ ہی سمجھ لیا جائے۔ تو کیا وہ صرف اتنی ہی کم اور معمولی سی ہیں جتنی آفتاب کی مدّ ہے۔ یہ تو حمد نہ ہوئی۔ نعوذ باللہ مذمت ہو گئی۔ یہی مجاز کو حقیقت سے بڑھانے کا رُجحان ہے جس کا رونا مولانا محمد حسین صاحب آزاد نے رویا تھا۔ (دیکھئے صہ ۱۶ ہذا) اور یہی رُجحان جب غالب آجائے تو کلام کو مہمل بنا دیتا ہے۔ الفاظ کی پیچیدگیاں صرف دماغی تعیش کا سامان مہیا کرتی ہے لیکن ان سے مفید مطلب کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں صورت کے پجاریوں کی واہ واہ ضرور ملتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں حضرت اقدس کا کلام بظاہر سادہ لیکن معانی سے لبریز ہے۔ الفاظ بھی موتیوں کی لڑیوں کی طرح مربوط اور نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کا کلام سلاست بیان کا بہترین نمونہ ہے:

نعتِ نبیؐ

درِّثمین کی دوسری نظم نعت رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم ہے ۔حضرت مسیح موعودؑ کو حمد باری تعالیٰ کی طرح نعت نبیؐ میں بھی بہت انہماک تھا۔ آپ نے خالص نعتیں بھی لکھی ہیں، لیکن ان کے علاوہ آپ کا یہ بھی دستور تھا کہ کوئی بات ہو، کسی امر کا بیان ہو آپ اس کا رُخ سرورِ کائناتؐ کی ذاتِ مبارک کی طرف پھیر لیتے ۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر شروع کر دیتے تھے ۔ جیسا کہ آگے متعدد اقتباسات سے واضح کیا جائے گا ۔

عاشق زار در ہمہ گفتار ؛ سخنِ خود را کشد بجانبِ یار[۱]

(تشحیذ الاذہان، جنوری ۱۹۱۰ء)

نعت عموماً قصیدہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے، جس کے لئے کوئی بحر مخصوص نہیں ۔ یہ نعت بحر رمل مسدس مقصور یا محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن یا فاعلان) میں ہے[۲]۔ اس

---

[۱]:۔ عاشق زار اپنی بات کا رُخ ہمیشہ اپنے محبُوب کی طرف پھیر لیتا ہے ؛

[۲]:۔ کسی نظم کے وزن کے معلوم ہونے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کے اشعار پڑھتے وقت قاری غلطی سے محفوظ رہتا ہے ۔ کیونکہ اگر کسی مصرع کی قرأت متعلقہ نظم کے وزن کے مطابق نہ ہو۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مصرع درست طور پر نہیں پڑھا گیا ۔ چنانچہ خاکسار نے اس درثمین کی تمام نظموں اور متفرق اشعار کے وزن ضمیمہ نمبر ۳ میں درج کر دئے ہیں ۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے ۔ کہ حضرت اقدس کے کسی شعر کے وزن میں کہیں کسی قسم کا کوئی سقم یا نقص نہیں، خاکسار نے ہر مصرع کے وزن کی پڑتال کی اور اسے متعلقہ نظم کے وزن کے مطابق پایا۔ سوائے ان اختلافات کے جو ایک ہی نظم کے مختلف مصرعوں میں جائز اور روا ہیں ؛

نعت میں حضرت اقدس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی عقیدت کا یوں اظہار فرماتے ہیں :

در دلم جوشد، ثنائے سرورے ✿ آنکہ در خوبی، ندارد ہمسرے
آنکہ جانش، عاشقِ یارِ ازل ✿ آنکہ رُوحش، واصلِ آں دلبرے
آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است ✿ ہمچو طفلے پروریدہ، در برے
آنکہ در برّو کرم، بحرِ عظیم ✿ آنکہ در لُطفِ اَتَم، یکتا دُرے
آنکہ در جود و سخا، ابرِ بہار ✿ آنکہ در فیض و عطا، یک خاورے
آں رحیم و رحم حق را، آیتے ✿ آں کریم وجودِ حق را، مظہرے
آں رُخِ فرّخ، کہ یک دیدارِ او ✿ زِشت رُو را، میکُند خوش منظرے
آں دلِ روشن، کہ روشن کردہ است ✿ صد درُونِ تیرہ را، چُوں اخترے
آں مُبارک پَے، کہ آمد ذاتِ اُو ✿ رحمتے، زاں ذاتِ عالَم پرورے
احمدِ آخر زماں، کز نُورِ اُو ✿ شُد دِلِ مَردُم، زِ خُور تاباں ترے[1]

(درّثمین: ص۵)

---

[1] میرے دل میں اس شہنشاہ کی مدح جوش زن ہے کہ حسن و خوبصورتی میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ جس کی جان محبوب ازلی کی عاشق ہے۔ وہ جس کی رُوح کو اس دلبر کا وصل حاصل ہے۔ وہ جسے حق تعالیٰ کی عنایات نے اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے۔ اور ایک بچہ کی طرح خُدا کی گود میں پلا ہے۔ وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحرِ عظیم ہے۔ وہ جو انتہائی خوبی میں ایک بے مثال موتی ہے وہ جو سخاوت اور بخشش میں ابرِ بہار ہے۔ وہ جو فیض و عطا میں ایک سورج ہے۔ وہ خود بھی رحیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نشان بھی (یعنی رحمۃٌ للعالمین ہے) وہ خود بھی سخی ہے! اور اللہ تعالیٰ کی سخاوت کا مظہر بھی ہے۔ اس کا مبارک چہرہ ایسا ہے کہ اس کا ایک ہی جلوہ بدشکل کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ وہ ایسا روشن ضمیر ہے جس نے سینکڑوں سیاہ دلوں کو ستاروں کی طرح چمکا دیا۔ وہ ایسا مبارک قدم ہے جس کی ذات، ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے رحمت بن کر آئی ہے۔ یعنی وہ احمد آخر زماں جس کے نُور سے اُس نے نُور پایا۔ اُس نُور سے لوگوں کے دل آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو گئے ہیں۔

اس نعت میں کسی خیالی امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ ہر بات ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے اور یہی فخر موجوداتؐ کی شان ہے، کہ آپؐ کے حقیقی محاسن اتنے روشن اور کثیر ہیں، کہ آپؐ کی مدح کو کتنی ہی وسعت کیوں نہ دی جائے، آپؐ کی خوبیاں ختم نہیں ہو سکتیں۔ اور کوئی خالی یا فرضی محاسن آپؐ کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔ آپؐ کی چند اصلی خوبیوں کا ذکر کرنا ہی آپؐ کو کامل انسان ثابت کرنے کے لئے کافی اور لوگوں کو آپؐ کا گرویدہ بنانے کے لئے وافی ہوتا ہے۔ لیکن حضرت اقدس نے صرف چند خوبیوں کے بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آگے اس نظم میں بھی اور دوسری نظموں میں بھی دل کھول کر آپؐ کی صفاتِ حسنہ بیان فرمائیں، اور اپنی عقیدت کے پھول جھولیاں بھر بھر کر آپؐ کے قدموں پر نثار کئے۔

جن لوگوں کا مذاق بعض شعراء کے پیچیدہ کلام نے بگاڑ رکھا ہے، وہ کہہ سکتے ہیں، کہ اس نعت میں نہ کوئی رنگینی ہے اور نہ ہی زیادہ صنائع بدائع لائے گئے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ان فنون کی ضرورت زیادہ تر وہاں ہوتی ہے جہاں بقول نظامی عروضی سمرقندی کسی بدنما چیز کو خوشنما ثابت کرنا ہو۔ لیکن سرورِ دو عالمؐ کی ذات والا صفات جیسی کوئی اور حسین ہستی تو دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تو پھر آپؐ کے حسن کو دکھانے کے لئے مصنوعی سہاروں کی ضرورت کیسے ہو سکتی ہے؟ حضرت اقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی اعلیٰ درجہ کی صفات بیان کی ہیں کہ انہوں نے ہی اس نعت کو اعلیٰ درجہ کی خوبصورتی عطا کر دی۔ جیسے شیخ سعدیؒ نے اپنے محبوب کے متعلق لکھا ہے ؎

ہمہ خوبان عالم را بزیورہا بیارایند ؛ تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیورہا بیارائی[1]

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کے سیدھے سادے بیان نے ہی اس نعت کو چار چاند

---

[1] : تمام عالم کے حسینوں کو زیوروں سے زینت دیتے ہیں۔ تُو ایسا خوبصورت ہے کہ زیوروں کو زینت بخشتا ہے ؛

دیئے ہیں ۔اور الفاظ کی سادگی کے باوجود یہ نعت فصاحت و بلاغت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی ۔ اور سلاست کلام کا نہایت ہی شاندار نمونہ ہے۔ صنائع بدائع کی کثرت کے متعلق ص۱۴ تا ۱۶ ہذا پہ ناقدین فن کی آراء ملاحظہ فرمائیے ۔ پھر بھی یہ نعت فنون بلاغت سے بالکل خالی نہیں۔ (جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے) البتہ سلاست کلام کی خاطر ان کا کم از کم استعمال کیا گیا ہے ۔

نعت میں دوسرے بزرگوں کے مقابلہ میں حضرت اقدس کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے یہ ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کی بنیادی خوبیوں کو زیادہ اجاگر کیا۔ خوب غور کیجئے، انسان کو جو سب سے بڑی نعمت حاصل ہوسکتی ہے وہ ذات باری تعالیٰ کا عشق ہے۔ سو حضرت اقدس نے اسی سے اس محبوب الٰہی کی نعت شروع کی (آنکہ جانش عاشق یارِ ازل) اور فرمایا کہ یہ عاشق اپنی مراد کو بھی پہنچا ہوا ہے ۔ اسے ذات باری تعالیٰ کا وصل حاصل ہے۔ (آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے) عنایات حق کی شان دیکھئے (ہمچو طفلے پروریدہ دربَرے) آگے ان خوبیوں کا ذکر کیا۔ جو اس دو طرفہ محبت کو لازم ہیں۔ اور جن کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس بنی نوع انسان کے لئے بحرِ عظیم، یکتا دُر، ابر بہار، خاور، خدائی رحم اور جود کا مظہر، عالم پرور اور خورتاباں بن گئی ۔ (یہ تشبیہات کتنی موزوں ہیں؟) یہ محبّت انسان کا حقیقی کمال ہے۔ جس سے اُوپر اور کوئی کمال انسان کے لئے متصور نہیں ہوسکتا ۔ غرض حضرت اقدس نے اس نعت میں بھی اور دوسری جگہوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بے شمار خوبیوں کے علاوہ اس دو طرفہ محبت اور اس کے فیضان کی ایسی خوبصورت تصویریں کھینچی ہیں کہ ان کی مثال آپ کے کلام کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی ۔

اس نعت کا مطلع بھی حسن مطلع اور صنعت براعۃ الاستہلال کا بھی بہت ہی عمدہ نمونہ ہے ۔ گویا یہ نعت اپنی طبیعت کو بزور اس طرف مائل کر کے نہیں لکھی گئی ۔ بلکہ بے اختیار دل کی گہرائیوں سے اُبل رہی ہے ۔ جیسا کہ فرمایا: "در دلم جوشد ثنائے سرورے" یعنی میرے دل میں اس

شہنشاہ کی مدح جوش مار رہی ہے اور باہر نکلنے کے لئے بے چین ہے۔اس میں شاعرانہ تعلّی کا کوئی شائبہ نہیں۔آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ، آپ کی تحریروں کی سطر سطر اور آپ کی تقریروں کا لفظ لفظ اس بات پر شاہد ہے کہ دردلم جوشد ثنائے سرورے۔دوسرے مصرع (آنکہ درخوبی ندارد ہمسرے) نے کھول کر بتا دیا ہے۔کہ آگے آپ کس جذبہ اور جوش سے فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کریں گے۔اور آپ نے سچ مچ اس بے مثال شخصیت کی بے مثال مدح کا حق ادا کر دیا۔ یہ نعت صنعت تنسیق الصفات کا بھی ایک حسین نمونہ ہے۔اور شعر نمبر ۵، ۹ میں قرآنی خطاب "رحمۃٌ للعٰلمین" کی طرف تلمیحی اشارہ ہے

آگے بعض دوسرے بلند پایہ بزرگوں کی بیان فرمودہ نعت کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔تا احباب خود اندازہ لگالیں کہ اس راہ کا شہسوار درحقیقت کون ہے؟

حکیم سنائی فرماتے ہیں:

احمد مرسل آں چراغ جہان ٭ رحمت عالم آشکار و نہاں
آمد اندر جہان جان ہر کس ٭ جان جانہا محمد آمد و بس
تا بخندید بر سپہر جلی ٭ آفتاب سعادت ازلی
نامد اندر سراسر آفاق ٭ پای مردی چنوی بر میثاق
آن سپہرش چہ بارگاہ ازل ٭ آفتابش کہ احمد مرسل[1]

---

[1]:۔ ترجمہ:۔ احمدؐ رسول جو سب جہان کے لئے چراغ (ہدایت) ہے۔وہ تمام عالم کے لئے ظاہر بھی اور پوشیدہ بھی رحمت ہے۔اس میدانِ حیات (جان) میں ہر کوئی آیا۔مگر محمدؐ سب کی جان کی جان بن کر آئے جس وقت سے اس روشن آسمان پر یہ سعادتِ ازل کا آفتاب چمکا ہے۔(اس وقت سے) تمام دنیا میں (عہد بلیٰ پر) اس جیسا ثابت قدم اور کوئی جوانمرد پیدا نہیں ہوا۔اس کا وہ آسمان جو ازلی بارگاہ ہے۔احمدؐ مرسل اُس کا آفتاب ہے۔

آدمی زندہ اند از جانش ؁ انبیا گشتہ اند مہمانش
شرع او را فلک مسلم کرد ؁ خانہ بر بام چرخ اعظم کرد
اندر آمد بہ بارگاہ خدای ؁ دامن خواجگی کشاں درپای
پیش او سجدہ کرد عالم دون ؁ زندہ گشتہ چو مسجد ذوالنون
زبدہ جان پاک آدم ازو ؁ معنی بکر لفظ محکم او[1]

(حدیقۃ الحقیقۃ ص ۱۸۹، ۱۹۰)

یہ نعت اچھی ہے۔ لیکن اس میں وہ بے ساختگی اور سلاست نہیں جو حضرت اقدس کی بیان کردہ نعت میں ہے۔ اس کے مطالب کو کما حقہٗ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اصطلاحاتِ تصوّف پر پُورا عبور ہو۔ بعض مطالب بھی محل نظر ہیں۔ جیسے "دامن خواجگی کشاں درپای" یہ متکبر لوگوں کا کام ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم جیسی متواضع ہستی کے لئے مجازًا بھی ایسے الفاظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔ مولانا نظامی گنجوی فرماتے ہیں ؎

فرستادۂ خاص پروردگار ؁ رسانندۂ حجّتِ استوار
گرانمایہ تر تاج آزادگان ؁ گرامی تر از آدمی زادگان[2]

---

[1] ۔ ترجمہ: اس کی زندگی سے انسانوں کو زندگی ملتی ہے، اور انبیا بھی اس کے مہمان بنے ہیں۔ آپ کی شریعت کو اہلِ فلک نے بھی تسلیم کرلیا اور آپ نے سب سے بڑے آسمان کی چھت کو اپنا بسیرا بنایا۔ وہ سرداری کا دامن اپنے پاؤں میں گھسیٹتا ہوا، بارگاہِ خداوندی میں آیا۔ اس کے سامنے تمام عالم سفلی نے سجدہ کیا۔ اور سجدہ ذوالنون کی طرح زندہ ہوگیا۔ وہ آدمؑ کی پاک جان کا خلاصہ ہے اور لفظ محکم کے اچھوتے معنی ہیں ؛

[2] :۔ خاص پروردگار عالم کا بھیجا ہوا، برہان محکم یعنی قرآن مجید کو (دنیا میں) پہنچانے والا۔ آزاد منش لوگوں کا سب سے زیادہ قیمتی تاج ۔ آدم زادوں میں سے سب سے زیادہ معزز۔

محمدؐ کازل تا ابد ہرچہ ہست ⁂ بآرایش نام او نقش بست
چراغیکہ پروانہ بینش بدوست ⁂ فروغ ہمہ آفرینش بدوست
ضماں دار عالم سیہ تا سپید ⁂ شفاعت گر روز بیم و اُمید
درخت سہی سایہ درباغ شرع ⁂ زمینی باصل آسمانی بفرع
زیارتگہ اصل داران پاک ⁂ ولی نعمت فرع خواران خاک
چراغیکہ تا او بزوخت نور ⁂ زچشم جہان روشنی بود دور
سیاہی دہ خال عباسیاں ⁂ سپیدی برچشم عثمانیاں
لب از باد عیسٰی پر از نوش تر ⁂ تن از آب حیواں سیہ پوش تر[1]

(شرف نامہ، صفحہ ۱۴، ۱۵)

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں :ـ

کریم السجایا جمیل الشیم ⁂ نبی البرایا شفیع الامم[2]

---

[1]:۔ محمدؐ جس نام کی برکت سے ہراس چیز نے صورت اختیار کی جو ازل سے ابد تک پیدا ہوئی ہے اور جو ابد تک پیدا ہوتی رہیں گی۔ وہ ایسا چراغ ہے کہ بینائی اس کا پروانہ ہے۔ تمام کائنات کی روشنی اُسی سے ہے، وہ تمام جہان کے سیاہ وسفید کا کفیل ہے۔ اور خوف اور اُمید کے دن یعنی روز قیامت شفاعت کرنے والا ہے۔ شرع کے باغ میں سایہ دینے والا سیدھا درخت جس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ پاک وجودوں کی زیارت گاہ ہے۔ اور خاکی انسانوں کی پرورش کرنے والا آقا ہے۔ وہ ایسا چراغ ہے کہ جب تک اس کا نور نہ پھیلا، جہان کی آنکھ سے روشنی غائب رہی۔ وہ عباسیوں کے خال (نشان پرچم) کو سیاہی دینے والا اور آفتاب پرستوں کی آنکھ کی سفیدی (اندھے پن) کو دور کرنے والا۔ اس کے لب دم عیسٰی سے زیادہ زندگی بخش ہیں۔ اور اس کا جسم آب حیواں سے زیادہ سیاہ پوش یعنی پوشیدہ ہے۔

[2]:۔ عمدہ عادتوں اور پسندیدہ خصلتوں والا۔ کل مخلوق کا نبی اور تمام اُمتوں کا شفیع۔

امامِ رُسل پیشوائے سبیل ❊ امینِ خدا مہبطِ جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجۂ بعث ونشر ❊ امام الہدیٰ صدرِ دیوانِ حشر
کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست ❊ ہمہ نورہا پرتوِ نورِ اوست
یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ❊ کتب خانۂ چند ملّت بشست
چو عزمش برآہیخت شمشیرِ بیم ❊ بمعجز میانِ قمر زد دو نیم
چو صیتش در افواہِ دنیا فتاد ❊ تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد
بلا قامتِ لات بشکست خورد ❊ باعزازِ دین آبِ عزّیٰ ببرد
شبے برنشست از فلک درگذشت ❊ بتمکین و جاہ از ملک برگذشت
چناں گرم در تیہِ قربت براند ❊ کہ بر سدرہ جبریل ازو بازماند[1]

(بوستان ص۶، ۷)

---

[1] : رسولوں کا امام اور راہ (خدا) کا ہادی، خدا کا اعتباری بندہ اور جبرئیل کے اترنے کی جگہ۔ تمام دنیا کی شفاعت کرنے والا، قیامت کے دن کا سردار، ہدایت کا امام اور روزِ حشر کی محفل کا صدر۔ ایسا کلیم جس کا طور عرشِ الٰہی ہے۔ تمام روشنیاں اسی کی روشنی کا انعکاس ہیں۔ ایسا یتیم جس نے پڑھنا بھی نہیں سیکھا تھا۔ اس نے کئی قوموں کے کتب خانے بے کار کر دئے۔ جب آپ کے ارادہ کی پختگی نے خوفناک تلوار بلند کی تو آپؐ نے انگشتِ مبارک سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ جب آپؐ کی ولادت کا چرچا دنیا کی زبانوں پر ہُوا تو کسریٰ کا محل لرزنے لگا۔ آپ نے لا (یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) کہہ کر لات کے بُت کو پاش پاش کر دیا۔ اور اپنے دین کی سرفرازی کے ذریعہ عزّیٰ بت کی عزت ملیامیٹ کر دی۔ ایک رات سوار ہو کر آسمانوں سے بھی اُوپر چلے گئے۔ اور قدر و منزلت میں فرشتوں سے بھی بڑھ گئے۔ آپؐ نے قربت کے میدان میں اتنی تیزی سے گھوڑا دوڑایا کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیل بھی آپ سے پیچھے رہ گیا ❊

امیر خسرو فرماتے ہیں :ے

سخن آں بہ کہ بعد حمد خدائے ❊ بود از نعت خواجۂ دوسرائے

احمد آن مرسل خلاصۂ کون ❊ پردہ پوش امم بدامن عون

میم احمد کہ در اَحَد غرق است ❊ کمر ہمت از پئے فرق است

احمد اندر اَحَد کہ بند ہست ❊ یعنی ایں بندہ وان خداوند ست

عاصیاں را در آفتاب نشور ❊ ظل ممدود داد از منشور

نُور او آفتاب را مایہ ❊ سایۂ خلق و ابر بے سایہ

بہر تعظیم او ارادت پاک ❊ سایۂ او رہا نکردہ بخاک

پایۂ قدرش آسماں پیوند ❊ سایۂ نورش آفتاب بلند

روشنائی دہِ چراغ یقین ❊ نور پیشین وشمعِ باز پسین

نُورِ او کز سپہر صد چند است ❊ مہ شگاف و سپہر پیوند است[1]

(ہشت بہشت: صہ۵)

---

[1] :- کلام وہی اچھا ہے، جس میں حمد الٰہی کے بعد دونوں جہانوں کے آقا کی نعت ہو۔ احمدؐ وہ رسُول ہے جو کائنات کا خلاصہ ہے، اور دستگیری کے دامن سے امتوں کے پردے ڈھکنے والا ہے۔ لفظ احمد کا میم جو لفظ احد سے غائب ہے۔ یہ ہمت کا (درمیانی لفظ یعنی) کمر بند دونوں میں امتیاز کی خاطر ہے، گویا احمد، احد (خدا) کی خدمت میں کمر باندھے کھڑا ہے۔ یعنی یہ بندہ اور وہ آقا ہے، آپ قیامت کی جلتی دھوپ میں گنہگاروں کے لئے خدا کے اذن سے ایک وسیع سایہ ہیں۔ آپ کا نور آفتاب کا سرمایہ ہے۔ آپ مخلوق کیلئے ایسا سایہ کرنیوالے بادل ہیں جس کا اپنا کوئی سایہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کی خاطر آپؐ کے سایہ کو زمین پر نہ پڑنے دیا۔ آپ کی قدر و منزلت آسمان تک پہنچی ہوئی ہے، یہ بلند آفتاب آپ کے نور کا ہی پرتو ہے۔ آپ یقین کے چراغ کو روشنی بخشتے ہیں، آپ پہلوں کے لئے نور اور پچھلوں کے لئے شمع ہیں، آپ کی روشنی جو آسمانوں سے کئی گُنا زیادہ ہے چاند سے گزر کر آسمان تک پہنچی ہے۔

مولانا جامی فرماتے ہیں :ـ

آں راکہ بر سر افسر اقبال سرمدست ÷ سر در رہِ محمدؐ و آل محمدؐ ست

فرزند کاف و نون اند افراد کائنات ÷ احمدؐ میان الیشاں فرزند امجد ست

مدی کہ ہست بر سرِ آدم علامتی ÷ ز آں میم دال واں کہ قدم گاہ احمدؐ ست

آں مد ز چتر دولت سرمد نشانہ ییست ÷ آدم سر آمد ہمہ عالم ازاں مد ست

ہر کس نہ مرتدی بر داری ولای اوست ÷ در راہ دین مرید مخوانش کہ مرتد ست

سرور گلیم فاقہ و تن بر حصیر فقر ÷ شاہ ہزار صاحب دیہیم و مسند ست

خاک رہش جلاء دہ چشم خرد بود ÷ آنرا بنقد جان بخرد ہر کہ بخرد ست

سرویست قد او چمن آرائے فاستقم ÷ طوبا بباغ سدرہ ہوادار آں قد ست

بس تلخ کلام کفر کہ بر خوان دعوتش ÷ شیرین دہان ز چاشنئ شہد اشہد ست

بس سالخورد دہر کز آغاز بعثتش ÷ رفتہ چو کودکان بسر لوح ابجد ست [1]

(دیوانِ کامل جامی: ص ۲۸)

---

[1]: جس شخص کے سر پر دائمی خوش قسمتی کا تاج ہے، اس کا سر محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی راہ میں (قربان ہے) کائنات کے افراد لفظ کُن سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان احمد سب سے زیادہ معزز ہے۔ یہ مد جو آدم کے سر پر بطور نشان لگی ہے اس میم دال کو محمدؐ کے قدم رکھنے کی جگہ سمجھو، وہ مد دائمی خوشحالی کی چھتری کا نشان ہے، اسی مد کی وجہ سے آدم تمام جہان کا سردار ہے، ہر وہ شخص جس نے آپؐ کی دوستی کی چادر نہیں پہنی ہوئی۔ اسے دین کی راہ میں مرید مت کہو، وہ تو مرتد ہے۔ آپ کا سر مبارک فاقہ کی گدڑی میں ہے اور جسمِ مبارک فقر کی چٹائی پر۔ آپ ہزاروں صاحبان تخت و مسند کے شہنشاہ ہیں۔ آپ کے رستہ کی مٹی جو عقل کی آنکھ کو روشنی بخشنے والی ہے اسے نقد جان دیکر ہر وہ شخص خریدتا ہے جو عقلمند ہے۔ آپؐ ایسے سرو کا درخت ہیں جس کا قد استقامت (کے باغ) کو زینت بخشنے والا ہے اور سدرۃ المنتہی کے باغ میں طوبا کا درخت آپ کے قد پر عاشق ہے کتنے ہی نامراد کفار ہیں جو آپکی دعوت کے خوان سے شہد (کلمہ شہادت) کے شہد کی چاشنی سے شیریں دہن بن گئے۔ یہ زمانہ اتنا بوڑھا ہو چکا تھا کہ آپؐ کی بعثت کے آغاز سے ہی بچوں کی طرح ابجد کی تختی کی ابتدا پر پہنچ گیا۔

ان بزرگوں کے کلام کا حضرت اقدس کے کلام سے مقابلہ کرنے میں ہرگز ہرگز کسی کی تنقیص مقصود نہیں۔ بلکہ صرف حضرت اقدس کے کلام کی برتری دکھانا مدّنظر ہے۔ یہ تمام بزرگ جن کے کلام سے یہ نمونے پیش کئے گئے ہیں آسمانِ شاعری کے درخشاں ستارے اور اپنے کردار کی پاکیزگی کی بنا پر بھی مخلوقِ خدا کے لئے روشن شمعیں ہیں۔ ان کا کلام اپنی چمک دمک کے لئے بھی کسی کی تعریف کا محتاج نہیں۔ انہیں رسُول کریمؐ کی ذات سے بھی گہرا اُنس ہے، انہوں نے صرف یہی نعتیں نہیں کہیں جن کے اقتباس یہاں پیش کئے گئے ہیں، بلکہ ان سب کے کلام میں آنحضرتؐ سے عقیدت کے پھول جابجا بکھرے پڑے ہیں اور یہ پھول اتنے خوبصورت اور تروتازہ ہیں کہ آنکھوں کو طراوت اور کانوں کو فرحت بخشتے ہیں اور تسکینِ قلب اور تنویرِ دماغ کا بھی ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ اور ان میں فنونِ بلاغت بھی کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہُوئے ہیں۔

پھر بھی فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف : ۷۷) کے مطابق ایک عالم کو کسی دوسرے عالم پر فوقیت ہو سکتی ہے۔ اور یہاں تو معاملہ خُدا کے مامور کے کلام کا ہے جو رُوح القدس کی تائید سے لکھا گیا۔ لہٰذا حضرت اقدس کے کلام میں جو روحانی سرور موجزن ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس کا کلام دوسرے بزرگوں کے کلام سے کئی پہلوؤں میں بڑھا ہوا ہے۔ یہاں صرف دو تین پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالمِ کائنات پر جو بنیادی فضیلت حاصل ہے، وہ عشقِ الٰہی ہے۔ آپ ان بزرگوں کے مندرجہ بالا اقتباسات بار بار بغور ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کو ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عشق کی آگ کا ذکر کہیں نہیں ملے گا۔ ان کے کلام میں بعض دوسری جگہوں پر اس سوزِ عشق کی طرف اشارے تو ضرور ملتے ہیں لیکن حضرتؑ اقدس کے کلام کے سوا اس آگ کا ذکر جو آنحضرتؐ کے قلب میں شعلہ زن تھی بالاستیعاب اور کہیں نہیں ملے گا۔ سچ ہے: ع جس تن لاگے سو تن جانے

یہ سعادت صرف اور صرف حضرت مسیح موعودؑ کو حاصل ہوئی کہ آپ نے رسُولِ کریمؐ کی

محبّت الٰہی کی آگ کا ذکر مختلف پیرائوں میں بار بار کیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اندرونی آگ کا پورا احساس اسی شخص کو ہو سکتا تھا جس کے اپنے دل میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہی آگ روشن تھی۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں :

این آتشم ز آتشِ مہرِ محمّدیؐ ست ⁂ وایں آب من ز آبِ زلالِ محمّدؐ است[1]

(درِّثمین صفحہ ۸۹)

اللہ تعالیٰ ان دونوں پاک روحوں پر ہمیشہ اپنی خوشنودی کی بارش برساتا رہے۔

دوم : یہ کہ حضرت اقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ اور بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔ اس کے لفظ لفظ کی تصدیق قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ لیکن ان دوسرے بزرگوں نے بعض ایسی باتیں بھی بیان کی ہیں جن کی تصدیق قرآن کریم نہیں کرتا۔ خاکسار صرف ایک مثال پیش کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ تا خدانخواستہ اس طرح کہیں آپؐ کی بے ادبی نہ ہو۔ قرآن کریم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند سے بلند شان بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی بشریّت کا اعلان بھی بار بار کرتا ہے۔ کہیں براہ راست اور کہیں دوسرے انبیاء کے ذکر میں۔ لیکن بعض لوگ قرآن کریم کے علی الرغم کسی نہ کسی بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرۂ بشریت سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دوسرے تمام صوائج بشریت تو آپ کے لئے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ تو پھر ایک سایہ کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ جس کا بار بار ذکر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

سوم : یہ کہ دوسرے بزرگوں کے کلام میں کئی جگہ فنون بلاغت کو معنوں پر ترجیح دی گئی ہے خصوصًا

---

[1] : ۔ میری یہ آگ محمدؐ کے عشق (الٰہی) کی آگ کا ہی ایک حصہ ہے اور میرا یہ پانی محمدؐ کے شیریں مُصفّا پانی سے ہی لیا گیا ہے ؛

مولانا جامی کا کلام تو سراسر ان فنون کی نمائش پر مبنی ہے۔ کئی جگہ ان فنون کی کثرت کی وجہ سے معنے بالکل ہی گم ہو گئے ہیں۔ بعض جگہ لفظوں کے ہیر پھیر سے کلام میں چاشنی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دیکھئے امیر خسرو کا تیسرا اور چوتھا شعر اور مولانا جامی کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا شعر۔ مگر حضرت اقدس کے کلام میں معانی کو کہیں بھی فنون بلاغت پر قربان نہیں کیا گیا۔ بلکہ سیدھے سادے لیکن مفہوم کے عین مطابق الفاظ چن کر اور انہیں ماہرانہ ترتیب دیکر کلام میں ایسا حسن پیدا کر دیا جو دوسروں کے پُر فنون اشعار میں بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ اصل بات یہ ہے کہ جو مفہوم بیان کرنا ہو، اگر وہ خود خوبصورت اور دلنشین ہو تو اس کے لئے سادگی ہی بہترین زیور ہے۔ ورنہ زیورات کی بہتات حسن کی چمک کو ماند کر دے گی یا بالکل روپوش کر دے گی۔ مثلاً مولانا جامی کا یہ شعر دیکھئے :ے

بس سالخورد دہر کز آغاز بعثتش ٭ رفتہ چو کودکان بسر لوح ابجد ست

کیا آپ کو اس شعر میں کسی ایسی خوبی کا بیان دکھائی دیتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص ہو۔ یہ تو ہر نبی کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے بلکہ دنیاوی امور میں بھی ترقی چھوڑ تنزل کے وقت میں بھی یہی ہوتا ہے، آجکل یورپ اور امریکہ میں نئی نسل بوڑھے طوطوں کو بے حیائی کے کیسے اچھوتے سے اچھوتے سبق پڑھا رہی ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت اقدس کی بیان فرمودہ نعت کا کوئی شعر لیجئے۔ اس میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حسنہ ستاروں کی طرح چمکتی پائیں گے، مثلاً :ے

آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است ٭ ہمچو طفلے پروریدہ در برے

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو بیحد و شمار عنایات ہیں ان کے لحاظ سے آنحضرتؐ کی بلند شان کا اظہار جس طرح اس شعر سے ہوتا ہے اس طرح دوسرے شعرا کی نعتوں کے کسی شعر سے نہیں ہوتا ؛

٭

ذاتِ باری تعالیٰ کا عشق

بعض شاعر اور مصنف تو اپنی کتب کی ابتدا رسمی طور پر حمد اور نعت سے کرتے ہیں۔ کیونکہ قدیم سے یہی رواج چلا آرہا ہے۔ لیکن جن بزرگوں نے پورے شوق اور اخلاص سے اس کوچہ میں قدم رکھا ہے ان میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے اس رواج کے مطابق بھی حمد باری تعالیٰ بیان کی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نام سے ہر کام کی ابتدا کرنا بڑی برکات کا موجب ہے لیکن آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ اپنے کلام میں جگہ جگہ بار بار خدائے برتر کی صفات بیان کرنے کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ چنانچہ آپ کے کلام میں سب سے زیادہ جن امور کا ذکر آتا ہے۔ وہ عشق باری تعالیٰ اور محبت رسول کریمؐ ہی ہیں۔ اور آپ ایسے والہانہ طریق پر ان کا ذکر کرتے ہیں کہ قاری کا دل بھی انہی کیفیات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ آپ اپنی کتاب آئینۂ کمالاتِ اسلام کی ابتدا میں فرماتے ہیں :۔

محبّت تو دوائے ہزار بیماری است ⁂ بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است

پناہِ رُوئے تو جُستن نہ طورِ مستانست ⁂ کہ آمدن بہ پناہت کمال ہشیاری است

متاعِ مہرِ رُخِ تو نہاں نخواہم داشت ⁂ کہ خُفیہ داشتنِ عشقِ تو زغدّاری است

براں سرم کہ سر و جان فدائے تو بکنم ⁂ کہ جان بیار سپُردن حقیقتِ یاری است[1]

(درثمین صفحہ ۱۲۱)

---

[1]: تیری محبت ہزار بیماریوں کی دوا ہے، تیرے ہی مُنہ کی قسم کہ اسی گرفتاری میں اصل آزادی ہے۔ تیرے چہرے کی پناہ ڈھونڈنا دیوانوں کا کام نہیں کیونکہ تیری پناہ میں آنا تو بڑے ہی ہشیار لوگوں کا کام ہے۔ میں تیری محبت کی پونجی کو کبھی نہیں چھپاؤں گا۔ کیونکہ تیرے عشق کو چھپانا بھی ایک قسم کی غداری ہے۔ میں اسی دھن میں ہوں کہ سر اور جان تجھ پر قربان کردوں کیونکہ اپنے آپ کو محبوب کے سپرد کر دینا ہی یاری کی حقیقت ہے۔

دیکھئے صرف چار شعر ہیں جو ذات باری تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہے گئے ہیں۔ لیکن راز و نیاز کی کوئی رمز نہیں جو ان سے باہر رہ گئی ہو، ذیل میں ان اشعار کے مطالب ذرا تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں:

ع لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم[1]

ہزار فارسی زبان میں گنتی کا آخری لفظ ہے۔ اس لئے یہاں اس سے بے شمار مراد ہے۔ بیماری سے مراد ہر وہ خیال اور عمل ہے جو انسان کی روحانی، اخلاقی اور جسمانی نشو و نما کے لئے مضر ہو۔ اور ان سب کا علاج اپنے پروردگار کی محبت میں ہے۔ دوسرے مصرع میں آپ قسم کھاتے ہیں۔ قسم بھی علم بلاغت کی رو سے حسن کلام کو بڑھانے کا ایک عجیب ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ زیر نظر معاملہ کے لئے شاہد صادق کا درجہ رکھتی ہو۔ یہاں آپ نے محبوب کے چہرہ کو بطور گواہ پیش کیا ہے۔ محبت کی وارداتوں کے لئے محبوب کے چہرہ سے زیادہ سچا گواہ اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ چہرہ ہی حسن کی اصل جلوہ گاہ ہے، اور حسن ہی محبت کا باعث بنتا ہے۔ پس جب انسان کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائے تو اسے اور کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ گویا وہ ہر دکھ تکلیف سے چھوٹ جاتا ہے۔ بلکہ محبوب کی راہ میں اسے جو تکلیف بھی پہنچتی ہے وہ اس کے لئے لذت اور سکون کا باعث اور محبوب کی توجہ کو اپنی طرف پھرانے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا عاشق صادق ایسی تکالیف بخوشی برداشت کرتا ہے، اور ترقی کرتا کرتا ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ محبوب کی راہ میں قربانی پیش کرنے کے سوا اور کوئی چیز اُس کیلئے خوشی اور راحت کا باعث نہیں رہ جاتی۔ اس رہائی کے اور بھی پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ راضی برضائے یار ہونا جیسے فرمایا :-

دل نہادن در آنچہ مرضئ یار ۞ صبر زیرِ مجاریٔ اقدار[2]

(درثمین ص۱۴۱)

---

[1] :- داستان بہت لذیذ تھی۔ اس لئے میں نے اس کے بیان کو بہت طول دیا ۞

[2] :- جو یار کی مرضی ہو اس پر راضی ہونا۔ اور جاری شدہ قضا و قدر پر صبر کرنا ۞

کیونکہ جو سختی اپنی خوشی اور مرضی سے برداشت کی جائے اس کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے محب سے پیار کرنے اور اس کی تائید میں لگ جاتا ہے۔ جیسے فرمایا ؎

غلامِ درگہش باش و بعالم بادشاہی کن ٭ نباشد ہیم از غیرے پرستارانِ حضرت را
تو از دل سوئے یار خود بیا تا نیز یار آید ٭ محبّت مے کشد با جذبِ رُوحانی محبّت را[1]
(دُرِّثمین صفحہ ۲۰۹)

پس دُکھ اور تکلیف تو دُور کی بات ہے۔ انہیں اس کا خدشہ بھی نہیں رہتا۔
گرفتاری اور رہائی میں صنعت تضاد[2] ہے۔ گرفتاری اس لئے کہا کہ محبت اپنی کوشش سے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ جب حالات سازگار ہوں۔ تو یہ خود بخود چمک اُٹھتی ہے۔ انسان کے اپنے اختیار کی بات نہیں۔
اس شعر کے مضمون کو ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا: ؎

بجز اسیریٔ عشقِ رُخش رہائی نیست ٭ بدردِ او ہمہ امراض را دوا باشد[3]
(دُرِّثمین صفحہ ۲۷۳)

پھر اسی مفہوم کو یوں ادا کیا: ؎

کشادِ کار بدل بستن است در محبُوب ٭ چہ خوش رُخے کہ گرفتار او رہا باشد[4]
(دُرِّثمین صفحہ ۲۷۶)

---

[1]: اس کی درگاہ کا غلام بن اور دنیا پر حکومت کر۔ خدا پرستوں کو اور کسی سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ تو دل سے اپنے یار کی طرف آجا تا وہ بھی تیری طرف آئے۔ کیونکہ جذب روحانی کی وجہ سے ایک محبت دوسری محبت کو کھینچتی ہے۔

[2]: اسے طباق بھی کہتے ہیں یعنی کلام میں ایسے دو الفاظ کا آنا جن کے معنوں میں تقابل تضاد ہو۔ [3]: اس کے چہرہ کی قید کے سوا کہیں کوئی آزادی نہیں اسکا درد ہی سب بیماریوں کا علاج ہے [4]: محبوب سے دل لگانے میں ہی اصل کامیابی ہے۔ وہ چہرہ کیا ہی مبارک ہے جس کا گرویدہ دراصل آزاد ہے ٭

دوسرے شعر کے الفاظ مستان اور ہشیاری میں بھی صنعت تضاد ہے۔اس شعر کا پورا مفہوم سمجھنے کے لئے پناہ اور ستاں کے الفاظ پر غور کرنا چاہیئے۔کسی چیز کی پناہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز کسی دکھ یا خطرہ سے محفوظ کر دے۔اور مست سے یہ مراد ہے کہ کسی نشہ سے ہوش کھو بیٹھے۔آپ نے سنا ہوگا کہ جب لوگ کسی ایسے مست کو دیکھتے ہیں جس نے شراب وغیرہ کوئی نشہ نہ کیا ہو، تو کہتے ہیں کہ یہ جلوۂ محبوب کو برداشت نہیں کر سکا۔اس لئے عقل کھو بیٹھا اور پاگل ہوگیا۔حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ تم اسے پاگل مت خیال کرو۔کیونکہ جسے تم بے عقل اور بیوقوف سمجھتے ہو وہ تو عاقلوں کا عاقل ہے۔ہرگز مست بمعنی پاگل نہیں وہ بہت ہوشیار ہے جو حسن حقیقی سے آشنائی پیدا کر کے دنیا جہان کی جھوٹی لذتوں سے بے نیاز ہوگیا اور سب مصائب سے چھٹکارا پاگیا۔اسی مفہوم کو حافظ شیرازی نے یوں بیان کیا ہے: ؎

خیال زلف تو پختن نہ کار خاماں است ☆ کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیّاریست[۱]

لیکن یہ شعر اتنا فصیح و بلیغ نہیں جتنا حضرت اقدس کا شعر ہے۔اس کی وضاحت آگے زیرِ عنوان "اخذ" (صـ ہذا) کی گئی ہے۔

ستاں کے لفظ کی تشریح ایک جگہ حضرت اقدس نے خود بیان فرمائی ہے۔یعنی "جن کے دلوں کو اُن کے دوست حقیقی نے اپنی طرف کھینچ لیا اور اُن کے دلوں میں بیقراریاں پیدا کیں۔یہاں تک کہ اُن کے دلوں پر محویت اور سُکر اور عاشقوں کا سا جنون آگیا۔سو فنا نظری کی حالت اور جذب سماوی کے وقت اُن کے مُنہ سے کچھ ایسی باتیں نکل گئیں۔اور بعض واردات اُن پر ایسے وارد ہُوئے کہ وہ عشق کی مستی سے بیہوشوں کی طرح ہو گئے۔"

(نور الحق حصّہ اوّل، صـ۷۵)

---

[۱]: تیری زلفوں کا دھیان جمائے رکھنا، اناڑیوں کا کام نہیں کیونکہ ان لڑیوں کے نیچے جانا (یعنی انکی پناہ لینا) تو عیاری کا طریق ہے۔

تیسرے شعر میں متاع کا لفظ بہت پُرلطف ہے۔ مراد یہ ہے کہ عاشق کے لئے جو کچھ ہے تیرے رُخِ روشن کی محبت ہے۔ یہی اس کی کمائی ہے، مال و دولت ہے، پونجی ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس اور کچھ نہیں۔ لیکن یہ کوئی معمولی چیز نہیں حاصل زندگی ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے جو کسی خوش قسمت کو ہی ملتی ہے اور اسے دنیا جہان سے بے نیاز کر دیتی ہے، اسے ایک ہی چیز یاد رہ جاتی ہے، اللہ ہُو، اللہ ہُو۔

اس دولت کے چھپانے کو حضرت اقدس نے غداری قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ عشق (کی دولت) کوئی قابل شرم یا ادنیٰ حیثیت کی چیز نہیں بلکہ یہ عطاءِ الٰہی ایسا خزانہ ہے جس کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ پس اس کو چھپانا معطیٔ حقیقی کی ناشکری اور گستاخی ہوگی۔ نیز اس دولت کے ملنے پہ کچھ ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی جاتی ہیں۔ یعنی اس دولت سے بنی نوع انسان کی خدمت کرنا اور اس کے منبع سے خلق خدا کو روشناس کرانا۔ اگر کوئی شخص یہ ذمہ داریاں ادا نہیں کرتا۔ تو گویا وہ محبوب حقیقی سے غداری کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضرت اقدس نے جس طرح اس دولت کو لٹایا، وہ ظاہر و باہر ہے۔ آپ نے اس شمعِ حسن کے پروانوں کی ہزاروں کی نہیں لاکھوں کی ایک جماعت پیدا کی جس کی مثال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی فدائیوں (صحابہ کرامؓ) کے سوا اور کہیں نہیں ملتی، اور جس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔

چوتھے شعر کو کما حقہٗ سمجھنے کے لئے رندی سے بھی کچھ واقفیت ہوتی چاہیئے۔ اس سے ہر جگہ کوئی غیر اخلاقی امر مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی جان اور عزت کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے بڑھ کر محبوب کا دامن تھام لیا جائے، اسے جرأت رندانہ کہتے ہیں۔ جس طرح دیوانگی سے ہر جگہ فقدانِ عقل مراد نہیں ہوتی۔ اسی طرح رندی سے بھی ہمیشہ کوئی گناہ کی بات متصور نہیں ہوا کرتی۔ حضرت اقدس نے ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"یہ دونوں لفظ ظلم اور ضلالت اگرچہ ان معنوں پر بھی آتے ہیں کہ کوئی شخص جادۂ

اعتدال اور انصاف کو چھوڑ کر اپنی شہوات غضبیہ یا بہیمیہ کا تابع ہو جائے لیکن قرآن کریم میں عُشاق کے حق میں بھی آئے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں عشق کی مستی میں اپنے نفس اور اس کے جذبات کو پیروں کے نیچے کچل دیتے ہیں۔ اسی کے مطابق حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے:۔

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید ⁂ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند[1]

اس دیوانگی سے حافظ صاحب حالتِ تعشق اور شدتِ حرص اطاعت مُراد لیتے ہیں"۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴)

اسی طرح رندی سے مُراد شدّت عشق کی دیوانگی ہے جو ہر قسم کی جرأت پر آمادہ کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اپنی ایک تقریر میں جامیؒ کا یہ شعر نقل کیا ہے:۔

نومید ہم مباش کہ رنداں بادہ نوش ⁂ ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند[2]

یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں نے اپنے آپ کو رند قرار دیا ہے۔ مولانا روم کا ایک شعر قبل ازیں صـ پر گذر چکا ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:۔

عاشق و رند و نظر بازم و میگوئم فاش ⁂ تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام[3]

حضرت اقدس اسی جرأت رندانہ کے اظہار کے لئے فرماتے ہیں۔ کہ مجھے نہ اپنی جان جانے کا خوف ہے، نہ عزت برباد ہونے کا فکر ہے۔ اے مالک میں تیرا سچا عاشق ہوں۔ اس لئے کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسی دھن میں ہوں کہ اپنے آپ کو تجھ پر فدا کردوں۔ کیونکہ سچّی اور

---

[1]: آسمان اس امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا، اس کام کا قرعۂ فال مجھ دیوانہ کے نام پر ہی نکلا۔

[2]: ناامیدی مت ہو کیونکہ (محبت الٰہی کی) شراب پینے والے رند بعض دفعہ اچانک ایک ہی نعرۂ مستانہ سے اپنی مراد کو پہنچ گئے ہیں:

[3]: مَیں صاف کہتا ہوں کہ عاشق ہوں، رند ہوں، نظر باز ہوں۔ تا تجھے معلوم ہو کہ میں کتنے ہنروں سے آراستہ ہوں:

حقیقی دوستی کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے آپ کو کلیتہً محبوب کے حوالہ کر دیا جائے۔ جس طرح ایک عورت جس کے رگ و ریشہ میں کسی کی محبت رچ جائے تو وہ سب عواقب کو نظرانداز کر کے یہی چاہتی ہے کہ اپنے آپ کو محبوب کے حوالہ کر دے۔ عشق کی انتہا یہی ہے۔ کیا محبوب حقیقی کے عاشق اس سے پیچھے رہ سکتے ہیں؟

ایک جگہ حضرت اقدس عشق کو ایک الگ ہستی قرار دے کر اسے مخاطب کرتے ہیں۔ (علم بیان میں اسے استحضار کہتے ہیں)۔ یہ بھی عشاق کی ایک ادا ہے۔ کبھی اپنے آپ سے باتیں کرتے ہیں، کبھی کسی جانور کے آگے اپنا دکھ کھولتے ہیں، کبھی ستاروں سے شکایت کرتے ہیں، کبھی باد صبا کو اپنا رازدار بناتے ہیں اور گوناگوں واردات عشق کا ذکر کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ایک رنگ کا گلہ بھی ہے، احسانمندی کا اقرار بھی ہے۔ ساتھ ہی اس راہ کی مصائب اور ان کی لذات کا اظہار بھی ہے۔ کیا راز و نیاز ہے۔ فرمایا:

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی ✽ زخم و مرہم برہ یار تو یکساں کردی
ہمہ مجموع دو عالم تو پریشاں کردی ✽ ہمہ عشاق تو سرگشتہ و حیراں کردی
ذرۂ را تو بیک جلوہ کنی چوں خورشید ✽ اے بسا خاک کہ تو چوں مہ تاباں کردی
وہ چہ اعجاز نمودی کہ بیک جلوۂ فیض ✽ در رفتن بزدی آمدن آساں کردی
ہوشمندانِ جہاں را تو کنی دیوانہ ✽ اے بسا خانۂ فطنت کہ تو ویراں کردی[1]

---

[1]: اے محبت تُو نے عجیب رنگ دکھائے، یار کی راہ میں زخم اور مرہم دونوں برابر کر دئے۔ دونوں جہانوں کے بے فکروں کو تُو نے پریشاں کر دیا، تمام عاشقوں کو تُو نے سرگرداں اور حیران کر دیا۔ تو ایک تجلی سے ذرّہ کو سورج بنا دیتی ہے کتنی ہی خاک جیسی ہستیاں ہیں جنہیں تو نے روشن چاند بنا دیا واہ وا! تُو نے کیسا معجزہ دکھایا کہ فیضان کی ایک ہی تجلّی سے جانے کا راستہ بند کر دیا اور آنا آسان بنا دیا، دنیا کے عقلمندوں کو تو دیوانہ بنا دیتی ہے اور بہت سے عقل و دانش کے ٹھکانوں کو تُو نے ویران کر دیا۔

جانِ خود کس ندہد بہر کس از صدق و وفا ؂ راست ایں است کہ ایں جنس تو ارزاں کردی
بر تو ختم است ہمہ شوخی و عیّاری و ناز ؂ ہیچ عیار نباشد کہ نہ نالاں کردی
ہر کہ در مجمرت اُفتاد تو بریاں کردی ؂ ہر کہ آمد برِ تو شاد تو گریاں کردی
تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم ؂ اے جنوں گردِ تو گردم کہ چہ احسان کردی
اے تپِ عشق بایزد کہ بدیں خونخواری ؂ کافر استی مگرم مردِ مسلماں کردی[1]

(درِّثمین صفحہ ۲۱۷)

حضرت اقدس نے ان مطالب کو دوسری جگہوں میں بھی مختلف رنگوں میں بیان فرمایا ہے۔
مثلاً "ایں جنس تو ارزاں کردی" کے متعلق دیکھئے:

کس بہر کسے سر ندہد، جان نفشانَد ؂ عشق است کہ بر آتشِ سوزاں بنشاند
عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند ؂ عشق است کہ بر خاکِ مذلّت غلطاند[2]

(درِّثمین صفحہ ۲۲۵)

"اے تپِ عشق" کے متعلق فرمایا:

---

[1]: کوئی شخص کسی کے لئے ثابت قدمی اور وفاداری سے جان نہیں دیتا۔ سچ ہے کہ تُو نے اس جنس کو سستا کر دیا ہے۔ تجھ پر شوخی، چالاکی، ناز سب ختم ہیں۔ کوئی چالاک ایسا نہیں جسے تُو نے نہ رلایا ہو۔ جو کوئی تیری بھٹی میں گرا تُو نے اُسے بھون ڈالا، اور جو کوئی تیرے پاس خوش خوش آیا تُو نے اُسے رُلا کے چھوڑا۔ مَیں جب تک دیوانہ نہ بنا میرے ہوش ٹھکانے نہ ہُوئے۔ اے جنونِ عشق مَیں تجھ پر قربان تُو نے کتنا احسان کیا۔
اے تپِ عشق قسم بخدا تُو نے ایسا خونخوار کافر ہوتے ہوئے مجھے مسلمان بنا دیا۔

[2]: یہ عشق ہی ہے جو ذلّت کی خاک پر لوٹاتا ہے، یہ عشق ہی ہے جو جلتی آگ پر بٹھاتا ہے۔ کوئی کسی کے لئے نہ سر دیتا ہے، نہ جان چھڑکتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو یہ کام پورے خلوص سے کرواتا ہے۔

مرا نہ زُہد و عبادت، نہ خدمت کارے است ؛ ہمیں مرا است، کہ جانم رہینِ دلدارے است
چہ لذّت است بِرُویش کہ جان فِدایش باد ؛ چہ راحتے است بکُویش اگرچہ خُوں بارے است [۱]
دوائے عشق نخواہم کہ آں ہلاکتِ ما است ؛ شِفائے ما بہ ہمیں رنج و درد آزارے است [۲]

(درِّثمین ص۲۲۳)

ایک اور جگہ مظاہرِ قدرت کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل ٹھہراتے ہوئے فرماتے ہیں :–

حمد و شکر آں خُدائے کردگار ؛ کز وُجُودش ہر وجودے آشکار
ایں جہاں، آئینہ دارِ رُوئے اُو ؛ ذرّہ ذرّہ رہ نماید سوئے او
کرد در آئینۂ ارض و سما ؛ آں رُخِ بے مثل خود، جلوہ نما
ہر گیاہے عارفِ بُن گاہِ اُو ؛ دستِ ہر شاخے، نماید راہِ اُو
نُورِ مہر و مہ، زِ فیضِ نُورِ اُوست ؛ ہر ظُہُورے، تابعِ منشورِ اُوست
ہر سَرے سِرّے زِ خلوت گاہِ اُو ؛ ہر قدم جوید، درِ باجاہِ اُو
مطلبِ ہر دل جمالِ رُوئے اُوست ؛ گُمرہے گر ہست، ہم کوئے اُوست
مہر و ماہ و انجم و خاک آفرید ؛ صد ہزاراں کرد، صنعت ہا پدید
ایں ہمہ صَنعَش کتابِ کارِ اُوست ؛ بے نہایت اندریں اَسرارِ اُوست
ایں کتابے، پیشِ چشمِ ما نہاد ؛ تا ازو راہِ ہُدیٰ، داریم یاد [۳]

(درِّثمین ص۱۵۰)

---

[۱]: میرے پاس نہ زہد ہے نہ عبادت نہ خدمت کا کوئی اور کارنامہ۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ میری جان کسی محبوب کی گرویدہ ہے اسکے چہرے میں کتنی لذت ہے، میری جان اس پر فدا ہو۔ اسکی گلی میں کتنی راحت ہے اگرچہ وہاں خون برستا ہے:

[۲]: میں عشق کا علاج نہیں چاہتا کیونکہ اس میں ہم عاشقوں کی برکت ہے، ہماری شفا اسی رنج، درد اور دُکھ میں ہے:

[۳]: ان اشعار کا ترجمہ آگے متن کے اندر ہی درج ہے:

ان اشعار کے حسن اور خوبیوں کے متعلق کیا کہا جائے، کیا نہ کہا جائے۔ حضرت اقدس نے تو اپنا کلیجہ نکال کر کاغذ پر رکھ دیا ہے، کلیجہ بھی ایسا جو عشقِ الٰہی سے سرشار اور رموزِ معرفت کا رازداں ہے۔ ان اشعار کی فصاحت و بلاغت دیکھئے۔ مگر خدارا فصاحت و بلاغت کے اصطلاحی فنون کی تلاش میں نہ لگ جائیے، کہ یہاں کیسا استعارہ ہے۔ اور وہاں کون کون سے صنائع بدائع ہیں۔ سب کچھ ہے، مگر اس طرف توجہ کرنے سے اصل مطالب نظر انداز ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا فصاحت و بلاغت کے حقیقی معنوں کے ماتحت ان اشعار پر غور فرمائیے۔ کیسی صفائی ہے۔ (سلاست) کیسی وضاحت ہے (فصاحت)۔ کس طرح دل میں اترے جاتے ہیں۔ (بلاغت) ہر شعر ایک بے داغ ہیرا ہے۔ ایک چمکتا ہوا موتی ہے۔ غرض نظم کیا ہے، معانی کا ایک دریا ہے، جو تیزی سے بہتا چلا جا رہا ہے۔ فرمایا:۔

(۱) اس پروردگار عالم، کرنی ہار خدا کی تعریف اور شکر ہے جس کے وجود سے باقی سب وجود ظاہر ہوئے (۲) یہ جہاں اس کے رُخِ مبارک کے آگے گویا خادم کی طرح آئینہ لئے کھڑا ہے۔ بلکہ ذرہ ذرہ (اپنی ذات کے عجائبات کے ذریعہ) اس کی رہنمائی کر رہا ہے (۳) وہ زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنے بے مثل چہرے کے جلوے دکھا رہا ہے (۴) گھاس کا ہر تنکا اس کی بارگاہ سے متعارف کراتا ہے۔ اور درختوں کی ہر شاخ (ہاتھ کی مانند) اسی کی راہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ (۵) سورج اور چاند کی روشنی اُسی کے نور کی مرہونِ منت ہے اور ہر چیز کا ظہور اسی کے فرمان کے ماتحت ہے (۶) ہر سر اس کی بارگاہ یکتائی کا ایک ناقابل فہم اعجوبہ ہے۔ ہر قدم اسی کے باعظمت دروازہ کی تلاش میں لگا ہوا ہے (۷) ہر شخص کی دلی مراد اسی کے چہرہ کے جمال کا دیدار ہے اور اگر کوئی شخص راستہ بھول گیا ہے تو اسی کی گلی ڈھونڈتا ہوا بھولا ہے (۸) اسی نے سورج، چاند، ستاروں اور زمین کو پیدا کیا اور دوسری لاکھوں کاریگریاں ظاہر کیں (۹) یہ سب دستکاری اُسی کے کاموں کی کھلی کتاب ہے جس میں بے انت بھید ہیں (۱۰) اس نے یہ کتاب اسلئے ہماری آنکھوں کے سامنے رکھی ہے تا ہم اس کے ذریعہ اس تک پہنچنے کا راستہ یاد کرلیں:

ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے حضرت اقدس کی والہیت اور شیفتگی ملاحظہ فرمائیے : ؎

سخن نزدم مراں، از شہر یارے ❊ کہ ہستم بر درے اُمّید وارے
خُداوندے کہ جاں بخشِ جہان است ❊ بدیع و خالق و پروردگارے
کریم و قادر و مشکل کشائے ❊ رحیم و محُسن و حاجت برارے
فتادم بردرش، زیراکہ گویند ❊ برآید در جہان کارے زکارے
چو آں یارِ وفادار آیدم یاد ❊ فراموشم شوَد، ہر خویش و یارے
بغیر او چساں بندم دلِ خویش ❊ کہ بے رُویش نمے آید قرارے
دِلم در سینۂ ریشم مجوئید ❊ کہ بستیمش بدامانِ نگارے
دلِ من دِلبرے را، تخت گاہے ❊ سرِ من در رہِ یارے نثارے
چہ گویم فضلِ او بر من چگون است ❊ کہ فضلِ اوست ناپید اکنارے
عنایت ہائے او را، چوں شمارم ❊ کہ لُطفِ اوست بیرون از شمارے[1]

---

[1] ترجمہ :- میرے سامنے کسی بادشاہ کا ذکر مت کرو، کیونکہ مَیں تو کسی اور ہی دروازہ پر امیدوار ہوں (یعنی اس) آقا کے دروازہ پر) جو دنیا کو زندگی بخشنے والا (ہر چیز کا) موجد اور خالق اور (ان سب کی) پرورش کرنے والا ہے۔ وہ کریم ہے، قادر ہے، مشکل کشا ہے۔ رحیم، محسن اور (سب کی) ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ مَیں اُس کے در پر اس لئے آپڑا ہوں۔ کہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں ایک کام سے دوسرا کام نکل آتا ہے۔ جب وہ باوفا محبُوب مجھے یاد آتا ہے۔ تو دوسرے سب رشتہ دار اور دوست مجھے بھول جاتے ہیں۔ مَیں اُس کے بغیر کس سے دل لگاؤں کہ اس کا چہرہ دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا۔ میرے دل کو میرے زخمی سینہ میں مت تلاش کرو، کیونکہ ہم نے اسے ایک محبُوب کے دامن سے باندھ دیا ہے۔ میرا دل اپنے محبوب کا تخت ہے۔ اور سر اس یار کی راہ میں قربان ہے۔ مَیں کیا بتاؤں کہ اس کا فضل مجھ پر کس کس طرح ہے، کیونکہ اس کا فضل تو ایک ناپید اکنار دریا ہے۔ اس کی شفقتوں کو کس طرح گِنوں، کیونکہ اس کی نوازشات تو حدِّ شمار سے باہر ہیں ❊

مرا کاریست، باآں دِلستانے ؛ ندارد کس خبر زاں کاروبارے
بنالم بر درش، زاں ساں کہ نالد ؛ بوقتِ وضعِ حملے، باردارے
مرا باعشقِ اُو، وقتے ست معمور ؛ چہ خوش وقتے، چہ خُرّم روزگارے
ثنا ہا گویمت، اَے گلشنِ یار! ؛ کہ فارغ کردی از باغ و بہارے[1]

(درِّثمین صفحہ ۲۴۳،۲۴۲)

غرض کہاں تک اس درِّثمین سے عشقِ الٰہی کے بیان کے پھولوں کے ہار پیش کئے جائیں جو حضرت اقدس نے موتیوں اور جواہرات جیسے اشعار سے پروئے ہیں اور وہ سب اپنی خوبصورتی اور دلکشی میں بھی اتنے لاثانی ہیں کہ انتخاب کرنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ کِس کو لے اور کِس کو چھوڑے ؛

---

[1]: ترجمہ: اس دلربا سے میرا معاملہ ایسا ہے کہ کسی کو اس کاروبار سے واقفیت پیدا کرنا ممکن نہیں۔ مَیں اس کے دَر پر اس طرح روتا ہوں، جس طرح بچہ جننے کے وقت کوئی حاملہ عورت روتی ہے، میرا وقت اسی کے عشق سے پُر ہے، کیا اچھا وقت ہے، کیسی شادمانی کا زمانہ ہے۔ اے باغ و بہارِ محبوب مَیں تیری ہی ثنا کرتا رہتا ہوں، کیونکہ تُو نے مجھے ہر دوسرے باغ و بہار سے بے نیاز کر دیا ہے ؛

محبّتِ رسُولِ مقبُول صلّی اللہ علیہ وسلّم

حمد باری تعالیٰ کی طرح حضرت اقدس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں بھی انتہائی انہماک تھا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے، کسی امر کا بیان ہو، کسی چیز کا ذکر ہو، آپ اس کا رُخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر لیتے تھے۔ گویا خدا اور رسول کے علاوہ اور کوئی چیز قابلِ ذکر نہیں۔ سچ ہے جس شخص کے دل میں کسی کی محبت نے گھر کر لیا ہو، وہ کسی وقت بھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت اقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الگ خالص نعتیں بھی لکھی ہیں اور دوسرے مضامین کے درمیان بھی بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لائے اور ایسے خوبصورت اور لذت بھرے الفاظ میں اپنے محبوب کا ذکر کرتے ہیں کہ قاری کا دل بے اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

نعت کا ایک اقتباس اُوپر گذر چکا ہے۔ اب مزید جواہر پارے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ذات باری تعالیٰ کے عاشقوں پر اللہ تعالیٰ کی لا انتہا عنایات کا ذکر کرتے ہُوئے فرماتے ہیں:۔

آں شہِ عالم کہ نامش مُصطفےٰ[۱] ۞ سیّدِ عشاقِ حق شمس الضحیٰ
آنکہ ہر نُورے طفیلِ نورِ اوست ۞ آنکہ منظورِ خدا منظورِ اوست
آنکہ بحرِ زندگی آبِ رواں ۞ در معارف ہمچو بحرِ بیکراں[۱]

---

[۱] ترجمہ:۔ وہ جو دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے جس کا نام مصطفےٰ ہے، جو عاشقانِ الٰہی کا سردار ہے۔ اور دوپہر کا سورج ہے۔ وہ جس کے نور کے طفیل باقی سب نُور ہیں۔ وہ جس کو جو کچھ منظور ہو وہی خدا کو بھی منظور ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے لئے ایک جاری چشمہ ہے اور معرفت کے بھیدوں کا ناپیدا کنار سمندر ہے ۞

آں کہ برصدق وکمالش درجہاں ؞ صد دلیل و حجّتِ روشن عیاں
آنکہ انوارِ خدا بر روئے اُو ؞ مظہرِ کارِ خدائی کوئے اُو
آنکہ جملہ انبیاء و راستاں ؞ خادمانش ہمچو خاکِ آستاں
آنکہ مِہرش مے رَسانَد تا سَما ؞ مے کُنَد چُوں ماہِ تاباں در صفا
مے دِہَد فرعونیاں را ہر زماں ؞ چُوں یدِ بیضائے مُوسیٰؑ صد نشاں[1] (درثمین ص۱۳۰)

اس کے بعد اس نظم میں حضرت اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مخالفین تیرہ دل کے ایک اعتراض کے ردّ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ (دیکھئے ص۱ ہذا)۔

۲ ۔ جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است ؞ خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش ؞ در ہر مکان ندائے جلالِ محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم ؞ یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است
ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدیؐ ست ؞ ویں آبِ من ز آبِ زُلالِ محمدؐ است[2] (درثمین ص۸۹)

---

[1] ترجمہ:۔ وہ جس کی سچائی اور کمال پر دنیا میں سینکڑوں روشن دلائل اور شواہد موجود ہیں۔ وہ جس کے مُنہ پر خدائی انوار برستے ہیں جس کا کوچہ نشاناتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ وہ کہ تمام نبی اور راست باز خاکِ در کی طرح اس کے خادم ہیں۔ وہ جس کی محبت آسمان پر پہنچا دیتی ہے اور صفائی میں چمکتے چاند کی مانند بنا دیتی ہے۔ وہ نبی فرعونی سیرت لوگوں کو ہر وقت مُوسیٰؑ کے یدِ بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہے ؞

[2] : میری جان اور دل محمدؐ کے جمال پر فدا ہیں۔ میرا یہ خاکی جسم آلِ محمدؐ کے کوچہ پر قربان ہے، مَیں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سُنا، ہر جگہ محمدؐ کے جلال کا شہرہ ہے (معارف کا) یہ چشمہ رواں جو مَیں خلق خدا کو پیش کرتا ہوں، یہ محمدؐ کے کمالات کے سمندر میں سے محض ایک قطرہ ہے۔ میری یہ آگ محمدؐ کے ہی عشق (الٰہی) کی آگ (کا پرتو) ہے، میرا یہ پانی (زندگی بخش تعلیم) محمدؐ کا ہی مصفّا پانی ہے ؞

۳ - ایک اور لمبی نعت ہے جس کے پہلے دس شعر یہ ہیں :-

چوں زِمن آید، ثنائے سَرورِ عالی تبار ❊ عاجز از مدحش، زمین و آسمان ہر دو دار
آں مقامِ قُرب کُو دارد، بدلدارِ قدیم ❊ کس نداند شانِ آں، از واصلانِ کردگار
آں عنایت ہا کہ، محبوبِ اَزل دارد بدُو ❊ کس بخوابے ہم ندیدہ مثلِ آں اندر دیار
سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں ❊ آنکہ رُوحش کرد طے، ہر منزلِ وصلِ نگار
آں مبارک پے کہ آمد ذاتِ باآیاتِ اُو ❊ رحمتے زاں ذاتِ عالم پرور و پروردگار
آنکہ دارد قُربِ خاص اندر جنابِ پاکِ حق ❊ آنکہ شانِ اُو نفہمد، کس زِ خاصان و کبار
احمدِ آخر زماں، کُو اوّلیں را جائے فخر ❊ آخریں را مُقتدا و ملجأ و کہف و حصار
ہست درگاہِ بزرگش، کشتیٔ عالم پناہ ❊ کس نگردد روزِ محشر، جز بپناہش رستگار
از ہمہ چیزے فزُوں تر، در ہمہ نوعِ کمال ❊ آسماں ہا پیشِ اَوجِ ہمتِ اُو ذرّہ وار
مظہرِ نُورے کہ پنہاں بُود، از عہدِ اَزل ❊ مطلعِ شمسے کہ بُود از ابتدا، در استتار[1] (درثمین صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳)

---

[1] ترجمہ :- مجھ سے اس عالی خاندان سردار کی ثنا کیسے بیان ہو سکے، جس کی مدح سے زمین و آسمان بلکہ دونوں جہان عاجز ہیں۔ قُرب کا وہ مقام جو اسے محبوبِ ازلی کے ہاں حاصل ہے اسکی شان کو خُدا رسیدہ لوگوں میں سے بھی کوئی نہیں جانتا، وہ مہربانیاں جو محبوبِ ازلی اس پر کرتا رہتا ہے، وہ کسی نے کسی ملک میں بھی خواب میں بھی نہیں دیکھیں۔ وہ خُدا تعالیٰ کے برگزیدوں کا سردار ہے اور عاشقانِ الٰہی کی جماعت کا بادشاہ ہے، جس کی رُوح نے محبُوب کے وصل کے ہر درجہ کو طے کر لیا ہے وہ مبارک قوم جس کی ذات والا صفات اس ربّ العالمین پروردگار کی طرف سے رحمت بن کر نازل ہُوئی۔ وہ جسے بارگاہِ الٰہی میں خاص قرب حاصل ہے۔ وہ جس کی شان کو کوئی خواص اور بزرگ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ احمد آخر زماں ہے جو پہلوں کے لئے فخر کی جگہ اور پچھلوں کے لئے پیشوا مقام پناہ جائے حفاظت اور قلعہ ہے۔ اسکی عالی بارگاہ سارے جہان کو پناہ دینے والی کشتی ہے، حشر کے دن کوئی بھی اس کی پناہ میں آئے بغیر نجات نہیں پائیگا۔ وہ ہر قسم کے کمالات میں سب سے بڑھا ہوُا ہے، اسکی ہمت کی بلندی کے آگے آسمان بھی ایک ذرہ کی طرح ہیں۔ وہ اس نور کا مظہر ہے جو روزِ ازل سے مخفی تھا اور اس سورج کے نکلنے کی جگہ ہے جو ابتدا سے ہی پوشیدہ تھا ❊

۴۔ ایک اور نعت دیکھئے :؎

شانِ احمد را کہ داند، جُز خداوندِ کریم ❊ آنچناں، از خود جُدا شُد، کز میاں اُفتاد میم

زاں نمط شد محوِ دلبر، کز کمالِ اتّحاد ❊ پیکرِ اُو شُد سراسر، صُورتِ ربِّ رحیم

بُوئے محبوبِ حقیقی مے دَمد زاں روئے پاک ❊ ذاتِ حقّانی صفاتش، مظہرِ ذاتِ قدیم

گرچہ منسُوبم کُند کس، سُوئے الحاد و ضَلال ❊ چُوں دلِ احمدؐ نمے بینم، دِگر عرشِ عظیم

منّتِ ایزد را، کہ من بر رغمِ اہلِ روزگار ❊ صَد بلا را میخرم، از ذوقِ آں عینُ النعیم

از عنایاتِ خُداو ز فضلِ آں دادارِ پاک ❊ دُشمنِ فرعونیانم، بہرِ عشقِ آں کلیم

آں مقام و رُتبتِ خاصَش کہ بر من شد عیاں ❊ گُفتمے، گر دیدمے طبعے دریں راہے سلیم

در رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رَوَد ❊ ایں تمنّا، ایں دُعا، ایں دَر دِلَم عزمِ صمیم[1]

(درثمین صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲)

۵۔ بار بار محبُوب کا نام لینے سے جو لذّت اور سرور حاصل ہوتا ہے اسکی کیفیّت وہی جان سکتا ہے جو کسی کی نگاہ ناز کا کشتہ ہو، دیکھئے حضرت اقدس اپنے اس ذوق کی تسکین کے لئے اس طریق پر بھی رسُولِ مقبولؐ

---

[1]:۔ احمدؐ کی شان کو خداوند کریم کے بغیر کون جان سکتا ہے۔ آپ خودی سے اس طرح الگ ہوگئے جس طرح (آپکے نام احمد کے) درمیان سے میم گر گیا ہے۔ آپ اپنے محبُوب میں اس طرح محو ہوگئے ہیں کہ کمال اتحاد کی وجہ سے آپکا سراپا ربِ رحیم کی صورت بن گئی ہے۔ آپکے چہرہ سے محبوبِ حقیقی کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ آپکی ذات حقّانی صفات کی حامل اور ذاتِ قدیم (اللہ تعالیٰ) کی مظہر ہے۔ خواہ کوئی مجھے الحاد اور گمراہی سے ہی منسوب کرے۔ مگر مجھے احمدؐ کے دل جیسا اور کوئی عظیم الشّان عرش کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ خُدا کا شکر ہے کہ میں دنیا والوں کے برخلاف اس سرچشمہ نعمت کی محبّت کی وجہ سے سینکڑوں بلائیں خرید لیتا ہوں۔ خدا کی عنایات اور اسی پاک صفات والی ذات کے فضل سے مَیں اس (خُدا سے ہمکلام ہستی کے عشق میں فرعونی لوگوں کا دشمن ہوں۔ اس کا وہ خاص مقام اور مرتبہ جو مجھ پر ظاہر ہوا ہے مَیں اُسے بیان کرتا اگر مجھے اس راہ کا کوئی سلیم فطرت شخص نظر آتا۔ محمدؐ کے عشق کی راہ میں میرا تن اور میری جان قربان ہو۔ میری یہی تمنّا، یہی دُعا اور میرے دل میں یہی پختہ عزم ہے ❊

کی شناکس والہیت سے بیان فرماتے ہیں :–

عجب نُوریست درجانِ محمدؐ ٭ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

زِظلمت ہا دِلے آنگہ شوَد صاف ٭ کہ گردد از مُحِبّانِ محمدؐ

عجب دارم دلِ آں ناکساں را ٭ کہ رُو تابند از خوانِ محمدؐ

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم ٭ کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ

خُدا زاں سینہ بیزارست صد بار ٭ کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ

خُدا خُود سوزد آں کرمِ دنی را ٭ کہ باشد از عُدوّانِ محمدؐ

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس ٭ بیا در ذَیلِ مستانِ محمدؐ

اگر خواہی کہ حق گویَد ثنایت ٭ بشو از دِل، ثنا خوانِ محمدؐ

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ٭ محمدؐ ہست بُرہانِ محمدؐ

سَرے دارم فِدائے خاکِ احمدؐ ٭ دِلم ہر وقت قُربانِ محمدؐ[1]

(دُرِّثمین ص۱۴۱، ۱۴۲)

[1] ترجمہ: محمدؐ کی رُوح میں ایک عجیب نُور ہے، محمدؐ کی کان میں ایک عجیب و غریب لعل ہے۔ دل اُسی وقت تاریکیوں سے نِکل سکتا ہے، جب محمدؐ کے محبّوں میں داخل ہو جائے۔ مجھے ان نالائقوں کے دلوں پر حیرانگی ہے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے منہ موڑ لیا۔ دونوں جہانوں میں مجھے کسی شخص کا علم نہیں جو حضرت محمدؐ جیسی شان و شوکت کا مالک ہو۔ خدا اس سینہ سے سخت بیزار ہے، جو محمدؐ سے کینہ رکھنے والوں میں شامل ہو۔ خدا خود اس ذلیل کیڑے کو جلا ڈالتا ہے، جو محمدؐ کے دشمنوں میں سے ہو۔ اگر تُو نفس کی بدمستیوں سے نجات چاہتا ہے تو محمدؐ کے مستانوں کے دامن تلے آجا۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ خُدا تیری تعریف کرے تو تہ دل سے محمدؐ کا ثنا خواں بن جا۔ اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے، تو اُس کا عاشق بن جا، محمدؐ خود اپنی دلیل آپ ہی ہیں۔ میرا سَر احمدؐ کی خاکِ پا پر فدا ہے، میرا دل ہر وقت محمدؐ پر قربان ہے ٭

نعت گوئی میں مولانا جامی کو بڑی شہرت حاصل ہے، انہوں نے بھی ایک ترجیع بند لکھا ہے جس کی ردی حضرت اقدس کی مذکورہ بالا نظم کی طرح لفظ محمدؐ ہے۔ اس ترجیع بند کے بھی دس ہی شعر نیچے نقل کئے جاتے ہیں تا ان کے تقابل سے حضرت اقدس کے کلام کی عظمت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے:

مار معین چیست خاک پای محمدؐ ÷ حبل متین ربقہ ولای محمدؐ

خلقت عالم برای نوع بشر شد ÷ خلقت نوع بشر برای محمدؐ

سواہ ہمہ قدسیان جبین ارادت ÷ بر تہ نعلین عرش سای محمدؐ

عروۂ وثقی بس است دین ودول را ÷ ریشہ ای زگوشۂ ردای محمدؐ

جان گرامی دریغ نیست زعشقش ÷ جان من وصد چو من فدای محمدؐ

جای محمدؐ درون خلوت جان ست ÷ نیست مرا دیگرے بجای محمدؐ

حد ثنایش بہ جز خدا کہ شناسد ÷ من کہ و اندیشۂ ثنای محمدؐ

لیس کلامی یفی بنعت کمالہ

صلّ الٰہی علی النّبیّ و آلہٖ [1]

---

[1] ترجمہ: (فیض کے) جاری پانی کا چشمہ کیا ہے، محمدؐ کے پاؤں کی خاک۔ محکم وسیلہ کیا ہے، محمدؐ کی دوستی کی رسّی کا حلقہ دنیا کی پیدائش بنی نوع انسان کے لئے ہوئی اور بنی نوع انسان کی پیدائش محمدؐ کی خاطر۔ تمام فرشتوں نے پورے خلوص سے اپنی عقیدت کی پیشانی محمدؐ کی جوتیوں کے تلے سے رگڑی، جن جوتیوں کی قدر و منزلت آسمان جیسی ہے۔ دین و دنیا کے لئے پختہ سہارا محمدؐ کی چادر کے گوشہ کا تار ہے۔ اس کے عشق میں عزیز جان (کی قربانی) بھی دریغ نہیں۔ میری جان اور میری جان جیسی سینکڑوں جانیں محمدؐ پر فدا ہوں۔ محمدؐ کا مقام جان کی گہرائیوں میں ہے۔ میرے لئے محمدؐ کے بغیر اور کوئی نہیں۔ خدا تعالیٰ کے سوا آپ کی ثنا کی انتہا کا علم کسے ہو سکتا ہے۔ میں کون اور محمدؐ کی ثنا کا خیال کیا! میرا کلام آپ کے کمال کی تعریف بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اس نبیؐ پر اور اس کی آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔

نورِ بقا آمد آفتابِ محمدؐ ؛ پردہ آں نور خاکؔ و آبِ محمدؐ
بست نقابی آب و خاک وگرنہ ؛ رتبہ امکاں نداشت تابِ محمدؐ [1]

(دیوانِ کامل صفحہ ۹۵)

ان اقتباسات سے عیاں ہے کہ حضرت اقدس نے رسولِ کریمؐ کی بے شمار خوبیوں میں سے جنہیں بیان کرتے آپ کبھی نہیں تھکتے۔ جن خوبیوں کو سب سے زیادہ اجاگر کیا ہے۔ وہ ہیں :۔
(۱) ذات باری تعالیٰ سے آنحضرتؐ کا عشق (۲) آنحضرتؐ سے اللہ تعالیٰ کی محبت۔
(۳) آپؐ پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش (۴) اس فضلوں کی بارش سے آپؐ کا بنی نوع انسان کو متمتع کرنا۔ ان سے بڑھ کر کوئی اور کمال انسان کے لئے متصور نہیں ہو سکتا۔
چنانچہ دوسرے محاسن کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعودؑ ان بلند ترین محاسن کو ہمیشہ دہراتے رہے۔

اچھی طرح غور فرمائیے۔ ذات باری تعالیٰ کو سرور کائنات سے جو اعلیٰ درجہ کی الفت ہے۔ ہمارا تخیّل بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اس نبی اُمّی فداہ روحی کو خداوندِ عالم سے جو عشق ہے، اسے بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔ اس دو طرفہ تعلق محبّت کی بنا پر اس ارحم الراحمین کی طرف سے آپؐ پر فضلوں کی جو بارش ہُوئی وہ حد بیان سے باہر ہے۔ پھر اس رحمۃٌ للعالمین ہستی فضلوں کی اس بارش کو جس طرح بنی نوع انسان کے لئے وقف رکھا، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ گویا خدا اور انسان کے درمیان برکات کی آمد کے لئے ایک پُل بنا ہُوا ہے۔ یا یوں کہئے کہ الٰہی رحمتوں کی ایک کشادہ نہر ہے، جو آسمان سے آپ کی وساطت سے زمین تک پہنچتی ہے۔ یہ حقائق ہیں جو بار بار

---

[1] ترجمہ: محمدؐ کی سورج جیسی ہستی مستقل نُور بن کر آئی۔ اور محمدؐ کا پانی اور مٹی (وجود مطہر) اس نور کا پردہ ہے۔ آپؐ نے پانی اور مٹی کا نقاب اوڑھا ہُوا ہے، ورنہ آپؐ کی چمک وجود اختیار کرنے کے امکان سے بہت بڑھ کر تھی۔

بیان کئے جانے کے لائق ہیں اور جنہیں حضرت اقدس نے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

بے شک بعض دوسرے بزرگوں[1] نے بھی اس دریائے فیض کا ذکر کیا ہے لیکن خُدا اور رسول کی باہمی محبت کا ذکر جس جوش اور تواتر سے حضرت اقدس نے کیا ہے ویسا بیان اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ کسی کسی جگہ اس طرف اشارے ملتے ہیں تفصیلی بیان کہیں نہیں۔ اور حضرت اقدس نے اس دو طرفہ محبت کا بیان بھی ایسے پیارے الفاظ میں کیا ہے کہ روح وجد کر اٹھتی ہے اور یہ ذکر صرف فارسی کلام میں ہی نہیں اُردو اور عربی کلام میں بھی اسی طرح موجود ہے اور نثر میں تو اس کثرت سے اور اتنے وسیع پیمانہ پر کیا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ اس اکمل ترین انسان خاتم النبییّن محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اکمل ترین حامد ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ ؛

○

---

[1] : محامد رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان بزرگوں کے کلام اور حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کے جو امتیازی پہلو ہیں ان کی تفصیل صنؔ تا ص۲۲ؔ پر ملاحظہ فرمائیے ؛

دیگر انبیاء علیہم السّلام

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ دوسرے انبیاء پر ایمان لانا بھی لازم ہے۔ اس لئے حضرت اقدس نے اپنے کلام میں کئی جگہ ان کی مدح بھی بیان فرمائی ہے۔ ایک جگہ نعت نبیؐ بیان فرماتے ہوئے آپ نے دوسرے انبیاء کے ذکر کی طرف یوں گریز فرمایا: ؎

اَے خُدا برِ وَے سلامِ ما رساں ❊ ہم برادرانش زِ ہر پیغمبرے
ہر رسولے آفتابِ صدق بود ❊ ہر رسولے، بُود مہرِ انورے
ہر رسولے بُود ظِلّے دیں پناہ ❊ ہر رسولے بُود باغے مُثمرے
گر بدُنیا نامدے ایں خَیلِ پاک ❊ کارِ دیں ماندے سراسر ابترے
ہر کہ شکرِ بعثِ شاں، نارد بجا ❊ ہست اُو آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند ❊ مُتحِد در ذات واصل و گوہرے
اُمتے ہرگز نبودہ در جہاں ❊ کاندراں نامد، بوقتے مُنذِرے [1]

---

[1] ترجمہ:۔ اے خدا ہمارا سلام اس (رسول مقبولؐ) تک پہنچا دے، اور اس کے بھائیوں ہر ایک پیغمبر کو بھی۔ ہر رسول سچائی کا سورج تھا۔ ہر رسول ایک نہایت روشن آفتاب تھا۔ ہر رسول دین کی پناہ دینے والا سایہ تھا۔ ہر رسول ایک پھلدار باغ تھا۔ اگر یہ پاک جماعت دُنیا میں نہ آتی تو دین کا کام بالکل پراگندہ رہتا۔ جو شخص انکی بعثت کا شکر بجا نہیں لاتا، وہ حق تعالٰی کی نعمتوں کا منکر ہے۔ وہ سب ایک سیپی سے (پیدا ہوئے ہُوئے) سینکڑوں موتی ہیں۔ ذات، اصلیت اور حقیقت میں برابر ہیں۔ دُنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں گزری جس میں کسی نہ کسی وقت کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہ آیا ہو۔

اوّل آدم، آخرِ شاں احمدؐ است ٭ اے خنک آنکس کہ بیند آخرے
اَنبیا روشن گہُر ہستند، لیک ٭ ہست احمدؐ، زاں ہمہ روشن ترے
آں ہمہ، کانِ مَعارِف بُودہ اند ٭ ہر یکے، از راہِ مَولیٰ مُخبرے[1]

(دُرِّثمین صفحہ ۲۱۲)

[1] ترجمہ: ان میں سے پہلا آدمؑ اور آخری احمدؐ ہے۔ کتنا مبارک ہے وہ جو آخری کو دیکھ پائے۔ تمام نبی چمکتے موتی ہیں، مگر احمدؐ ان سب سے زیادہ روشن ہے۔ وہ سب معرفت کی کان تھے۔ ہر ایک مولیٰ کی راہ بتانے والا تھا۔

قرآن مجید

خُدا اور رسولوں کے بعد اسلامی عقاید کا تیسرا رکن قرآن مجید ہے۔ اس کی تعریف میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کو ایک ایسا منفرد مقام حاصل ہے۔ جو اوّلین و آخرین میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہُوا۔ مثنوی مولانا روم کے متعلق کہا جاتا ہے :-

مثنویّ مولویّ معنوی ؎ ہست قرآن در زبان پہلوی[1]

بے شک اس مثنوی میں قرآن کریم کے بعض مطالب کی تشریح ضرور کی گئی ہے۔ لیکن آپ اس ضخیم ترین مثنوی کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھ جائیے۔ اس میں آپ کو قرآن کریم کی ظاہری یا باطنی خوبیوں کا ذکر کہیں نہیں ملے گا۔ سوائے حکیم سنائی کی حدیقة الحقیقة کے جس میں اس موضوع پر ایک الگ باب میں کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے بزرگوں کے فارسی کلام میں قرآن کریم کی عظمت کے متعلق صرف اشارے ملتے ہیں۔ لیکن بالاستیعاب پوری شرح وبسط کے ساتھ اس صحیفہ آسمانی کے محاسن کسی بزرگ شاعر نے بیان نہیں کئے۔

یہ سعادت صرف اور صرف حضرت مسیح موعودؑ کو نصیب ہوئی کہ آپ نے اس عروس معانی کے چہرۂ زیبا کو مختلف طریق پر مخلوق خدا کو دکھانے کی متواتر اور کامیاب کوشش کی۔ یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم جو نورالٰہی ہے اس کی روشنی پھیلانے کے لئے حضرت اقدس خود بھی مینارۂ نور بن گئے۔ اس بارہ میں حضرت اقدس کے فارسی کلام کے نمونے پیش کرنے سے پہلے حکیم سنائیؒ کے

---

[1] :- مولوئ معنوی (یعنی رازدار حقیقت) کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن مجید ہے :

کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ تا جس کا دل چاہے دیکھ لے کہ تأثر کے لحاظ سے بھی اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی حضرت اقدس کا کلام کہیں زیادہ فائق ہے حکیم سنائی رح فرماتے ہیں :؎

سخنش را لبس لطافت و ظرف ٭ صدمت صوت نی و زحمت حرف
صفتش را حدوث کی سنجد ٭ سخنش در حروف کی گنجد
وہم حیراں ز شکل صورت ہاش ٭ عقل والہ ز سرّ سورت ماش
مغز و نغز است حرف و سورت او ٭ دلبر و دلپذیر صورت او
زاں گرفتہ مقیم قوّت و قوت ٭ زادۂ ملک و داوۂ ملکوت
سرّ او بہر حلّ مشکلہا ٭ روح جانہا و راحت دلہا
دل مجروح را شفا قرآں ٭ دل پر درد را دوا قرآں
تو کلام خدای را بے شک ٭ گر نئی طوطی و حمار و اَشک
اصل ایمان و رکن تقوٰی دان ٭ کان یاقوت و گنج معنی دان
ہست قانون حکمت حکماء ٭ ہست معیار عادت علماء[1]

(حدیقۃ الحقیقہ ص ۱۷۱، ۱۷۲)

[1] ترجمہ: اس کے کلام میں بڑی پاکیزگی اور گہرائی ہے، نہ کہیں آواز میں کوئی ٹکراؤ ہے اور نہ حروف میں کوئی خرابی۔ اس کیلئے مخلوق ہونے کی صفت کیسے مناسب ہو سکتی ہے، اس کی بات حروف میں کیسے سما سکتی ہے۔ اس کے حروف کی بناوٹ سے وہم حیران ہے اور اس کی سورتوں کے اسرار پر عقل پریشان ہے۔ اس کے حروف اور سورتیں محکم بھی ہیں خوبصورت بھی اور اس کی صورت دلکش اور پسندیدہ ہے اس سے لوگوں کو قوت اور روزی حاصل ہوتی ہے۔ وہ فرشتوں کا پیدا کردہ اور پروردگار کا عطیہ ہے مشکلات کے حل کے لئے اس کے اسرار روح کی غذا اور دلوں کی راحت ہیں۔ زخمی دل کی شفا قرآن ہے۔ دکھی دلوں کی دوا قرآن ہے۔ اگر تو طوطا یا گدھا یا خچر نہیں ہے تو تو کلام خدا کو بلا شک و شبہ ایمان کی جڑ تقوٰی کا ستون، جواہرات کی کان اور معانی کا خزانہ سمجھ۔ وہ حکماء کی حکمت کا ضابطہ ہے۔ علماء کے دستور کا پیمانہ ہے ٭

اب حضرت اقدس کے رُوح پرور کلام کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیے :۔

۱۔ از نورِ پاک قرآں صُبحِ صفا دمیدہ ٭ بر غنچہ ہائے دِلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد ٭ وایں دلبری و خوبی، کس در قمر ندیدہ
یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا ٭ وایں یوسفے کہ تن ہا از چاہ برکشیدہ
از مشرقِ مَعانی، صَدہا دقائق آورد ٭ قدِّ ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ
کیفیّتِ عُلُومش، دانی، چہ شان دارد ٭ شہدیست آسمانی از وحیٔ حق چکیدہ
آں نیّرِ صداقت چوں رُو بہ عالم آورد ٭ ہر بُومِ شب پرستے در کُنجِ خود خزیدہ
رُوئے یقیں نہ بیند، ہرگز کسے بدُنیا ٭ اِلّا کسے کہ باشد، باروئیش آرمیدہ
آنکس کہ عالِمش شد، شُد مخزنِ مَعارِف ٭ وآں بے خبر زِ عالَم، کیں عالمے ندیدہ
بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او ٭ بد قسمت آنکہ از وَے سوئے دِگر دویدہ[۱]

---

[۱] ترجمہ :۔ قرآن پاک کے نُور سے روشن صبح طلوع ہوگئی۔ اور دلوں کے غنچوں پر بادِ صبا چلنے لگی۔ یہ روشنی اور چمک تو دوپہر کے سورج میں بھی نہیں، ایسی دلکشی اور خوبصورتی تو کسی نے چاند میں کبھی نہیں دیکھی۔ یوسف تو ایک کنوئیں کی تہ میں تنہا پڑا رہا تھا، یہ ایسا یوسف ہے جس نے تن ہا (بہت شخصوں) کو کنوئیں سے نکالا مطالب کے منبع سے سینکڑوں باریک نکتے نکال لایا۔ اسی نزاکت کی وجہ سے اس کا ہلال (ابتدائی راتوں کے چاند) جیسا نازک قد جھکا ہوا ہے کیا تجھے معلوم ہے کہ اس کے علوم کی شان کیسی ہے، وہ آسمانی شہد ہے جو وحی الٰہی سے ٹپکا ہے۔ جب اس سچائی کے سورج نے اس دنیا کا رُخ کیا تو رات کے پجاری تمام اُلّو اپنے کونوں میں جا گھسے۔ دنیا میں یقین کا مُنہ ہرگز نہیں دیکھ سکتا سوائے اسکے چہرہ (کا دیدار کرلینے کی وجہ) سے تسلّی پالے۔ جو کوئی اس کا عالم بن گیا وہ معرفت کا خزانہ بن گیا۔ لیکن جس نے اس کیفیت کو نہ پایا۔ وہ دنیا جہان سے بے خبر رہا۔ خدا کے فضلوں کی بارش اس کے آنے کے ساتھ ہی آگئی۔ بد قسمت ہے وہ جو اسے چھوڑ کر دوسری طرف بھاگ گیا ٭

مَیلِ بدی نباشد اِلّا رگے زِ شیطاں ؞ آں رابَشَر بِدانم، کزہر شرے رہیدہ
اَے کانِ دِلرُبائی، دانم کہ از کُجائی ؞ تو نُورِ آں خُدائی، کیں خَلق آفریدہ
میلم نماند باکس، محبُوبِ مَن تُوئی بس ؞ زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بمارسیدہ[۱]
(دُرِّثمین صفحہ ۴۵، ۴۶)

۲۔ ہست فرقانِ مبارک از خُدا طیّب شجر ؞ نو نہال و نیک بوءُ[۲] سایہ دارو، پُر زبَر
میوہ گر خواہی، بیا زیرِ درختِ میوہ دار ؞ گر خِرد مندی مُجُنباں بید را بہرِ ثمر
ور نیا یَد باوَرَت در وصفِ فرقانِ مجید ؞ حُسنِ آں شاہد بپُرس از شاہداں یا خود نگر
وآنکہ اُو نامَد پئے تحقیق و در کیں مبتلاست ؞ آدمی ہرگز نباشد، ہست اُو بَدتر زِ خَر[۳]
(دُرِّثمین صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷)

۳۔ ہیچ دَانی کلامِ رحماں چیست؟ ؞ واں کِہ، آں خورِ بیافت آں مہ کیست؟
آں کلامش، کہ نُورہا دارد ؞ شک و رَیب، از قلُوب بردارد
نُور در ذاتِ خویش و نُور دِہَد ؞ رگِ ہر شک و ہر گماں ببُرد[۴]

---

[۱] ترجمہ: بدی کا رُجحان شیطانی رگ ہی ہوتی ہے، مَیں اُسے بشر سمجھتا ہوں جو ہر شر سے نجات حاصل کرے۔ اے حسن کی کان مَیں جانتا ہوں کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ تو اس خدا کا نُور ہے جس نے یہ مخلوق پیدا کی ہے۔ مجھے کسی اور کی خواہش نہیں رہی۔ میرا محبُوب تو ہی ہے، کیونکہ تیری روشنی ہمیں اس فریاد کو پہنچنے والے سے ملی ہے۔

[۲]: بوء (بجائے بود) بموجب اغلاط نامہ مشمولہ براہین احمدیہ (ہر چہار حصص) طبع اوّل ؞

[۳] ترجمہ: یہ مبارک فرقان خدا کا بھیجا ہؤا ایک پاکیزہ درخت ہے نیا ترو تازہ پودا ہے، خوشبودار ہے، سایہ دیتا ہے اور پھلوں سے لدا ہوا ہے اگر تجھے میووں کی خواہش ہے تو کسی پھلدار درخت کے نیچے آ۔ اگر عقلمند ہے تو میوہ کی خاطر بید کے درخت کو مت ہلا۔ اگر تجھے قرآن کی خوبیوں پر یقین نہیں آتا۔ تو محبُوب کے حسن کو دیکھنے والوں سے پوچھ یا خود تحقیق کر لیکن جو شخص تحقیق کے لئے تو نہ آئے اور دشمنی میں لگا ہے تو وہ انسان نہیں کہلا سکتا وہ تو گدھے سے بھی بدتر ہے۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ کلامِ الٰہی کیا چیز ہے؟ اور جیسے وہ سورج علاوہ چاند کونسا ہے اس کا وہ کلام جو انوار سے بھرا ہؤا ہے دلوں سے ہر قسم کے شک اور وہم کو دُور کر دیتا ہے، وہ خود بھی نور ہے اور دوسروں کو بھی نور بخشتا ہے اور شبہ اور ظن کی جڑ کاٹ دیتا ہے ؞

دلِ کہ باشد گرفتۂ اَوہام ❊ یابد ازوَے، سکینت و آرام
ہمچو میخے، کہ ہست فولادی ❊ در دلِ آید، فزایدَت شادی
زو رَہد، عادتِ فساد و شِقاق ❊ چارۂ زہرِ نفس، چوں تریاق
کارہا میکنَد، بانسانے ❊ ہمچو بادِ صَبا، بہ بُستانے
مے کُشاید دو چشمِ اِنساں را ❊ مے نماید جمالِ رحماں را
درِ وَحیِ خُدا، چو گردد باز ❊ بستہ گردد، بر آدمی درِ آز
یک کَشِش، کارمے کُنَد بدرُون ❊ در دِل آید فرد، رُخِ بیچوں [1]
(درثمین صفحہ ۲۳۹، ۲۴۰)

۴۔ ہست فُرقاں آفتابِ عِلم ودیں ❊ تا بَرَندَت از گماں سُوئے یقیں
ہست فُرقاں از خُدا حَبلُ المتین ❊ تاکشندت سُوئے رَبُّ العالمین
ہست فُرقاں روزِ روشن، از خُدا ❊ تا دِہندَت روشنیٔ دِیدہ ہا [2]

---

[1] ترجمہ: وہ دل جو وہموں میں گرفتار ہو، وہ اس سے تسکین اور آرام پاتا ہے۔ایک فولادی میخ کی طرح دل میں گڑ جاتا ہے۔اور دل میں اُتر کر خوشدلی اور سرور کی ایزادی کا باعث بنتا ہے۔اس کی برکت سے فساد اور جھگڑے کی عادت دُور ہو جاتی ہے اور تریاق کی طرح نفس کے زہر کا علاج ہے، وہ انسان پر وہی کام (اثر پیدا) کرتا ہے جو بادِ صبا باغ پر کرتی ہے۔انسان کی دونوں آنکھوں کو کھول دیتا ہے۔اور خدائے رحمان کا جلوہ دکھاتا ہے۔جب خُدا کی وحی کا دروازہ کھلتا ہے تو انسان پر حرص کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ایک ہی کشش انسان کے اندرون میں ایسا اثر ڈالتی ہے کہ اس بے مثال محبوب (خُدا) کا چہرہ دل میں اتر جاتا ہے۔

[2] ترجمہ: قرآن مجید علم اور دین کا سورج ہے، تا تجھے شک سے چھڑا کر یقین کی طرف لے جائے۔قرآن مجید خُدا کی طرف سے ایک مضبوط رسّی ہے تا تجھے رب العالمین خدا کی طرف کھینچ کر لے جائے۔قرآن مجید خُدا کی طرف سے ایک روشن دن کی مانند ہے تا تجھے (روحانی) آنکھوں کی روشنی عطا کرے۔

حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال ⁂ تا رسی در حضرتِ قدس و جلال
داروئے شک است، الہامِ خدا ⁂ کاں نماید، قدرتِ تامِ خُدا
ہرکہ رُوئے خود ز فرقاں در کشید ⁂ جانِ اُو روئے یقین ہرگز ندید
جانِ خود را مے کُنی در خود روی ⁂ باز مے مانی، ہماں گول و غوی
کاش جانت، میلِ عرفاں داشتے ⁂ کاش سعیت، تخمِ حق را کاشتے[1]

(درثمین ص۴۷، ۴۸)

غرض کہاں تک اقتباسات پیش کئے جائیں۔ حضرت اقدس کو اس مقدس کتاب اور خُدا اور رسول سے ایسی الفت ہے کہ بار بار انہیں کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ان کا نام لینے سے جو نصرت ملتی ہے اس کے آگے باقی سب لذتیں ہیچ ہیں۔ آپ کو سُکھ ملتا ہے تو ان کی یاد سے، تسلّی ہوتی ہے تو ان کا نام لینے سے، سکون آتا ہے تو ان کی طرف دھیان جانے سے۔ راحت پہنچتی ہے تو ان کا ذکر کرنے سے۔ پھر ذکر ایسے بچے تلے الفاظ میں کرتے ہیں کہ کوئی فالتو لفظ زبان سے نہیں نکلتا۔ کلام میں کہیں جھول نہیں، بلاضرورت طول نہیں۔ عبارت ایسی جیسے موتیوں کی لڑیاں۔ اور اپنے ممدوحین کی جو صفات اور خوبیاں بیان کرتے ہیں وہ ٹھوس حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں۔ سچ ہے آپ کو فرضی اور بناوٹی خوبیاں زبان

---

[1] ترجمہ: خدا نے اس بے نظیر کلام کو اس لئے بھیجا ہے تا تو پاکیزگی اور عظمت والی بارگاہ میں پہنچ جائے۔ خدا کا کلام شبہات کا ایسا علاج ہے جو خدا کی کامل قدرت کو دکھاتا ہے۔ جس کسی نے قرآن سے رُوگردانی کی اس کا دل یقین کا منہ ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ تو اپنی روش پر اصرار کر کے اپنی جان کو ہلاک کر رہا ہے۔ مگر پھر بھی ویسے کا ویسا احمق اور نادان رہ جاتا ہے۔ کاش تیرے دل کو عرفان الٰہی کا شوق ہوتا۔ کاش تیری تمام جدوجہد سچائی کا بیج بونے میں لگی ہوتی ⁂

پر لانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ آپ کے ممدوحین میں اصلی اور حقیقی خوبیاں اتنی ہیں کہ
ابدالآباد تک بیان کرتے رہیں تو بھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ طرز بیان ایسا مؤثر کہ ہر بات دل میں
اترتی چلی جاتی ہے۔ غرض آپ کے کلام پر جہاں بھی نظر پڑتی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہی جگہ
سب سے زیادہ حسین اور دلکش ہے۔ جیسا کہ نظیریؔ نے کہا تھا کہ

زفرق تا قدمش ہر کجا کہ مے نگرم ؎ کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست[۱]

○

---

[۱]: اس (محبوب) کے سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں تک جہاں کہیں نظر ڈالتا ہوں (اسی جگہ کا) حسن دامن دل
کو کھینچتا ہے کہ (اصل دیکھنے کے لائق) جگہ یہی ہے ؎

ملائکہ، یوم آخرۃ اور قضا و قدر

اللہ تبارک و تعالیٰ، انبیاء علیہم السّلام اور کتب سماوی کے علاوہ ایمان کے تین رکن اور ہیں یعنی ملائکہ، یوم آخرۃ اور قضا و قدر۔ ان کے متعلق حضرت اقدس فرماتے ہیں :

۱۔ اقتدائے قول او در جان ماست ؎ ہر چہ زو ثابت شود ایمان ماست
از ملائک و از خبرہائے معاد ؎ ہر چہ گفت آں مرسل ربّ العباد
آں ہمہ از حضرت احدیت است ؎ منکر آں مستحقِ لعنت است [۱]

(درثمین صفحہ ۲۲۵)

"او" کی ضمیر رسول کریمؐ کی طرف راجع ہے جن کا ذکر ان اشعار سے پہلے ہے۔

۲۔ نیچریوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے نیچرِ شوخ، ایں چہ ایذا است ؎ از دست تو فتنہ ہر طرف خاست
آں کس کہ رہِ کجت، پسندیدہ ؎ دیگر نگزید جانب راست
لیکن چو زِ غور و فکر بینم ؎ از ماست، مصیبتے کہ بر ماست [۲]

---

[۱]: ۔اس رسول مقبول) کے ہر ارشاد کی پیروی ہمیں جان کی طرح عزیز ہے جو کچھ بھی آپ سے ثابت ہو وہ ہمارا ایمان ہے مثلاً" فرشتوں اور آخرت کے حالات کے متعلق جو کچھ بھی اس ربّ العٰلمین کے فرستادہ نے فرمایا ہے وہ سب خدائے واحد کی طرف سے ہے اور اسکا منکر لعنت کا مستحق ہے۔

[۲]: اے شوخ نیچر! کتنے دکھ کی بات ہے کہ تیرے ہاتھوں ہر طرف فتنے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ جس کسی نے تیرے ٹیڑھے رستہ کو پسند کر لیا پھر اس نے کبھی سیدھے راستہ کا رُخ نہ کیا۔ لیکن جب میں غور سے دیکھتا ہوں تو صاف معلوم ہوتا ہے یہ مصیبت جو ہم پر پڑی ہے ہمارے ہی ہاتھوں سے پڑی ہے۔

متروک شُدست درسِ فرقاں ÷ زاں روز، ہجوم ایں بلا ہاست
نیچر نہ باصلِ خویش بَد بُود ÷ دیں گم شُد و نورِ عقل کاست
ہر قطرہ نگوں شُدند یکبار ÷ رُو تافتہ، زاں طرف کہ دریاست
بر جنّت و حشر و نشر خندند ÷ کیں قِصّہ بعید از خرد ہاست
چُوں ذکرِ فرشتگاں بیاید ÷ گویند خلافِ عقلِ داناست
اَے سیّدِ سرگروہِ ایں قوم! ÷ ہشدار کہ پائے تو نہ برجاست
پیرانہ سَر، ایں چہ دَر سَر اُفتاد ÷ رَو، تَوبہ کُن، ایں نہ راہِ تقویٰ ست
تَرسَم کہ، بدیں قیاس، یکروز ÷ گوئی کہ، خدا خیالِ بیجاست
اَے خواجہ، بِرَو کہ فِکرِ انساں ÷ در کارِ خُدا، زِ نَوعِ سَوداست
آخر، زِ قیاس ہا چہ خیزد ÷ بنشیں، کہ نہ جائے شور و غوغاست
اے بندہ، بصیرت از خُدا خواہ ÷ اَسرارِ خُدا نہ خوانِ یغماست[1]

(درِّثمین ص۱۹۶، ۱۹۷)

---

[1] ترجمہ:- جس دن سے قرآن کا پڑھنا پڑھانا موقوف ہوا ہے اسی دن سے بلاؤں کا یہ ہجوم ہے۔ نیچر اپنی اصل کے لحاظ سے تو بُری نہ تھی لیکن جب دین گم ہوگیا تو عقل کی روشنی بھی کم ہوگئی، وہ یک لخت ایک قطرہ پہ ٹوٹ پڑے اور جس طرف دریا تھا ادھر سے مُنہ موڑ لیا۔ وہ جنّت اور حشر و نشر پہ ہنستے ہیں یہ قصہ عقل سے بعید ہے۔ جب فرشتوں کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں۔ یہ بات عقل دانا کے خلاف ہے۔ اے سیّد! اے اس قوم کے سردار! خبردار کہ تیرا قدم صحیح مقام پہ نہیں۔ تجھے بڑھاپے میں کیا سوجھی! جا تو توبہ کر یہ تقویٰ کا طریق نہیں۔ مَیں ڈرتا ہوں کہ ایسے ہی قیاسات کی بناء پر کسی دن یہ بھی کہہ دیگا کہ خُدا ایک وہم ہے۔ صاحب! ان باتوں کو چھوڑ دو، کیونکہ خدائی کاموں میں خیالی گھوڑے دوڑانا ایک قسم کا پاگل پن ہے۔ آخر قیاسات سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ (آرام سے) بیٹھو۔ یہ جگہ غل غپاڑہ مچانے کی نہیں۔ خدا کے بندے خُدا سے بصیرت مانگ۔ اللہ تعالیٰ کے اسرار خوانِ یغمٰی (عام لنگر) نہیں۔ (کہ جو شخص چاہے لُوٹ لے جائے) ÷

۳۔ نورِ مہر و ماہ ز فیضِ نورِ اوست ❊ ہر ظہورِ تابع منشورِ اوست[1]

(دُرِّثمین صـ۲۰۲)

۴۔ لاجرم طالبِ رضائے خُدا ❊ بگسلد از ہمہ برائے خُدا

شیوہ اش مے شود فدا گشتن ❊ بہرِ حق ہم زجاں جُدا گشتن

در رضائے خُدا شدن چوں خاک ❊ نیستی و فنا و استہلاک

دل نہادن در آنچہ مرضیٔ یار ❊ صبر زیرِ مجاریٔ اقدار[2]

(دُرِّثمین صـ۱۴)

---

[1] ترجمہ: چاند اور سورج کی روشنی اس کے نور کا فیضان ہے۔ ہر چیز کا ظہور اسی کے فرمان کے تحت ہوتا ہے۔

[2] ترجمہ: لاریب خُدا کی رضا کا طالب خُدا کی خاطر سب سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس کا شیوہ خدا کی راہ میں فدا ہونا اور خُدا کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کرنا ہوتا ہے۔ خدا کی خاطر خاکساری، نیستی، فنا اور ہلاکت اختیار کرنا۔ محبوب کی رضا میں محو رہنا اور قضاو قدر کی تلخیوں پر صبر کرنا ❊

دینِ اسلام

اب دینِ اسلام کی فضیلت کے متعلق حضرت اقدس کے کلام سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

۱۔ بہر مذہبے ، غور کردم بسے ٭ شُنیدم بدل ، حُجّتِ ہر کسے
بخواندم زِ ہر ملّتے، دفترے ٭ بدیدم ، زِ ہر قوم دانشورے
ہم از کودکی سُوئے ایں تاختم ٭ دریں شُغل، خود را بیَنداختم
جوانی ہمہ ، اندریں باختم ٭ دِل از غیرِ ایں کار پرداختم
بماندم دریں غم ، زمانِ دراز ٭ نخفتم زِ فکرش شبانِ دراز
نگہ درکردم، از رُوئے صِدق و سداد ٭ بہ ترسِ خداؤ بہ عدل و بہ داد
چو اسلام، دینے، قوی و متیں ٭ ندیدم ، کہ بر منبعش آفریں
چناں دارد ایں دیں صفا بیش بیش ٭ کہ حاسِد بہ بیند دَرُو رُوئے خویش

لہ ترجمہ : مَیں نے ہر مذہب پر غور کیا ہے ، اور ہر شخص کے دلائل توجہ سے سُنے ہیں ۔ مَیں نے ہر مذہب کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں ۔ اور ہر قوم کے کسی دانشور سے ملاقات کی ہے ۔ بچپن سے ہی مَیں نے اس بارہ میں پوری کوشش کی ہے ۔ اور اپنے تئیں اس کام میں ڈالے رکھا ۔ مَیں نے جوانی بھی سب اس میں لگا دی اور اس کے علاوہ باقی سب کاموں سے دل کو فارغ رکھا ۔ مَیں ایک لمبا عرصہ اسی غم میں مبتلا رہا ۔ اور اسی فکر میں طویل راتیں سو نہیں سکا ۔ مَیں نے حق اور راستی اور خوفِ خدا اور عدل و انصاف کے ساتھ خوب غور کیا ۔ لیکن مَیں نے اسلام جیسا ٹھوس مذہب اور کوئی نہیں دیکھا ۔ اس کے منبع پر آفرین ہو ۔ اس دین میں اتنی زیادہ صفائی ہے کہ حاسد اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیتا ہے ؛

نمایدازاں گونہ راہِ صفا ؛ کہ گردد بہ صدقش خرد رہنما
ہمہ حکمت آموزد و عقل و داد ؛ رہاندز ہر نوعِ جہل و فساد
ندارد دگر مثلِ خود، در بلاد ؛ خلافش طریقے، کہ مثلش مباد
اصولش کہ ہست آں مدارِ نجات ؛ چو خورشید تابد بعیدق و ثبات
اصولِ دگر کیش ہا، ہم عیاں ؛ نہ چیزے کہ پوشیدنش مے تواں
اگر نامسلماں خبر داشتے ؛ بجاں جنسِ اسلام نگذاشتے[1]

(درِ ثمین صہ ۳۴، ۳۵)

آپ اس اقتباس پر بھی اور دوسرے اقتباسات پر بھی اچھی طرح غور فرمائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت اقدس کا کلام پڑھتے وقت الفاظ بڑی آسانی کے ساتھ زبان سے ادا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں ذرا بھر بھی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ پھر الفاظ ایک دوسرے سے پوری طرح مربوط اور متوافق ہیں۔ گویا وہ ایسا دریا ہے جس کی برق رفتاری کے باوجود سطح بالکل ہموار رہتی ہے الفاظ میں کہیں معمولی سا بھی تنافر نہیں پایا جاتا۔ اس کو علم بلاغت میں روانی کہتے ہیں۔

۲۔ عیسائیوں نے روح القدس کو اپنی اقنوم ثلاثہ کا ایک فرد قرار دے رکھا ہے اور ان کا ادّعا یہ ہے کہ وہ ان کی مدد کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتا ہے۔ تثلیث کا ایک اور رکن حضرت مسیح ہیں جنہیں خدا کا بیٹا قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت اقدس اس بارہ میں فرماتے ہیں: ؎

---

[1] ترجمہ:۔ یہ دین اس طرح پاکیزگی کا راستہ دکھاتا ہے کہ عقل بھی اس کی سچائی پر گواہی دیتی ہے۔ یہ سراسر حکمت عقل اور انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ہر قسم کی جہالت اور خرابی سے بچاتا ہے۔ اس جیسا مذہب دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اس کے مخالف جو بھی طریقہ ہے خدا کرے وہ نابود ہو جائے۔ اس کے اصولوں پر مدارِ نجات ہیں وہ اپنی سچائی اور پختگی میں سورج کی طرح چمکتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے اصول بھی ظاہر ہیں۔ کوئی کوشش انہیں چھپا نہیں سکتی۔ اگر کسی غیر مسلم کو اسلام کی خوبیوں کا علم ہو جائے تو بخدا جان قربان کر کے بھی وہ اس دولت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

چوں گمانے کنم اینجا مدد روح قدس ٭ کہ مرا در دل شاں دیو نظر مے آید

ایں مددہاست دریں اسلام چو خورشید عیاں ٭ کہ بہر عصر مسیحائے دگر مے آید[1]

(درثمین، صـ۱۵۱)

یعنی عیسائیو! تمہارا تو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اگر سچ مچ روح القدس کی تائیدیں دیکھنا چاہو تو اسلام میں دیکھو کیونکہ اسلام میں مسیح کے مثیل ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۳۔ صادق آنست کہ بقلبِ سلیم ٭ گرد آں دیں کہ ہست پاک و قدیم

دینِ پاک ست ملّتِ اسلام ٭ از خدائیکہ ہست علمش تام

زیں کہ دیں از برائے آں باشد ٭ کہ ز باطل بحق کشاں باشد[2]

(درثمین، صـ۴۶)

۴۔ پھر حضرت اقدس نے ایک ہی شعر میں دین اسلام کی مکمل تعریف بیان فرما دی کہ:

بس ہمیں فخرے بود اسلام را ٭ کو نماید آں خدائے تام را[3]

غور فرمائیے! اس سے بڑھ کر کسی دین کی اور کیا تعریف ہو سکتی ہے ٭

---

[1] ترجمہ: مَیں یہاں (یعنی عیسائی مذہب میں) رُوح القدس کی مدد کا گمان بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے تو ان کے دل میں شیطان نظر آتا ہے۔ رُوح القدس کی یہ تائیدیں اسلام میں سورج کی طرح عیاں ہیں جہاں ہر دَور میں نیا مسیح جنم لیتا ہے ٭

[2] ترجمہ: راستباز وہ ہے جو خلوص نیت کے ساتھ اس دین کو اختیار کرتا ہے جو پاک اور قدیم ہے۔ پاک دین صرف اسلام کا مذہب ہے کیونکہ وہ اس خدا کی طرف سے ہے جس کا علم ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ کیونکہ دین کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان کو باطل سے کھینچ کر حق کی طرف لے جائے۔ (اور یہ صفت صرف اسلام میں ہے) ٭

[3] ترجمہ: اسلام کو یہی فخر کافی ہے، کہ وہ کامل خُدا کو پیش کرتا ہے ٭

وحی و الہام

حضرت اقدس نے اپنے پاکیزہ کلام میں وحی و الہام کے امکان پر بہت زور دیا ہے، کیونکہ اس زمانہ کی گمراہی اور بے دینی کا ایک بڑا سبب امکان الہام کا انکار ہے جس کی بنیاد کبر اور اپنی عقل پر ناز ہے اور یہ کبر اور عقل ہی انبیاء اور دوسرے مامورین الٰہی کو قبول کرنے میں روک بنتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت اقدس نے عقل کو ہی وحی و الہام کے لئے شاہد ناطق کے طور پر پیش کیا ہے اور منطقی دلائل کے ذریعہ بھی الہام کی ضرورت واضح فرمائی ہے کیونکہ اسلام اور وحی الٰہی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فرمایا:۔

؎ وحی و دین خداست چون توام ٭ یک چو گم شد دگر شود گم ہم[1]

(درثمین صفحہ ۳۵۸)

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد وحی و الہام کا ذکر کیا جائے۔ فرمایا: ؎

حاجت نورے بود ہر چشم را ٭ ایں چنیں اُفتاد قانونِ خُدا

چشمِ بینا بے خورِ تاباں کہ دید؟ ٭ کے چنیں چشمے خداوند آفرید؟

چوں تو خود قانونِ قدرت بشکنی ٭ پس چرا بر دیگراں سرمے زنی؟

---

[1] ترجمہ: وحی الٰہی اور دینِ خُدا دونوں جڑواں چیزیں ہیں۔ پس اگر ایک جاتی رہے، تو دوسری بھی گم ہو جائیگی۔

[2] ترجمہ: ہر آنکھ کو روشنی کی ضرورت رہتی ہے۔ خدائی قانون اسی طرح واقع ہؤا ہے۔ چمکنے سورج کے بغیر دیکھنے والی آنکھ کس نے دیکھی ہے؟ خُدا نے ایسی آنکھ کب بنائی ہے۔ جب تو خود ہی قانون قدرت کو توڑتا ہے، تو پھر دوسروں پر کیوں اعتراض کرتا ہے؟

آنکہ در ہر کار شد حاجت روا ÷ چوں رَوا داری کہ نبود رہنما
آنکہ اسپ و گاؤ و خر را آفرید ÷ تا رہد پُشتِ تو از بارِ شدید
چوں ترا حیراں گذارد در معاد ÷ اے عجب تو عاقل و ایں اعتقاد
چوں دو چشمت دادہ اند اے بیخبر ÷ پس چرا پوشی یکے وقتِ نظر؟
آنکہ زو ہر قدرتے گشتہ عیاں ÷ قدرتِ گفتار چوں ماندے نہاں
آنکہ شد ہر وصفِ پاکش جلوہ گر ÷ پس چرا ایں وصف ماندے مستتر؟
ہر کہ او غافل بود از یادِ دوست ÷ چارہ سازِ غفلتش پیغام اوست
تو عجب داری زہ پیغامِ خدائے ÷ ایں چہ عقل و فکر تست اے خود نما؟
لُطفِ او چوں خاکیاں را عشق داد ÷ عاشقاں را چوں بیفگندے زیاد
عشق چوں بخشید از لطفِ اتم ÷ چوں نہ بخشیدے دوائے آں الم؟
خود چو کرد از عشق خود دلہا کباب ÷ چوں نہ کردے از سر رحمت خطاب؟[۱]

---

[۱] ترجمہ : وہ خدا جو انسان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے تو تُو کس طرح جائز سمجھتا ہے کہ وہ (دین کے معاملہ میں) رہنمائی نہیں کرے گا۔ وہ جس نے گھوڑے، گائے، گدھے کو پیدا کیا، تا تیری پیٹھ کو سخت بوجھ سے نجات دے۔ وہ تجھے آخرت کے معاملہ میں کیوں پریشان چھوڑے گا۔ تعجب ہے کہ عقلمند ہوتے ہوئے تیرا یہ اعتقاد ہے۔ اے بیخبر جب تجھے دو آنکھیں دی گئی ہیں تو دیکھنے کے وقت ایک کو کیوں بند کر لیتا ہے۔ وہ ذات جس سے ہر قسم کی قدرت ظاہر ہوئی تو بولنے کی قوت کس طرح مخفی رہ سکتی تھی۔ وہ ہستی جس کی ہر پاک صفت ظاہر ہوگئی، اس کی یہ صفت کس طرح چھپی رہ سکتی تھی؟ ہر شخص جو دوست کی یاد سے غافل ہو، تو دوست کا پیغام ہی اس کی غفلت کا علاج ہوتا ہے تو خدا کے پیغام پر تعجب کرتا ہے۔ اے متکبر! تیری یہ عقل اور سمجھ کیسی ہے؟ اسکی مہربانی نے جب مٹی کے پُتلوں کو بھی عشق عطا کیا ہے وہ اپنے عاشقوں کو کس طرح فراموش کرتا۔ جب اس نے کمال مہربانی سے عشق کا درد عطا کیا ہے تو پھر اس درد کی دوا کیوں نہ عطا کرتا۔ جب اُس نے خود ہی اپنے عشق سے ہمارے دلوں کو کباب کیا ہے تو کمال مہربانی سے ہمیں مخاطب کیوں نہ کرتا۔

دل نیارامد بجز گفتارِ یار! ٭ گرچہ پیش دیدہ ہا باشد نگار
پس چو خود دلبر بود اندر حجاب ٭ کے تواں کردن صبوری از خطاب؟
لیک آں داند کہ او دلدادہ است ٭ در طریقِ عاشقی افتادہ است[1]

(درِّ ثمین صـ۱۵ تا ۵۳)

۲- دارُوئے دردِ دل، نہ فطنتِ ماست ٭ آں بدار الشفائے وحیٔ خداست
نشوَد عینِ زر، تصوّرِ زَر ٭ زر ہماں ست، کو فتَد بہ نظَر
ہست بر عقل منّتِ اِلہام ٭ کہ ازُو پُخت، ہر تصوّرِ خام
آں گماں بُرد و، ایں نمُود فراز ٭ آں نہاں گفت و، ایں کشُود آں راز
آں فرو ریخت، ایں بکف بسپُرد ٭ آں طمع داد و، ایں بجا آورد
آں کہ بشکست، ہرُبت دلِ ما ٭ ہست وحیٔ خدائے بے ہمتا
آں کہ مارا رُخِ نگار نمُود ٭ ہست اِلہامِ آں خدائے وَدُود[2]

---

[1] ترجمہ: محبوب سے گفتگو کرنے کے بغیر دل قرار نہیں پکڑتا۔ اگرچہ محبوب آنکھوں کے سامنے ہی ہو۔ پس جب محبوب خود پردے میں ہو تو پھر کلام کے بغیر صبر کس طرح آسکتا ہے۔ لیکن ان باتوں کو وہی جانتا ہے، جو دل ہار چکا ہو اور عاشقی کی راہ پر لگ گیا ہو۔

[2] ترجمہ: دردِ دل کی دوا ہماری عقل نہیں ہے، وہ تو وحی الٰہی کے شفاخانہ میں ہے۔ سونے کا تصوّر سونا نہیں بن جاتا۔ سونا وہی ہے، جو نظر میں جچ جائے۔ عقل پر الہام کا یہ احسان ہے کہ اس کی وجہ سے ہر ناقص تصوّر پختہ ہو گیا۔ اس نے تو محض خیال ظاہر کیا تھا۔ اور اس نے سامنے دکھا دیا۔ اس نے پوشیدہ بات کی تھی۔ اُس نے وہ بھید ہی کھول دیا۔ اس نے نیچے گرا دیا اور اُس نے ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اُس نے صرف اُمید دلائی تھی اُس نے پوری کر دی۔ وہ چیز جس نے ہمارے دل کے ہر بُت کو توڑ دیا ہے، وہ خدائے لاثانی کی وحی ہے۔ وہ جس نے ہمیں معشوق کا چہرہ دکھایا وہ اس بہت ہی پیار کرنے والے خُدا کا الہام ہے۔

آنکہ داد از یقینِ دِل جامے ❊ ہست گفتارِ آں دِلآرامے
وصلِ دلدار و مستی از جامش ❊ ہمہ حاصل شُدہ، ز الہامش
وصل آں یار، اصل ہر کامیست ❊ وانکہ زیں اصل غافل آں خامیست[1]

(در ثمین ص۱۲۳-۱۲۴)

الغرض حضرت اقدس کے کلام میں ایسے ایسے موتی ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے اور دل یہی چاہتا ہے۔ کہ یہ بھی لے لو، وہ بھی اٹھا لو۔ لیکن آخر کہاں تک؟ ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار ❊ گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد[2]

۳۔ سو وحی والہام کے متعلق صرف ایک اور اقتباس پیش کیا جاتا ہے :؎

کے شوی عاشقِ رُخِ یارے ❊ تا نہ بر دل رخش کند کارے
ہمچنیں زاں لبے دو گفتارے ❊ آں کند کارہا کہ دیدارے
لاجرم عشقِ دلبرِ خوش خو ❊ خیزد از گفتگو چو دیدن رو
گفتگو را کشش بود بسیار ❊ بے سخن کم اثر کند دیدار[3]

---

[1] ترجمہ: وہ جس نے دلی یقین کا جام پلایا۔ وہ اس دلآرام کی گفتار ہی تو ہے دلدار کا وصل اور اس کے جام کا نشہ سب اس کے الہام ہی سے حاصل ہوئے ہیں۔ ہر مقصد کی بُنیاد اس دوست کا وصل ہے جو شخص اس حقیقت سے ناواقف ہے۔ وہ ابھی کچا ہے۔

[2] ترجمہ: اپنی نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھُول بہت زیادہ ہیں اسلئے تیرے بہار کے گلچیں کو اپنے دامن کے گلہ رہتا ہے۔

[3] ترجمہ: تو کسی معشوق کے رُخ زیبا کا عاشق کیسے ہوسکتا ہے، جب تک وہ رُخ دل پر کچھ اثر نہ کرے۔ اسی طرح ان لبوں کے دو بول وہی اثر رکھتے ہیں۔ جیسے (محبوب کا) دیدار۔ یقیناً خوش خو دلبر کا عشق گفتگو سے بھی بھڑکتا ہے جس طرح اس کا منہ دیکھنے سے۔ کلام میں بڑی کشش ہوتی ہے، گفتگو کے بغیر دیدار کم ہی اثر کرتا ہے ❊

ہر کہ ذوقِ کلام یافتہ است ❊ راز ایں رہ تمام یافتہ است

زیرِ لب گفتگوئے جانانے ❊ زندگی بخشدت بیک آنے

دوزخی کز عذاب پُر، چوں خم ❊ اصل آں ہست لا یکلّمہم

دل نہ گردد صفا نہ خیزد بیم ❊ تا چو موسیٰ نمے شوی تو کلیم

ہست داروئے دل کلامِ خُدا ❊ کے شوی مست جز بجامِ خُدا

تا نہ او گفت خود: انا الموجود ❊ عقدۂ ہستیش کسے نکشود

تا نہ شد مشعلے زغیب پدید ❊ از شبِ تارِ جہل کس نرہید

تا نہ خود را نمود خود دادار ❊ کس ندانست کوئے آں دلدار

تا نہ خود از سخن یقین بخشید ❊ کس زِ زندان ریب و شک نرسید

ہر چہ باشد ز زہد و صدق و سداد ❊ بے یقیں سست باشدش بنیاد

گر یقیں نیست بر خدائے یگاں ❊ از محالات قوتِ ایماں[1]

---

[1] ترجمہ: جس کسی کو کلام کی لذّت حاصل ہو گئی، اس نے اس راہ کا تمام بھید پالیا۔ کسی محبوب کا چپکے چپکے باتیں کرنا پل بھر میں تجھے زندگی بخش دیتا ہے، وہ دوزخ جو شراب کے مٹکے کی طرح عذاب سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ وہ محبوب حقیقی ان سے کلام نہیں کرے گا۔ نہ تیرا دل صاف ہو گا۔ نہ ہی تیرا خوف دُور ہو گا جب تک تو موسیٰ کی طرح کلیم نہ بن جائے۔ دل کی دوا خدا کا کلام ہے، تو خدا (کے کلام) کے جام کے بغیر کیسے مست ہو سکتا ہے۔ جب تک اُس نے خود نہ کہا کہ میں موجود ہوں، کوئی بھی اسکی ہستی کا عقدہ نہ کھول سکا۔ جب تک غیب سے کوئی مشعل ظاہر نہ ہوئی کسی نے بھی جہالت کی اندھیری رات سے چھٹکارا نہ پایا۔ جب تک خدا نے خود اپنے تئیں ظاہر نہیں کیا کسی کو اس دلدار کی گلی کا پتہ نہ ملا۔ جبتک اُس نے خود بات کر کے یقین نہ دلایا۔ کوئی بھی شک و شبہات کے قید خانہ سے آزاد نہ ہو سکا۔ زہد خلوص اور راستی میں سے جو کچھ بھی ہے یقین کے بغیر اسکی بنیاد کمزور ہی رہے گی۔ اگر خدائے واحد پر یقین نہیں، تو ایمان کی پختگی ناممکنات میں سے ہے۔

بے یقین دین وکیش بیہودہ است ٭ بے یقین ہیچ دل نیاسودہ است
بے یقین و تجلّیاتِ یقین ٭ کس نرستہ زدام دیوِ لعین
بے یقین از گنہ نہ رَست کسے ٭ دانم احوالِ شیخ وشباب بسے
آں خدائے کہ ذات اوست نہاں ٭ دُور تر از دو چشمِ عالمیاں
بر وجودش یقیں چساں آید؟ ٭ گر نظر نیست گفتگو باید
زیں سبب ہست حاجتِ گفتار ٭ گر میسّر نمے شود دیدار
بے کلام وشہادت آیات ٭ کے یقیں مے شود کہ ہست آں ذات؟[1]

(درِثمین صفحہ ۲۲۶،۲۲۴)

---

[1] ترجمہ: یقین کے بغیر دین اور مذہب بالکل فضول ہیں یقین کے بغیر کوئی دل کبھی مطمئن نہیں ہوسکا یقین اور یقینی جلووں کے بغیر کوئی شخص شیطان لعین کے پھندے سے آزاد نہ ہوسکا۔ یقین کے بغیر کوئی شخص گناہ سے نہیں چھوٹ سکا۔ مَیں بہت سے بوڑھوں اور جوانوں کے حالات سے واقف ہُوں۔ وہ خُدا جس کی ہستی پوشیدہ ہے۔ اور دنیا والوں کی آنکھوں سے بہت دُور ہے۔ اس کے موجود ہونے پر کیسے یقیں آئے۔ اگر دیدار نہیں تو گفتگو تو ہو۔ اسی لئے گفتار (الہام) کی ضرورت ہے۔ جبکہ دیدار میسّر نہ ہو کلام اور دوسری نشانیوں کی موجودگی کے بغیر کس طرح یقین آئے کہ وہ ہستی یعنی خدا ہے؟

دُنیا کی بے ثباتی

دنیا کی بے ثباتی کا احساس انسان کی طرز فکر اور طرز عمل پر نہایت گہرا اثر ڈالتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے کلام میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے اور بڑے موثر انداز میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ نہ یہ گھر پائیدار ہے، اور نہ اس کی خوشیاں پائیدار ہیں اگر تم لازوال خوشیوں سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہو، تو اس لازوال ہستی سے تعلق استوار کرو جس کو فنا نہیں۔ چنانچہ آپ ایک نظم میں فرماتے ہیں:ـ

۱۔ دل مده الّا بدلدارے کہ حسنش دائم است ؛ تا سرورِ دائمی یابی ز خیر المحسنین[1] (درثمین صـ ۱۵۵)

اسی طرح ایک طویل نظم میں ارشاد ہوتا ہے:ـ

۲۔ بدنیائے دوں دل مبند، اے جواں! ؛ تماشائے آں بگذرد ناگہاں
بدُنیا کسے، جاودانہ نماند ؛ بہ یک رنگ، وضع زمانہ نماند
بدست خود از حالتِ دردناک ؛ سپردیم، بسیار کس را بہ خاک
چو خود دفن کردیم، خلقے کثیر ؛ چرا یاد ناریم، روز اخیر
ز خاطر چرا یادِ شان افگنیم ؛ نہ ما آہنیں جسم و روئیں تنیم[2]

---

[1] ترجمہ: اس محبوب کے سوا جس کا حسن لازوال ہے کسی کو دل مت دے۔ تا اس خدائے خیر المحسنین کی طرف سے تو دائمی خوشی حاصل کرے۔

[2] ترجمہ: اے جواں! اس ذلیل دُنیا سے دل نہ لگا۔ اس کا تماشا اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا۔ نہ زمانہ کی حالت ایک جیسی رہتی ہے ہم نے دردبھرے دل کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے بہت سے لوگوں کو خاک کے سپرد کیا ہے پس جب ہم نے بہت سی مخلوق کو خود دفن کیا ہے تو اپنا آخری وقت ہم کیوں نہ یاد رکھیں آخر اپنے دل سے انکی یاد کیوں بھلائیں۔ ہمارے جسم نہ فولاد کے بنے ہوئے ہیں نہ کانسی کے۔

۲- ایک اور جگہ فرمایا :-

اَیُّھَا الجَامِحُونَ فِی الشَّھَوَاۃ ❊ اَکثِرُوا ذِکرَ ھَادِمِ اللَّذَاۃ

رفتنی است ایں مقامِ فنا ❊ دل چہ بندی دریں دو روزہ سرا؟

عمرِ اوّل بہ بیں کجا رفت است؟ ❊ رفت و بنگر ز تو چہ ہا رفت است؟

پارۂ عمر رفت در خوردی ❊ پارۂ را بسر کشی بُردی!

تازہ رفت و بماند پس خوردہ ❊ دشمنان شاد و یار آزردہ

صد چو تو معجبے بخورد زمیں ❊ سر ہنوزت بر آسماں از کیں

بشنو از وضعِ عالمِ گذران ❊ چوں کند از زبانِ حال بیاں

کیں جہاں با کسے وفا نہ کند ❊ نہ کند صبر تا جُدا نہ کند

گر بود گوش بشنوی صد آہ ❊ از دلِ مُردہ درون تباہ

کہ چرا رو بتافتم ز خُدا؟ ❊ دل نہادم در آنچہ گشت جُدا[1]

---

[1] ترجمہ: اے نفسانی خواہشات کی طرف لپکنے والو! ان لذتوں کو برباد کرنیوالی (موت) کو بہت یاد کیا کرو۔ یہ فانی دنیا فنا کا مقام ہے، تو تُو اس دو[2] دن قیام کرنیوالی سرائے سے کیا دل لگاتا ہے، اپنی پہلی عمر کو دیکھ وہ کہاں گئی؟ وہ تو گئی مگر دیکھ (اس کے جانے کے ساتھ) تجھ سے کیا کچھ جاتا رہا۔ عمر کا ایک حصہ تو بچپن (کے کھیل کود) میں گزر گیا۔ ایک حصہ تُو نے سرکشی میں گنوا دیا تازہ (جوانی کا بہترین دَور) تو ختم ہو چکا ہے۔ اب صرف (بڑھاپے کا باسی) بچا کھچا حصہ رہ گیا ہے۔ دشمن خوش ہیں اور دوست آزردہ ہے۔ تیرے جیسے سینکڑوں متکبر لوگوں کو یہ زمین کھا گئی اور کینہ کی وجہ سے ابھی تک تیرا سر آسمان پر ہے۔ اس فانی دنیا کی چال پر کان دھر وہ کس طرح زبانِ حال سے پکار رہی ہے کہ یہ جہاں کسی سے وفا نہیں کرتا اور اسے چین نہیں پڑتا جب تک (کسی کو اپنے سے الگ نہ کر لے۔ اگر تیرے کان ہیں تو تجھے اس مُردہ دل تباہ حال کی سینکڑوں آہیں سُنائی دیں گی جس کا دل (خُدا سے برگشتہ ہونے کی وجہ سے) تباہ ہو چکا ہے (اور وہ کہہ رہا ہے) کہ ہائے افسوس مَیں نے کیوں خدا سے مُنہ موڑا۔ اور اس چیز سے دل لگایا جو مجھ سے جُدا ہو گئی ❊

قدرایں رہ بپُرس از اموات ٭ اے بسا گورہا پُر از حسرات
جائے آں است کزچنیں جائے ٭ از تورّع بروں نہی پائے
ہرچہ اندازدتِ زیار جُدا ٭ باش زاں جملہ کاروبار جُدا[۱]
(درثمین صفحہ ۸۶-۸۸)

۳- عیش دنیائے دوں دمے چندست ٭ آخرش کار باخُداوندست[۲]
(درثمین صفحہ ۳۷)

اس نظم کا پہلا بیشتر حصہ اسی مضمون پر مشتمل ہے۔

---

[۱] ترجمہ: اس (اللہ تعالیٰ) کے رستہ کی قدر مُردوں سے پوچھو۔ کتنی ہی قبریں ہیں جو حسرتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ مقام ایسا (خطرناک) ہے کہ (مناسب یہی ہے کہ) اس مقام سے پرہیزگاری کے ساتھ گذر جائے جو کاروبار تجھے محبوب سے جُدا کرتا ہے، تو اس کاروبار سے خود ہی جُدا ہو جا۔

[۲] ترجمہ: اس ذلیل دنیا کا عیش چند روزہ ہے، بالآخر خُدا تعالیٰ سے ہی کام پڑتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کے وقت مسلمانوں کی زبوں حالی

مخبر صادق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف الفاظ میں یہ خبر دی تھی کہ مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ہدایت کا سورج دھندلا جائے گا، امّت مختلف فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور اسلام کے نام لیوا طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مسیح ظاہر ہو گا، جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے گا۔ اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور اس وقت ہُوا، جب مسلمانوں کی زبوں حالی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ آپ ان کی حالت زار دیکھ کر بیتاب ہو گئے اور ان کی فلاح و بہبُود کے لئے جو کچھ بھی بن آیا آپ نے کیا۔ اس وقت مسلمانوں کی بے سروسامانی کا کیا عالم تھا۔ اس کا کسی قدر اندازہ حضرت اقدس کے ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے دردمند دل سے نکلے اور نوکِ قلم نے صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیئے۔ دو ایک اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:–

بر پریشاں حالیِ اسلام و قحطُ المسلمین ✿ مے سزد، گر خوں ببارد، دیدۂ ہر اہلِ دیں

سخت شورے اُوفتاد اندر جہاں از کفر وکیں ✿ دینِ حق را گردش آمد، صعبناک و سہمگیں

مے تراشد عیب ہا، در ذاتِ خیرالمرسلینؐ[1] ✿ آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب

---

[1] ترجمہ: اسلام کی پریشان حالی اور مسلمانوں کے زوال پر اگر ہر دیندار کی آنکھ خون کے آنسو بہائے تو اس کے لئے روا ہے۔ دینِ حق کو ایک مشکل اور خوفناک مصیبت نے گھیر رکھا ہے اور دنیا میں کفر اور دشمنی کی وجہ سے سخت شور برپا ہے۔ ستم یہ ہے کہ وہ شخص جس کا نفس ہر قسم کی خیر و خوبی سے محروم ہے، وہ بھی خیر الرسلؐ کی ذات ستودہ صفات پر بہتان باندھ رہا ہے ✿

آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر ؛ ہست در شانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چین
تیر بر معصوم مے بارد خبیثے بد گہر ؛ آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمین
پیشِ چشمانِ شما، اسلام در خاک اُوفتاد ؛ چیست عذرے، پیشِ حق اے مجمع المتنعّمین
ہر طرف کفر ست جوشاں ہمچو افواجِ یزید ؛ دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین
مردم ذی مقدرت مشغولِ عشرت ہائے خویش ؛ خرّم و خنداں نشستہ، با بُتانِ نازنین
عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس ؛ زاہداں غافل سراسر، از ضرورت ہائے دین
ہر کسے از بہرِ نفسِ دُونِ خود طرفے گرفت ؛ طرفِ دیں خالی شُدو، ہر دشمنے جست از کمین
اے مسلماناں چہ آثارِ مسلمانی ہمیں ست؟ ؛ دیں چنیں ابتر، شما در جیفۂ دُنیا رہین[1]

(درثمین ص۱۵۴-۱۵۵)

---

[1] ترجمہ: جو شخص ناپاکی کے دائرہ میں قید اور محبوس ہے، وہ بھی پاکبازوں کے امام کی شان میں نکتہ چینی کر رہا ہے۔ ہائے افسوس خبیث اور بدفطرت لوگ بھی اُس معصوم پر تیر برسا رہے ہیں، آسمان کیلئے روا ہوگا کہ زمین پر پتھر برسائے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے اسلام خاک میں مل چکا ہے، اے دولت مندوں کی جماعت خدا کے حضور کیا عذر پیش کروگے۔ یزید کی فوجوں کی طرح کفر ہر طرف اینٹھ رہا ہے اور دینِ حق امام زین العابدین کی طرح بیمار اور بے یار و مددگار پڑا ہے۔ صاحب استطاعت لوگ اپنی عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور نازنینوں کے ساتھ بیٹھے رنگ رلیاں منا رہے ہیں علماء نفسانی جوش کی وجہ سے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور زاہد دین کی ضرورتوں سے بالکل غافل ہیں۔ ہر شخص نے اپنے ذلیل نفس کی خاطر کسی نہ کسی طرف رُخ کیا ہُوا ہے۔ اور دین کی طرف کوئی متوجہ نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر دشمن اپنی کمین گاہ سے نکل کر اس پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اے مسلمانو! کیا مسلمانی کی یہی علامت ہے کہ دین یوں تباہ حال ہو اور تم مُردار دنیا کے ساتھ چمٹے رہو؟

۲۔ بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست ÷ ہر کسے در کارِ خود، با دینِ احمدؐ کار نیست
ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن رُبُود ÷ حیف بر چشمے کہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست
اے خداوندانِ نعمت! ایں چنیں غفلت چرا ست ÷ بیخود از خوابید، یا خود بختِ دیں بیدار نیست
اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حالِ دیں! ÷ آنچہ مے بینم بلاہا، حاجتِ اظہار نیست
آتش افتاد است در رختش بخیزید اے یلاں ÷ دیدنش از دُور، کارِ مردُمِ دیندار نیست
ہر زماں از بہرِ دیں، در خونِ دلِ من مے تپد ÷ محرمِ ایں دردِ ما، جُز عالمِ اَسرار نیست [1]
(درثمین صـ۱۹۹)

بشنوید اے طالبان! کز غیب بکند ایں ندا ÷ مُصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند [2]
(درثمین صـ۱۸۹)

کامل لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ :؎
ضرور است کہ در دیں چنیں امام آید ÷ چو خَلق جاہل و بے دین و مُردہ سا باشد [3]
(درثمین صـ۲۶۴)

---

[1] ترجمہ: احمد مجتبٰےؐ کا دین ایسا بیکس ہو چکا ہے کہ اس کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں رہا۔ ہر شخص کو اپنے کام سے کام ہے اور دینِ احمدؐ کی ذرا پروا نہیں۔ ہر طرف سے گمراہی کا سیلاب لاکھوں افراد کو اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ اس آنکھ پر افسوس ہے جو اب بھی نہیں کھلی۔ اے دولتمندو! اس قدر غفلت کیوں ہے؟ تم ہی نیند کے ماتے ہو یا دین کا نصیبہ ہی سویا ہوا ہے۔ اے مسلمانو! خُدا کیلئے دین کی حالت پر ایک نظر ڈالو جو بلائیں میں دیکھ رہا ہوں ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ دین کے خرمن میں آگ لگ چکی ہے۔ اے جوانمردو! اٹھو دُور کھڑے ہو کر تماشا دیکھنا دیندار لوگوں کا کام نہیں، دین کی خاطر میرا دل ہر وقت خون میں تڑپتا رہتا ہے۔ میرے اس درد کا محرم اس خدا کے سوا کوئی نہیں، جو دلوں کے اسرار سے واقف ہے۔
[2] ترجمہ: اے حق کے طالبو! سنو اب تو غیب سے یہ آواز آ رہی ہے کہ ہر جگہ فتنہ و فساد برپا ہے لہٰذا ضرور کوئی اصلاح کرنیوالا بھی ہونا چاہیئے۔
[3] ترجمہ: ضرور ہے کہ دین میں ایسا امام آیا کرے جب خلقت جاہل بے دین اور مردوں کی طرح ہو جائے۔ یہاں ضرورت کے معنی حاجت نہیں بلکہ اس کے دوسرے معنی "لازمی" اور "لابدی" یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ امیر خسرو کہتے ہیں :؎
ضرورت است کہ ہمچو منش غلام شود ÷ غلام او ہم و ہر کس کہ بیند آں صورت
میں ایسے شخص کا گرویدہ ہوں کہ جو کوئی بھی اس کی صورت دیکھ لے وہ لازماً میری طرح اس کا گرویدہ ہو جائیگا (دیکھئے یہاں ضرورت کے معنی حاجت قطعاً نہیں ہو سکتے، بلکہ ضروری اور لازمی ہیں)۔

دعوائے مسیحیّت

حضرت اقدس ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے، جو دنیاوی لحاظ سے رئیسانہ شان رکھتا تھا لیکن عام رؤسا کی اولاد کی طرح آپ دنیا کی لذّات میں نہ پڑے۔ بلکہ تارک الدنیا ہو کر محبوبِ حقیقی کے آستانہ پر آ بیٹھے۔ آپ کے والد محترم نے ہزار جتن کئے کہ آپ دنیاداری کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن آپ نے دُنیا کو پرِ پشّہ کے برابر بھی وقعت نہ دی اور ہر وقت یادِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں محو رہتے۔ آپ کی یہ کیفیت تھی کہ گویا آپ اپنے ربّ پر عاشق ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر لحظہ اسی کی یاد میں گزرے۔ اسلام کی سربلندی کے لئے آپ کی تڑپ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ، جو آپ کے دل میں شعلہ زن تھی، اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری فرمائی۔ اور دنیا کی ہدایت کے لئے آپ کو منتخب فرما کر مسیحیت کے مقام پر کھڑا کر دیا۔ اور اپنے ساتھ کثرتِ مکالمہ و مخاطبہ کا شرف بخشا۔ حضرت اقدس نے اپنی ان قلبی کیفیات کا ذکر جن شیریں اور والہانہ اشعار میں فرمایا ہے ان کے کچھ اقتباسات نیچے درج ہیں:

عشق گُو رُو نماید، از دیدار ∴ نیز گہ گہ، بخیزد از گفتار
بالخصوص آں سخن کہ از دلدار ∴ خاصیّت دارَد، اندریں اَسرار
کُشتۂ اُو، نہ یک، نہ دو، نہ ہزار ∴ ایں قتیلانِ او، برُوں زِ شمار

لے ترجمہ: وہ عشق جو دیدار سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی کبھی گفتار سے بھی پیدا ہو جاتا ہے خاص طور پر محبوب کی ان باتوں سے جن میں (اس عشق) کے اسرار کی خاصیت ہوتی ہے اس کے گرویدہ صرف ایک یا دو یا ہزار نہیں بلکہ اس کے فریفتہ بیشمار ہیں:

ہر زمانے قتیل تازہ بخواست ؛ غازۂ رُوئے اُو دمِ شُہداست
ایں سعادت، چو بود قسمتِ ما ؛ رفتہ رفتہ رسید نوبت ما
کربلائے است سَیرِ ہر آنم ؛ صد حُسینؑ است، در گریبانم
آدمم، نیز احمدِ مختار ؛ در بَرم جامۂ ہمہ ابرار
کارہائے کہ کرد، بامن یار ؛ برتر آں دفتر است از اظہار
آنچہ داد است، ہر نبی را جام ؛ داد آں جام را، مرا بتمام
دلِ مَن بُرد و اُلفتِ خود داد ؛ خود مرا شُد، بوحیِ خود اُستاد
وَحیِ اُو را، عجَب اَثر دیدم ؛ رُوئے آں مہر، زاں قمر دیدم
دیدم از خَلق، رنج و مکرُوہات ؛ واں چہ چیز است، پیشِ ایں لذّات
دیدم از ہجرِ خَلق، جلوۂ یار ؛ کارِ دیگر، بر آمد از یک کار[۱]

---

[۱] ترجمہ: وہ ہر زمانہ میں ایک نیا شہید چاہتا ہے۔ اس کے چہرہ کا غازہ شہیدوں کا خون ہی ہے۔ یہ سعادت بھی چونکہ ہماری قسمت میں تھی اس لئے ہوتے ہوتے ہماری باری بھی آگئی۔ مَیں تو ہر لمحہ ایک کربلا میں ہُوں، اور سینکڑوں حسینؑ (جیسے بزرگوں کے مصائب) میرے دل میں ہیں۔ مَیں آدمؑ بھی ہُوں اور احمد مختارؐ بھی۔ مَیں تمام نیکو کاروں کا لباس پہنے ہُوئے ہوں وہ (حُسن) سلوک جو محبُوب نے میرے ساتھ روا رکھے ہیں۔ وہ دفتر بیان سے بہت بالا ہے (معرفت) کا جو جام اُس نے ہر نبی کو دیا۔ وہی لبالب جام اُس نے مجھے بھی دیا۔ وہ میرا دل لے گیا اور اپنی الفت مجھے دے دی۔ وہ اپنی وحی کے ذریعہ خود ہی میرا استاد بن گیا۔ مَیں نے اس کی وحی کی عجیب تاثیر دیکھی یعنی اس چاند کے طفیل مَیں نے اس سورج کا مُنہ دیکھ لیا۔ مَیں نے مخلوق سے بہت دکھ اور ناپسندیدہ چیزیں دیکھیں۔ لیکن وہ ان لذتوں کے آگے کیا چیز ہیں۔ مَیں نے خلقت سے الگ ہوکر محبوب کا جلوہ دیکھا۔ ایک کام سے ایک اور کام نکل آیا ؛

آنچہ من بِشنوَم ، زِ وَحیِ خدا ❊ بخُدا ، پاک دانمش ز خطا

ہمچو قرآں مُنزّہ اش دانم ❊ از خطاہا ، ہمیں است ایمانم

من خُدارا ، بدُو شناختہ ام ❊ دِل بدیں آتشش گُداختہ ام

بخُدا ، ہست ایں کلام مجید ❊ از دہانِ خدائے پاک و وحید

آنچہ بر من عیاں شد از دادار ❊ آفتابے ست با دو صد انوار

ایں خدائیست رَبّ اَرْبَابَم ❊ بحہ رُو آرم ، اَر ، از و تابم

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ❊ من بعرفاں نہ کمترم زِ کسے

وارثِ مصطفٰےؐ شدم بہ یقیں ❊ شُدہ رنگیں برنگِ یارِ حسیں

آں یقینے کہ بُود عیسےٰؑ را ❊ بر کلامے ، کہ شد برُو اِلقا

واں یقین کلیمؑ بر تورات ❊ واں یقین ہائے سیّد السادات

کم نیَم ، زاں ہمہ بروئے یقیں ❊ ہر کہ گوید دروغ ہست لعیں[1]

---

[1] ترجمہ : خدا کی وحی سے جو کچھ مَیں سُنتا ہوں۔ خُدا کی قسم مَیں اسے غلطی سے پاک سمجھتا ہُوں۔ مَیں اسے قرآن کی طرح غلطیوں سے پاک جانتا ہوں۔ یہی میرا ایمان ہے۔ مَیں نے اسی کے ذریعہ خُدا کو پہچانا ہے اور اسی آگ سے مَیں نے اپنے دل کو گداز کیا ہے۔ خدا کی قسم یہ بزرگ کلام، پاک اور یکتا خُدا کے اپنے مُنہ کا کلام ہے۔ مجھ خدا کی طرف سے جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ ایک ایسا سورج ہے جس کے ساتھ سینکڑوں انوار ہیں۔ یہ ہے میرا خدا جو پرورش کرنے والوں کی پرورش کرنے والا ہے۔ اگر مَیں اس سے روگردانی کروں تو پھر کس طرف رُخ کروں۔ انبیاء اگرچہ بہت ہُوئے ہیں مگر معرفت الٰہی میں مَیں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔ مَیں یقیناً مصطفٰےؐ کا وارث بن گیا ہُوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگا گیا ہُوں۔ وہ یقین جو عیسیٰؑ کو اس کلام پر تھا، جو اس پر القا ہوا تھا۔ اور وہ یقین جو موسیٰؑ کو تورات پر تھا وہ بے انتہا یقین جو سرداروں کے سردار (نبی اکرمؐ) کو تھا، مَیں یقین کے معاملہ میں ان میں سے کسی سے بھی کم نہیں ہوں۔ جو کوئی جھوٹ کہے وہ لعنتی ہے۔

لیک آئینہ ام ز ربِّ غنی ٭ از پئے صورتِ مَہِ مَدَنی
ہر چہ آں یار، بر دلِ من ریخت ٭ نہ شیاطیں بدُو نہ نفس آمیخت
خالص آمد کلامِ آں دادار ٭ زیں سبب شد دلم پُر از انوار
ہست آں وَحیِ تیرہ سوختنی ٭ کہ نبُود است، بر یقیں مبنی
لیکن ایں وحی بالیقیں زِ خُداست ٭ ہمہ کارم ازاں یقیں شدہ راست[۱]

(درثمین صفحہ ۳۳۳-۳۳۶)

۲۔ اس زمانہ میں ہادی کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

گفت پیغمبرِ ستودہ صفات ٭ از خُدائے علیم مُخفیات
بر سرِ ہر صدی، برون آید ٭ آنکہ ایں کار را ہمے شاید
تا شَوَد پاک، ملت از بدعات ٭ تا بیابند خَلق، زُو برکات
الغرض، ذاتِ اولیاء کرام ٭ ہست مخصُوصِ ملّتِ اِسلام
ایں مگو کیں گزاف ولغو وخطاست ٭ تو طلب کن ثبُوتِ آں برماست[۲]

---

[۱] ترجمہ: لیکن میں اس بے نیاز خدا کی طرف سے مدنی چاند کا سراپا (دنیا کو دکھانے) کے لئے آئینہ کی مانند ہوں۔ جو کچھ اس محبوب نے میرے دل پر القا کیا ہے، اس میں نہ شیطان ہی ملاوٹ کر سکے اور نہ ہی نفس۔ اس محبوب کا کلام خالص نازل ہوا۔ اسی لئے میرا دل انوار سے بھر گیا۔ وہ تاریک وحی جلا دینے کے لائق ہے جس کی بنیاد یقین پر نہ ہو۔ لیکن یہ وحی یقیناً خدا کی طرف سے ہے۔ میرا سب کام اسی یقین کی وجہ سے سنور گیا ہے۔

[۲] ترجمہ: اس پسندیدہ صفتوں والے پیغمبر نے چھپی ہوئی باتوں کا علم رکھنے والے (خدا) سے علم پاکر بتایا تھا کہ ہر صدی کے سر پر ایک شخص ظاہر ہوا کرے گا، جو اس کام کے لائق ہو۔ تا یہ مذہب بدعتوں سے پاک ہو جائے۔ اور تا لوگ اس سے برکتیں حاصل کریں۔ غرض اولیائے کرام کا وجود مذہب اسلام سے مخصوص ہے۔ یہ مت کہو کہ یہ بات بے ہودہ، فضول اور غلط ہے، تو مطالبہ کرے تو اس کا ثبوت ہمارے ذمہ ہے ٭

اَے یکے ذرّہ ذلیل وخوار ٭ چہ شَوَد عاجز ازتو آں دادار
ہمہ ایں راست ست لافے نیست ٭ امتحان کُن، گراعترافے نیست
وعدۂ کج، بہ طالبیاں نَدِ ہَم ٭ کاذِبم، گر، ازو نشاں نَدِ ہَم
مَن خود از بہرِایں نِشاں زادم ٭ دِیگر از ہرغمے دِل آزادم
ایں سعادت چو بُود، قسمتِ ما ٭ رفتہ رفتہ رسید، نوبتِ ما[۱]

(درّثمین صفحہ ۸۴-۸۵)

۳۔ انسان کامل کی علامات اور صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ؎

نہیبِ حادثہ بنیادِ دیں زِجا ببَرد ٭ اگر زِملّتِ ما ظِلِّ شاں جُدا باشد
ازیں بُوَد، کہ چو سالِ صدی تمام شَوَد ٭ برآید آنکہ بدیں، نائبِ خُدا باشد
رسید مُژدہ زِغیبم، کہ من ہماں مَردَم ٭ کہ اُو مجدّدِ ایں دین و رہنُما باشد
لِوائے ماپنہِ ہر سعید خواہد بود ٭ ندائے فتحِ نمایاں، بنامِ ما باشد[۲]

---

[۱] ترجمہ: اے وہ شخص جو ایک ذلیل وخوار ذرّہ کی مانند ہے۔ تو اس عادل خدا کو کیسے بے بس بنا سکتا ہے؟ یہ سب سچ ہے، کوئی مبالغہ نہیں۔ اگر تو نہ مانے تو ہمیں آزمالے۔ مَیں تحقیق کرنے والوں سے غلط وعدہ نہیں کیا کرتا۔ اگر اس کا پتہ نہ بتاؤں تو جھوٹا ہوں۔ مَیں خود اسی نشان کو پُورا کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہوں اور دوسرے تمام فکروں سے آزاد ہوں۔ چونکہ یہ سعادت ہماری قسمت میں تھی اسلئے ہوتے ہوتے ہماری باری بھی آگئی۔

[۲] ترجمہ: حادثات کی غارت گری دین کی بنیاد اکھاڑ ڈالے اگر ان کا سایہ ہماری ملّت سے دُور ہو جائے۔ اسی وجہ سے جب صدی کے سال ختم ہو جائیں تو ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے جو دین میں خدا کا نائب ہوتا ہے مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ مَیں وہی شخص ہوں جو اس دین کا مجدّد اور رہنما ہے۔ ہمارا جھنڈا ہر نیک بخت انسان کی پناہ ہوگا۔ اور کھلی فتح کا نعرہ ہمارے نام پر ہوگا۔

عجب مدار، اگر خلق سُوئے ما بدوَند ❊ کہ ہر کجا کہ غنی مے بوَد، گدا باشد
گلے کہ رُوئے خزاں را گہے نخواہد دید ❊ بباغِ ماست، اگر قسمتت رسا باشد
منم مسیح، ببانگِ بلند مے گویم ❊ منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد[1]
(درثمین صفحہ ۲۶۷)

۴۔ کچھ آگے چل کر فرمایا: ؎

کسے کہ سایۂ بالِ ہُماش، سُود نداد ❊ ببایدش کہ، دو روزے بظلِّ ما باشد
مسلّم است مرا از خُدا حکومتِ عام ❊ کہ من مسیحِ خُدایم کہ بر سما باشد
بدیں خطاب، مرا ہرگز التفات نبُود ❊ چہ جُرمِ من، چو چنیں حکم از خُدا باشد
بتاج وتختِ زمیں آرزو نمے دارم ❊ نہ شوقِ افسرِ شاہی بدل مرا باشد
مرا بس است کہ ملکِ سما بدست آید ❊ کہ مُلک و مِلکِ زمیں را بقا کجا باشد؟
حوالتم بفلک کردہ اند، روزِ نخست ❊ کنُوں نظر بمتاعِ زمیں چرا باشد
مرا کہ جنّتِ علیاست، مسکن و ماوا ❊ چرا بمزبلۂ ایں نشیب جا باشد؟[2]

---

[1] ترجمہ: تو عجب مت کر اگر لوگ دوڑ کر ہماری طرف آئیں کیونکہ جہاں کہیں کوئی دولتمند ہو گدا گر وہیں جمع ہوتے ہیں۔ جو پھول کبھی خزاں کا مُنہ نہیں دیکھے گا وہ ہمارے باغ میں ہے۔ اگر تیری قسمت یاور ہو۔ مَیں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ مَیں ہی مسیح ہُوں اور مَیں ہی اس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے۔ [2] ترجمہ: وہ شخص جسے ہما کے پَر کے سایہ نے بھی کوئی فائدہ نہ پہنچایا ہو اسے چاہیئے کہ چند دن ہمارے زیرِ سایہ رہے۔ مجھے خدا کی طرف سے عمومی حکومت سپرد ہوئی ہے کیونکہ مَیں اُس خدا کا مسیح ہُوں جو آسمان پر ہے۔ مجھے اس خطاب کا ہرگز کوئی شوق نہیں تھا۔ میرا کیا قصور ہے جبکہ خُدا کی طرف سے ایسا ہی حکم ہے۔ مجھے زمینی تاج و تخت کی کوئی خواہش نہیں۔ نہ میرے دل میں کسی شاہی تاج کا شوق ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ آسمانی بادشاہت ہاتھ آجائے کیونکہ زمینی بادشاہت اور جائیداد کو بقا کہاں ہے؟ مجھے روزِ اوّل سے ہی آسمان کے حوالہ کیا گیا ہے تو اب دنیا کے مال پر میری نظر کیوں ہو؟ میرا مسکن اور جائے پناہ جنّت علیا ہے تو پھر میرا ٹھکانا اس نیچی جگہ کی کوڑی میں کیوں ہو؟

اگر جہاں ہمہ تحقیرِ من کُند، چہ غمے ٭ کہ بامن است قدیرے کہ ذوالعُلیٰ باشد
مَنَم مَسیحِ زماں و مَنَم کلیمِ خدا ٭ مَنَم محمّدؐ و احمد، کہ مُجتبےٰ باشد[1]
(درِثمین صفحہ ۲۷۰-۲۷۱)

۵۔ ہمچنیں عشقم بروئے مصطفےٰؐ ٭ دل پَرَد چوں مُرغ، سُوئے مصطفےٰؐ
تا مرا دادند از حُسنش خبر ٭ شُد دِلَم از عشقِ اُو زیر و زَبَر
من کہ مے بینم رُخِ آں دِلبرے ٭ جاں فشانم، گر دہد دل دیگرے
ساقیٔ من ہست آں جاں پَرورے ٭ ہر زماں مستم کُند از ساغرے
محوِ رُوئے اُو شُدست، ایں رُوئے من ٭ بُوئے اُو آید، زِبام و کُوئے من
بسکہ من در عشقِ اُو ہستم نہاں ٭ من ہمانم، من ہمانم، من ہماں
جانِ من، از جانِ اُو یابد غِذا ٭ اگر گریبانم عیاں شُد آں ذُکا
احمدؐ اندر جانِ احمد شُد پدید ٭ اسمِ من گردید، آں اِسمِ وحید[2]
(درِثمین صفحہ ۲۲۸)

[1] ترجمہ: اگر سارا جہان بھی مجھے حقارت سے دیکھے تو کیا فکر کیونکہ میرے ساتھ وہ قادر خُدا ہے جو سب بلندیوں کا مالک ہے۔ مَیں ہی زمانے کا مسیح ہوں، مَیں ہی خُدا کا کلیم (موسیٰ) ہُوں۔ مَیں ہی محمد ہُوں، احمد ہُوں جو خُدا کا برگزیدہ ہے۔

[2] ترجمہ: ایسا ہی عشق مجھے (محمدؐ) مصطفےٰؐ کی ذات سے ہے۔ میرا دل پرندہ کی طرح مصطفےٰؐ کی طرف اُڑا جاتا ہے۔ جب سے مجھے اس کے حسن سے آگاہ کیا گیا ہے میرا دل اسکے عشق میں بیقرار ہے۔ مَیں جسے اس دلبر کا چہرہ نظر آرہا ہے جان قربان کردوں گا (اس شخص کے مقابلہ میں) جو اسے صرف دل دے۔ میرا ساقی وہی رُوح کی پرورش کرنیوالا محبوب ہے جو ہر وقت (اپنی محبت کی شراب کے) ایک ساغر سے مجھے سرشار رکھتا ہے۔ میرا یہ چہرہ اس کے چہرہ میں محو ہوگیا ہے میرے مکان اور گلی کوچے سے اسی کی خوشبو آرہی ہے۔ مَیں اس کے عشق میں اس طرح لپٹا ہُوا ہُوں، کہ مَیں وہی ہوں، مَیں وہی ہوں، مَیں وہی۔ میری رُوح اسی کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے۔ اور میرے گریبان سے وہی سورج (جیسا محبوب) جھانک رہا ہے۔ احمدؐ، احمد کی جان کے اندر ظاہر ہوگیا۔ میرا نام اسی لاثانی انسان کا نام بن گیا ٭

دعوائے مسیحیّت کی صداقت کے متعلق چند دلائل

اس بارہ میں وہ اقتباسات بھی دیکھئے جو زیرعنوان "دعوائے مسیحیت" پیش کئے گئے ہیں۔ مزید دیکھئے :۔

۱۔ گرچہ ہر کس زرہِ لاف بیانے دارد ؞ صادق آنست کہ از صدق نشانے دارد[۱]
(درثمین صـ ۱۵۲)

۲۔ آسمان و مہ و خورشید شہادت دادند ؞ تا تو تکذیب زِنادانی و غفلت نکنی[۲]
(درثمین صـ ۲۷۹)

۳۔ جائیکہ از مسیح و نزولش سخن رود ؞ گویم سخن، اگرچہ ندارند باورم
کاندر دِلم دمید خداوند کردگار ؞ کاں برگزیدہ را، زرہِ صدق مظہرم
موعودم و بحُلیۂ ماثور آمدم ؞ حیف است،گر بدیدہ نہ بینند منظرم
رنگم چو گندم است، وبمُوفرق بیّن است ؞ زانساں کہ آمدست، دراخبارِ سرورم[۳]

---

[۱] : اگرچہ لاف وگزاف کے طور پر ہر شخص کچھ دعویٰ کرسکتا ہے لیکن سچّا وہی ہے جس کی اپنی سچائی کی کوئی نشانی بھی ہو۔

[۲] : آسمان اور چاند سورج نے بھی گواہی دیدی ہے، تا تُو نادانی اور غفلت سے مجھے نہ جھٹلائے۔

[۳] : جس جگہ مسیح اور اسکے اترنے کا ذکر ہو وہاں میں بھی یہ کہے دیتا ہوں۔ اگرچہ لوگ میرا یقین نہ کریں کہ خدائے کارساز نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ مَیں اس برگزیدہ (مسیح) کا مظہر ہوں، مَیں وعدہ کے مطابق آیا ہوں اور میرا حُلیہ حدیثوں کے مطابق ہے۔ افسوس ہوگا اگر آنکھیں کھول کر میری صورت نہ دیکھیں، میرا رنگ گندمی ہے اور بالوں میں نمایاں فرق ہے جیسا کہ میرے آقا کی احادیث میں آیا ہے۔

این مُقدّمم زجائے شکوک ست والتباس ❊ سیّدؐ جُدا کُند، زِ مسیحائے احمرم

از کلمۂ منارۂ شرقی، عجب مدار ❊ چوں خود زِ مشرق است تجلّی نیّرم

اینک منم کہ حسبِ بشارات آمدم ❊ عیسٰے کجاست، تا بنہد پا بہ منبرم

آں را کہ حق بہ جنّتِ خُلدش مقام داد[1] ❊ چوں برخلافِ وعدہ بروں آرد، از ارم

چوں کافر، از ستم، بپرستد مسیح را ❊ غیوریٔ خُدا، بسرش کرد، ہمسرم

رو، یک نظر، بجانبِ فرقاں، زِغور کُن ❊ تا بر تو منکشف شود، ایں رازِ مضمرم[2]

یارب، کجاست محرمِ رازِ مکاشفات ❊ تا نورِ باطنش، خبر آرد زِ مخبرم

آں قبلہ، رو نمود بگیتی، بچار دہم[۱۴۰۰] ❊ بعد از ہزار و سہ[3]، کہ بُت افگند در حرم

جوشید آنچناں کرمِ منبعِ فیوض ❊ کامد، ندائے یار، زہر کوئے و معبرم

اے معترض، بخوفِ الٰہی، صبور باش ❊ تا خود خُدا، عیاں کُند، آں نورِ اخترم

آخر نخواندۂ، کہ گمانِ نکو کنید ❊ چوں مے روی بروں زِ حدودش برادرم[4]

---

[1]: دیکھو انجیل متی ❊ [2]: ءَاَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ... (المائدہ: ۱۱۷) [3]: سہ صد

[4] ترجمہ: میرے آنے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ آقا خود مجھے سُرخ رنگ والے مسیح سے جُدا بتا رہا ہے۔ مشرقی مینار والی بات سے بھی تعجب نہ کرو۔ کیونکہ میرے سورج کا طلوع بھی مشرق سے ہی ہُوا ہے۔ یہ مَیں ہی ہُوں جو بشارتوں کے مطابق آیا ہوں عیسٰی کہاں جو میرے منبر پر قدم دھر سکے؟ وہ جسے خدا نے جنت الخلد میں جگہ دیدی وہ اپنے وعدہ کے خلاف اسے اس جنّت سے کیسے باہر نکالے گا۔ چونکہ کافر ظلم کی راہ سے مسیح کی پرستش کر رہے ہیں خدا کی غیوری نے ان کے علی الرغم مجھے اسکا ہمسر بنا دیا ہے۔ جا قرآن پر غور سے ایک نظر ڈال تا میرا پوشیدہ راز تجھ پر کھل جائے۔ اے میرے ربّ مکاشفات کا راز جاننے والا کہاں ہے، تا اسکا باطنی نور میرے متعلق پیشگوئی کرنیوالا (آنحضرتؐ) دریافت کر کے بتائے کہ چودھویں صدی میں دنیا کو اپنا چہرہ دکھایا اس وجود ہستی نے حرم سے بُت نکالے جانے کے تیرہ سو سال بعد اس فیوض کے سرچشمہ کی مہربانی اس قدر جوش میں آئی کہ میرے گلی کوچہ سے اس محبُوب کی آواز آنے لگی ہے۔ اے معترض خدا کے خوف سے ذرا صبر کر، تا اللہ تعالیٰ خود میرے ستارے کی روشنی ظاہر کر دے، کیا آخر تُو نے یہ نہیں پڑھا کہ نیک نیتی سے کام لیا کرو۔ پس اے بھائی تو اس کی حدود کو کیوں توڑتا ہے

برمن چرا کشی تو چنیں خنجرِ زباں؟ ٭ از خُود نیَم زِ قادرِ ذُوالمجدِ اکرمؐ[1]

(درثمین صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱)

جہاں تک قرآن وحدیث کا تعلق ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں صداقت مسیح موعودؑ کے متعلق قریباً تمام دلائل آگئے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی اور کئی پہلو ہیں۔ اگرچہ وہ بھی قرآن وحدیث سے ہی اخذ کئے گئے ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہُوئے حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

تر کُن، از اَشکِ خویش، بسترِ خویش ٭ بازلَب را گشائی، بادِلِ ریش

کاے خُدائے علیم راز نہاں ٭ کے بعظمت رَسَد دِلِ اِنساں

چوں ملائک ندیدہ اند آں نُور ٭ کاں در آدمؑ، تو داشتی مستُور

ما چہ چیزم و علمِ ماست چہ چیز ٭ بے تو درصد خطر، قیاس و تمیز

ما خطا کار و، کارِ ماست خطا ٭ شُد تبہ کارِ ما، زِ عجلت ہا

گر زِ تست، ایں کہ سُوئے تو خوانَد ٭ وزتو بہتر، کُدام کس داند

گُنہِ ما بہ بخش و چشمِ کشا ٭ تا نمیریم، از خِلاف و اِبا[2]

---

[1] ترجمہ: اور مجھ پر اس طرح زبان کی چھُری کیوں چلاتا ہے، مَیں خود نہیں آیا بلکہ عظمتوں والے خدائے اکبر نے مجھے خود بھیجا ہے۔

[2] ترجمہ: اپنے آنسوؤں سے اپنا تکیہ بھگولے اور پھر دردبھرے دل سے یوں عرض کر کہ اے پوشیدہ بھیدوں کے جاننے والے خُدا! تیرے علم تک انسان کا دل (خیال) کہاں پہنچ سکتا ہے؟ جب فرشتوں کو بھی وہ نُور نظر نہ آیا جو تُونے آدم میں چھُپا رکھا تھا۔ تو ہم کیا چیز ہیں اور ہمارا علم کیا چیز، تیرے بغیر قیاس اور تمیز کے لئے سینکڑوں خطرے درپیش ہیں۔ ہم غلط کار ہیں اور ہمارے کام بھی درست نہیں، ہماری جلد بازی کی وجہ سے ہی ہمارے سب کام خراب ہوگئے۔ اگر یہ شخص جو ہمیں تیری طرف بلاتا ہے، تیری ہی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور تجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ تو ہمارے گناہ بخش اور ہماری آنکھیں کھول، تا ہم مخالفت اور انکار کی وجہ سے تباہ نہ ہوجائیں۔

ورنہ ایں اِبتِلا، زما بردار ❊ کہ رحیمی و قادر و غفار
اہلِ اِخلاص، چوں کُنَند دُعا ❊ از سرِ صِدق و اِبتہال و بُکا
شور اُفتد ازاں، دراہلِ سما ❊ زاں رَسَد، حُکمِ نصرت و اِیوا
پس کجائی، چرا نمے آئی؟ ❊ اندریں، بارگاہِ یکتائی
تو دُعا کُن، بصِدق و سوز و گداز ❊ تا شَوَد بر دِلَت، درِ حق باز[1]

(درثمین صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۷)

اس نسخہ پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لاکھوں طالبان حق کو حضرت اقدس کو قبول کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ یہ نسخہ آج بھی اتنا ہی کارگر ہے جتنا حضرت اقدس کی زندگی میں تھا۔ نیز فرمایا:۔

من بریں مردم بخواندم آں کتاب ❊ کان منزّہ اوفتاد از ارتیاب
ہم خبرہا پیش کردم زاں رسُول ❊ کو صدوق از فضلِ حق پاک از فضول
لیکن ایشاں را بحق رُوئے نبود ❊ پیش گرگے گریۂ میشے چہ سُود؟[2]

(درثمین صفحہ ۲۳۱)

---

[1] ترجمہ: ورنہ یہ ابتلا ہم سے دُور کر دے، تو رحیم ہے، قادر ہے، اور غفّار ہے۔ اخلاص والے لوگ جب خلوص اور عاجزی اور گریہ وزاری سے دُعا کرتے ہیں، تو آسمان والوں میں ایک شور پڑ جاتا ہے اور وہاں سے امداد اور پناہ کا حکم جاری ہوتا ہے۔ پس (اے طالب حق) تو کہاں ہے؟ تو اس بارگاہ احدیت میں کیوں نہیں آجاتا۔ تو خلوص اور سوز و گداز سے دُعا کر تا تیرے دل پر سچائی کا دروازہ کھل جائے۔

[2] ترجمہ: مَیں نے ان لوگوں کو وہ کتاب پڑھ کر سنائی جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے (یعنی قرآن مجید) نیز رسول خدا کی حدیثیں بھی پیش کیں جو خدا کے فضل سے بہت ہی سچا ہے اور کبھی بے فائدہ بات نہیں کرتا۔ لیکن ان لوگوں کو سچائی کی طرف کوئی رغبت نہیں تھی۔ بھیڑیئے کے آگے کسی بھیڑ کے رونے سے کیا حاصل؟ ❊

انکسار

انبیاء اور اولیا کا طریق ہمیشہ انکسار ہی رہا ہے۔ لہٰذا ایک طرف ان دعاوی کی شان اور عظمت دیکھئے جو حضرت اقدس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں :-

من نہ از خود ادعائے کردہ ام ٭ امرِ حق شد اقتدائے کردہ ام[1]

(درِّ ثمین صـ۲۳۳)

حکم است زآسماں بزمیں مے رسانمش ٭ گر بشنوم نگویمش آں را کجا برم[2]

(درِّ ثمین صـ۱۶۲)

اور دوسری طرف انکسار کا کمال دیکھئے جس کا اظہار آپ ہمیشہ متواتر فرماتے رہے، جیسے :-

۱۔ گر ہمچو خاک پیشِ تو قدرم بود چہ باک ٭ چوں خاک نے کہ از خس و خاشاک کمترم
لطف است و فضلِ او کہ نوازد وگرنہ من ٭ کرمم نہ آدمی صدف استم نہ گوہرم[3]

(درِّ ثمین صـ۱۶۶)

۲۔ نگاہِ رحمتِ جاناں عنایتہا بمن کرد است ٭ وگرنہ چوں منے کے یابداں رشد و سعادت را[4]

(درِّ ثمین صـ۱۸۶)۔

---

[1] ترجمہ : مَیں نے اپنے آپ یہ دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہؤا تو اس کی پیروی کی ہے۔

[2] ترجمہ : یہ آسمانی حکم ہے جو مَیں (اہلِ) زمین کو پہنچا رہا ہوں۔ اگر مَیں سنوں اور آگے نہ پہنچاؤں تو اسے کہاں لے جاؤں؟

[3] ترجمہ : اگر تیرے نزدیک میری قدر خاک جیسی ہی ہو تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ خاک تو کیا مَیں تو کوڑے کرکٹ سے بھی حقیر ہوں۔ یہ تو محض اس کا فضل و کرم ہے کہ نوازتا ہے ورنہ مَیں تو ایک کیڑا ہُوں نہ کہ آدمی اور محض سیپی ہوں نہ کہ موتی۔

[4] ترجمہ : یہ تو محبوب کی نظرِ کرم نے مجھ پر عنایات کی ہیں، ورنہ مجھ جیسا انسان یہ نیکی اور نیک بختی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

۳۔ عجب دارم از لطفت اے کردگار ❊ پذیرفتۂ چوں منِ خاکسار
پسندیدگانے بجائے رسند ❊ زما کہتراںت چہ آمد پسند
چو از قطرۂ خلق پیدا کنی ❊ ہمیں عادت اینجا ہویدا کنی[1]
(تجلّیاتِ الٰہیہ صـ۲۲)

۴۔ تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ❊ ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے[2]
(درِّثمین صـ۲۸)

۵۔ بخاکِ ذلّت ولعنِ کساں رضا دادیم ❊ بدیں غرض کہ بر نیستی بقا باشد[3]
(درثمین صـ۲۷۲)

۶۔ خوئے عشاق عجز ہست و نیاز ❊ نشنیدیم عشق و کبر انباز[4]
(درثمین صـ۹)

۷۔ در کوئے دلستانم چوں خاکِ کوشب و روز ❊ دیگر نشاں چہ باشد اقبال وجاہ ما را[5]
(درثمین صـ۱۵۱)

---

[1] ترجمہ: مَیں تیری مہربانی پر اے خداوند حیران ہوں۔ کہ مجھ جیسے عاجز انسان کو تُو نے قبول کر لیا ہے۔ پسندیدہ لوگ تو کسی مرتبہ کو پہنچ سکتے ہیں، ہم جیسے فقیروں کی کونسی بات تجھے پسند آ گئی۔ چونکہ تو ایک قطرہ سے ایک دنیا پیدا کر لیتا ہے، تو یہاں بھی اسی عادت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

[2] ترجمہ: مَیں تو تیری طاقت پر ہی بھروسہ رکھتا ہوں۔ مَیں خود تو خاک کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی حقیر۔

[3] ترجمہ: ہم تو ذلّت کی خاک اور لوگوں کی لعنتوں پر راضی ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ نیستی کا پھل بقا ہُوا کرتا ہے۔

[4] ترجمہ: عاشقوں کی عادت تو عجز و نیاز ہے۔ ہم نے کبھی نہیں سُنا کہ عشق اور تکبّر ساتھ ساتھ ہوں۔

[5] ترجمہ: مَیں تو دن رات محبوب کے کوچہ میں خاک کی طرح پڑا رہتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر ہمارے اقبال اور عزت کی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے؟

۸۔ جنسِ نام و ننگ و عزت را ز داماں ریختیم ✽ یار آمیزد مگر باما بہ خاک آمیختیم

۹۔ دل بدادیم از کف و جاں در رہے انداختیم ✽ از پئے وصلِ نگارے حیلہ ہا انگیختیم[1]

(درثمین صفحہ ۱۴۹)

---

[1] ترجمہ: ہم نے ننگ و نام اور عزت کا سرمایہ اپنے دامن سے پھینک دیا ہے، ہم خاک میں مل گئے تا شاید محبوب ہم سے گھل مل جائے۔ ہم نے دل ہاتھ سے دیدیا اور جان کسی کی راہ میں ڈال دی۔ اس محبوب کے وصل کی خاطر ہم نے کیسے کیسے حیلے کئے ہیں ✽

ہمدردئ خلائق

مامورینِ الٰہی کے دلوں میں مخلوق کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اور رات دن ان کو یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کس طرح سے بندگانِ خُدا اپنے ربّ کی طرف توجہ کریں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے :۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ (سورۃ الشعراء : ۴)

کہ اے محمدؐ رسُول اللہ لوگوں کی ہدایت کی فکر میں آپ کی یہ حالت ہے کہ نہ رات کو آپ آرام کرتے ہیں اور نہ دن کو۔ نہ آپ کو کھانے کا فکر ہے نہ پینے کا اور آپ اسی غم میں گھلے جاتے ہیں کہ لوگ اپنے محبُوبِ حقیقی کی طرف رجوع کریں۔

اپنے محبُوب محمد رسُول اللہ کی متابعت میں حضرت اقدس کو بھی ہر وقت یہی احساس بیقرار رکھتا کہ لوگ زندہ خُدا کا چہرہ دیکھیں۔ حضرت اقدس اپنے اس درد دل کا اظہار اشعار میں یُوں کرتے ہیں :۔

۱۔ بدل دردیکہ دارم از برائے طالبانِ حق ؎ نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

دل و جانم چناں مستغرق اندر فکرِ اوشان است ؎ کہ نے از دل خبر دارم نہ از جان خود آگاہم

بدیں شادم کہ غم از بہرِ مخلوقِ خُدا دارم ؎ ازیں در لذّتم کز درد مے خیزد ز دل آہم[1]

---

[1] ترجمہ: طالبان حق کے لئے جو درد میرے دل میں ہے میری اس مختصر تقریر سے اس درد کا پُورا اظہار نہیں ہوسکتا میرا دل اور میری جان ان کی فکر میں ایسی ڈوبی ہوئی ہے کہ نہ مجھے دل کی کوئی خبر ہے اور نہ ہی جان کا کچھ پتہ ہے لیکن میں دل میں خوش ہوں کہ مجھے خدا کی مخلوق کا غم ہے اور میں اس بات میں لذّت محسوس کرتا ہُوں کہ میرے دل سے لوگوں کے درد کی وجہ سے آہ نکلتی ہے۔

مرا مقصود و مطلوب و تمنّا خدمتِ خلق است ؛ ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسم ہمیں راہم[1]
نہ من از خود نہم، در کوچۂ پند و نصیحت پا ؛ کہ ہمدردی بَرَد آنجا، بہ جبر و زور و اکراہم
غمِ خلقِ خدا، صرف از زباں خوردن چہ کار ایں ؛ گرش صد جاں بپاریزم ہنوزش عذر میخواہم
چو شامِ پُر غبار و تیرہ حالِ عالَمے بینم ؛ خدا بروے فرود آرد دعاہائے سحرگاہم
(درِّثمین صفحہ ۲۹-۳۰)

۲- تو نہ فہمی ہنوز ایں سخنم! ؛ در دلت چوں فرو شوم چہ کنم
اے دریغا کہ دل ز درد گداخت ؛ دردِ ما را مخاطبے نشناخت[2]
(درِّثمین صفحہ ۱۱۵)

۳- اے کہ چشمت ز کبر پوشیدہ ؛ چہ کنم تا کشایدت دیدہ[3]
(درِّثمین صفحہ ۹۵)

۴- چساں گفتۂ من بفہمی تمام ؛ چساں ریزم اندر دلت ایں کلام[4]
(درِّثمین صفحہ ۳۲۰)

---

[1] ترجمہ: میرا مقصد، مطلوب اور تمنّا خدمتِ خلق ہے یہی میرا کاروبار ہے یہی مجھے فکر ہے یہی میری رسم و راہ ہے۔ مَیں اپنے آپ وعظ و نصیحت کے کوچہ میں پاؤں نہیں رکھتا۔ مجھے تو مخلوق کی ہمدردی زبردستی وہاں لئے جارہی ہے۔ صرف زبان سے خلقِ خدا کا غم کھانا کونسا بڑا کام ہے۔ مَیں تو اس کام کے لئے سینکڑوں جانیں بھی قربان کردوں تب بھی معذرت خواہ ہوں جب مَیں دنیا کی گرد و غبار سے بھری ہوئی شام اور تاریک حالت کو دیکھتا ہوں تو چاہتا ہوں) کہ خدا اس پر میری صبح کی دعاؤں کا اثر پیدا کرے۔

[2] ترجمہ: تو ابھی تک میری بات نہیں مَیں کیا کروں اور تجھے کیسے سمجھاؤں۔ ہائے افسوس ہمارا دل درد کے مارے پگھل گیا۔ لیکن کوئی مقابل ہمارے درد کا احساس نہ کرسکا۔

[3] ترجمہ: اے وہ شخص جس نے اپنی آنکھ پر تکبر کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ مَیں کیا کروں کہ تو آنکھ کھول دے۔

[4] ترجمہ: تو کس طرح میری باتیں پوری طرح سمجھے گا۔ مَیں کس طرح تیرے دل میں اپنی باتیں اتار دوں؟

۵۔ دریغ و درد قومِ من ندائے من نمے شنود ؛ زہر درمیدہم پندش مگر عبرت شود پیدا[1]

(درِّثمین صفحہ ۱۷۴)

۶۔ اے سخت اسیرِ بدگمانی ؛ وے بستہ کمر بہ بدزبانی
سوزم کہ چساں شوی مسلماں ؛ ویں طرفہ کہ کافرم بخوانی[2]

(درِّثمین صفحہ ۱۷۱)

۷۔ من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکرِ کُن بارے ؛ خرد از بہرِ ایں روز است اے دانا و ہشیارے[3]

(درِّثمین صفحہ ۲۴۶)

۸۔ بدگفتنم ز نوعِ عبادت شمردہ اند ؛ درچشمِ شاں پلید تر از ہر مزورم
اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار ؛ کاخر کنند دعوائے حُبّ پیمبرم[4]

(درِّثمین صفحہ ۱۶۲)

---

[1] ترجمہ: کتنا افسوس اور دُکھ ہے کہ میری قوم میری چیخ و پکار نہیں سنتی ۔ مَیں ہر طریقہ سے نصیحت کرتا ہوں کہ کاش اسے عبرت حاصل ہو۔

[2] ترجمہ: اے وہ شخص جو سخت بدگمانی میں مبتلا ہے، اور اے وہ جو بدزبانی پر کمر باندھے ہُوئے ہیں۔ میں تو اس غم میں گھل رہا ہُوں کہ تو کس طرح مسلمان بن سکتا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ تُو مجھے ہی کافر گردانتا ہے۔

[3] ترجمہ: مَیں نے یہ باتیں تیری ہمدردی کی بنا پر کہی ہیں۔ کبھی تُو خود بھی تو سوچ۔ عقل آخر ایسے ہی وقت کیلئے ہے اے دانا اور ہوشمند انسان۔

[4] ترجمہ: انہوں نے مجھے بُرا کہنے کو عبادت سمجھ رکھا ہے ۔ مَیں ان کی نظروں میں ہر مکار سے زیادہ پلید ہوں۔ اے دل تو پھر بھی اُن کا لحاظ رکھ کیونکہ وہ آخر میرے ہی پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ؏

رجائیت

رجائیت کے بغیر روحانی ترقی ناممکن ہے مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے قنوطیت کو کفر کی علامت قرار دیا ہے۔ قدیم شعرا میں سے ایک حافظ ہی ایسے شاعر ہیں جنہوں نے انسانی زندگی کے رجائی پہلو کو خاص اہمیت دی ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں :

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید ٭ دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد[1]

لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے کلام میں رجائی پہلو کو جس بصیرت اور اعتماد کے ساتھ پیش کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں :

۱۔ دراں ابن مریم خُدائی نبود ٭ زموت و زفوتش رہائی نبود!
رہا کردہ خود را ز شرک و دوئی ٭ تو ہم کُن چنیں ابنِ مریم توئی![2]

(درثمین صفحہ ۱۶۸)

اس سلسلہ میں بعض اور اشعار ملاحظہ فرمائیے

۲۔ اگر خود آدمی کاہل نباشد در تلاشِ حق ٭ خدا خود راہ بنماید طلبگارِ حقیقت را[3]

(درثمین صفحہ ۱۶۲)

---

[1] ترجمہ : اگر رُوح القدس کا فیض پھر یاوری کرے تو دوسرے بھی وہی کام کر سکتے ہیں، جو مسیحا کیا کرتا تھا۔

[2] ترجمہ : اس ابن مریم (مسیح) میں خدائی نہ تھی۔ وہ موت اور فوت سے آزاد نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو شرک اور دوئی سے چھڑا لیا۔ تو بھی ایسا ہی کر تو تُو بھی ابنِ مریم بن جائے گا۔

[3] ترجمہ : اگر سچائی کی تلاش میں انسان خود سُست نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ خود حقیقت کا راستہ دکھا دیتا ہے۔

۳۔ بہارست و بادِ صفا در چمن ٭ کند نازہا با گل و یاسمن
زنسرین و گلہائے فصلِ بہار ٭ نسیمِ صبا مے وزد عطرِ یار
تو اے ابلہ افتادہ اندر خزاں ٭ ہمہ برگ افشاندہ چو مُفلساں[1]

(درثمین صفحہ ۱۰۷)

۴۔ ناصحاں را خبر ز حالم نیست ٭ گذرے سوئے آں زلالم نیست
آمدم چوں سحر بلجۂ نور ٭ تا شود تیرگی ز نُورم دُور
شور افگندہ ام کہ تا زیں کار ٭ خلق گردد ز خواب خود بیدار
غافلاں من زیار آمدہ ام ٭ ہمچو بادِ بہار آمدہ ام
ایں زمانم زمانۂ گلزار ٭ موسمِ لالہ زار و وقت بہار
آمدم تا نگار باز آید ٭ بیدلاں را قرار باز آید[2]

(درثمین صفحہ ۳۳۸/۳۳۹)

---

[1] ترجمہ: بہار کا موسم ہے اور باغ میں بادِ صفا گلاب اور چنبیلی کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی ہے۔ سیوتی اور فصل بہار کے پھولوں سے صبح کی ٹھنڈی ہوا عطر برساتی ہوئی چل رہی ہے تو اے بیوقوف خزاں کی (حالت میں) میں پڑا ہے۔ اور مفلسوں کی طرح سب پتے جھڑ گئے ہیں:۔

[2] ترجمہ: نصیحت کرنیوالوں کو میری حالت کی کچھ خبر نہیں۔ میرے مصفا پانی کی طرف ان کا گذر ہی نہیں ہُوا۔ مَیں صبح کی طرح نور کی ایک طوفان لیکر آیا ہُوں۔ تا میری روشنی سے اندھیرا دُور ہو جائے۔ مَیں نے اسلئے شور برپا کر رکھا ہے کہ تا لوگ اپنی (غفلت کی) نیند سے جاگ اٹھیں۔ اے غافلو! مَیں محبوب کے پاس سے آیا ہُوں اور بادِ بہار کی طرح آیا ہوں۔ میرا یہ زمانہ باغ (کے سرسبز ہونے) کا زمانہ ہے۔ سُرخ پھولوں کے تختوں کا موسم اور بہار کا زمانہ ہے۔ مَیں اسلئے آیا ہوں تا محبوب لَوٹ آئے۔ اور عاشقوں کو قرار آ جائے۔

۵۔ ہر کہ جویائے اوست یافتہ است ٭ تافت آں روکہ سر نتافتہ است[1]

(درثمین ص ۳۶۲)

۶۔ ذاتِ پاکت بس ست یار یکے ٭ دل یکے جاں یکے نگار یکے[2]

ہر کہ پوشیدہ باتو در سازد ٭ رحمتت آشکار بنوازد

ہر کہ گیرد درت بصدق و حضور ٭ از درد بامِ او ببارد نور

ہر کہ راہت گرفت کارش شد ٭ صد اُمیدے بروز گارش شود

ہر کہ راہِ تو جُست یافتہ است ٭ تافت آں روکہ سر نتافتہ است[3]

(درثمین ص ۱۳۔۱۴)

۱؎ ترجمہ: جو شخص بھی اسے ڈھونڈنے نکلا اس نے پالیا۔ وہ منہ چمک اٹھا جس نے اس سے سر نہ پھیرا۔

۲؎ ترجمہ: (ہمارے لئے) تیری پاک ذات کا اکیلا محبوب ہونا کافی ہے۔ دل ایک، جان ایک ہے۔ محبوب بھی ایک ہی (ہونا چاہیے)

۳؎ ترجمہ: جو کوئی چھپ کر تجھ سے تعلق پیدا کرتا ہے، تیری رحمت اسے کھلم کھلا نوازتی ہے۔ جو شخص خلوص اور مستقل مزاجی سے تیری چوکھٹ پکڑے، اس کے در و بام سے نور کی بارش برستی ہے جس کسی نے تیرا راستہ پکڑ لیا اس کی کامیابی کی سینکڑوں اُمیدیں بندھ گئیں جس نے تیرا راستہ ڈھونڈا اس نے پالیا۔ وہ مُنہ چمک اُٹھا (سرخرو ہوگیا) جس نے تجھ سے سر نہ پھیرا۔

عرفانِ الٰہی

ایمان کی ترقی یافتہ حالت کو عرفان کہتے ہیں ۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا خاص موضوع ہے۔ اس کے حصول کے متعلق آپ نے بہت کچھ لکھا ہے ۔چند اقتباسات ذیل ملاحظہ فرمائیے :۔

۱- سچی تڑپ

گر بدل باشدت خیالِ خدا ؎ ایں چنیں ناید از تو استغنا
از دل و جاں طریقِ او جوئی ؎ وز سرِ صدق سوئے او پوئی
ہر کہ را دل بود بدلدارے ؎ خبرش پرسد از خبر دارے
گر نباشد لقائے محبوبے ؎ جوید از نزدِ یار مکتوبے
بے دلارام نایدش آرام ؎ گہ بروئیش نظر گہے بکلام
آنکہ داری بدل محبتِ او ؎ نایدت صبر جز بہ صحبتِ او[۱]

---

[۱] ترجمہ: اگر تیرے دل میں خدا کی لگن ہوتی ، تو تجھ سے اتنی لاپروائی سرزد نہ ہوتی ۔تو دل و جان سے اس کا راستہ تلاش کرتا۔اور پورے اخلاص سے اس کی طرف دوڑتا ۔جس کا دل کسی محبوب سے لگا ہو، تو وہ ضرور کسی واقف کار سے اس کا پتا پوچھتا ہے۔اگر محبوب سے ملاقات ممکن نہ ہو وہ اس کے خط کا متمنی رہتا ہے ۔محبوب کے بغیر اسے آرام نہیں آتا۔کبھی اس کے دیدار کے لئے بیقرار ہوتا ہے اور کبھی اس کے کلام کے لئے ۔جس کی محبت تیرے دل میں ہو۔ اس کی صحبت کے بغیر تجھے صبر نہیں آتا ۔

فرقتِ او گر اتفاق اُفتد ؂ در تن و جانِ تو فراق اُفتد
دلت از ہجر او کباب شود ؂ چشمت از رفتنش پُر آب شود[1]
(درِثمین ص ۱۰۱، ۱۰۲)

تا نباشد عشق و سَودائے جنون ؂ جلوہ نہ نماید نگارِ بے چگون[2]
(درِثمین ص ۲۳۸)

۲۔ اطاعتِ رسُولؐ

خدائے کہ جاں بر رہ او فدا ؂ نیابی رہش جُز پئے مُصطفٰےؐ[3]
(درِثمین ص ۶۸)

سیّد شاں آنکہ نامش مصطفٰےؐ است ؂ رہبرِ ہر زمرۂ صدق و صفا است
مے درخشد رُوئے حق در رُوئے او ؂ بوئے حق آید ز بام و کوئے اُو
ہر کمالِ رہبری بر وے تمام ؂ پاک رُوئے و پاک رویاں را امام
اے خدا اے چارۂ آزارِ ما ؂ کن شفاعت ہائے او در کارِ ما[4]

---

[1] ترجمہ: اگر وہ اتفاق سے کبھی جُدا ہو جائے تو تیرے بدن سے جان نکلنے لگتی ہے۔ اس کی جدائی میں تیرا دل کباب ہو جاتا ہے، اس کے جانے سے تیری آنکھیں پُر آب ہو جاتی ہیں۔

[2] ترجمہ: جب تک عشق، سودا اور جنون نہ ہو، وہ بے مثال محبوب اپنا جلوہ نہیں دکھاتا۔

[3] ترجمہ: وہ خدا جس کی راہ میں ہماری جان قربان ہے، تجھے اس کی راہ مصطفٰےؐ کی پیروی کے بغیر نہیں مل سکتی۔

[4] ترجمہ: وہ ان (فانی فی اللہ) لوگوں کا سردار جس کا نام مصطفٰےؐ ہے، تمام اہل صدق و صفا کا رہنما وہی ہے، اس کے چہرہ میں خدا کا چہرہ چمکتا ہے۔ اس کے در و دیوار سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ رہبری کے تمام کمالات اس پر ختم ہیں، وہ خود بھی مقدس ہے اور تمام مقدسوں کا امام ہے۔ اے خدا اے ہمارے دکھوں کی دوا، ہمارے معاملہ میں اس کی شفاعت ہمیں نصیب کر۔

ہر کہ مہرش در دل و جانش فتد ❊ ناگہاں جانے در ایمانش فتد

کے ز تاریکی بر آید آں غراب ❊ کور مد زیں مشرقِ صدق و صواب

آنکہ او را ظلمتے گیرد براہ ❊ نیستش چوں روئے احمدؐ مہر و ماہ

تابعش بحرِ معانی مے شود ❊ از زمینی آسمانی مے شود

ہر کہ در راہ محمدؐ زد قدم ❊ انبیاء را شد مثیل آں محترم[1]

(درثمین صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰)

بے تو ہرگز دولتِ عرفاں نے یابد کسے ❊ گرچہ میرد در ریاضت ہا و جہدِ بیشمار[2]

(درثمین صفحہ ۹۳)

۳۔ کلامِ الٰہی

ہست دار روئے دل کلامِ خدا ❊ کے شوی مست جز بجامِ خدا[3]

(درثمین صفحہ ۹۳)

---

[1] ترجمہ: جس کے دل و جان میں اس کی محبت داخل ہو جاتی ہے، اس کے ایمان میں اچانک جان پڑ جاتی ہے۔ وہ کوا اندھیرے سے کیسے نکل سکتا ہے، جو اس صدق و صفا کے چشمہ سے دور بھاگے۔ جس کسی کو راستہ میں تاریکی گھیرے، اُس کے لئے احمدؐ کے چہرہ کے سوا اور کوئی چاند سورج نہیں۔ اس کا پیرو معرفت کا مندر بن جاتا ہے اور زمینی سے آسمانی بن جاتا ہے۔ جس کسی نے محمدؐ کے طریقہ پر قدم مارا وہ قابل عزت شخص نبیوں کا مثیل بن جاتا ہے۔

[2] ترجمہ: تیرے بغیر اے رسولؐ، کوئی بھی عرفان کی دولت نہیں پا سکتا، اگرچہ بیشمار مشقتوں اور کوششوں میں جان بھی گنوا ڈالے۔

[3] ترجمہ: دل کی دوا خدا کا کلام ہے، تو اُس خدا کے جام کے بغیر کبھی مست نہیں ہو سکتا۔

قدرِ فرقاں نزدت اے غدّار نیست ٭ ایں ندانی کت جزا ز وے یار نیست
وحیِ فرقاں مُردگاں را جاں دہد ٭ صد خبر از کوچۂ عرفاں دہد
از یقیں ہا مے نماید عالمے ٭ کاں نہ بیند کس بصد عالم ہمے[1]

(درثمین صہ ۴۸)

ایں کتابے پیشِ چشمِ ما نہاد ٭ تا ازو راہِ ہُدیٰ داریم یاد
تا شناسی آں خُدائے پاک را ٭ کو نماند خاکیان و خاک را[2]

(درثمین صہ ۲۰۳)

ہست وَاللہ کلامِ رَبّانی ٭ از خُدا، آلۂ خُدا دانی
اژدہائے دَماں کہ نَفسش نام ٭ بے کلامِ خُدا نہ گردد رام
ایں فسوں است، بہرایں مارے ٭ کز لبِ یار، یک دو گُفتارے
وہ چہ دارد اَثر، کلامِ خُدا ٭ دیو بگریزد، از پیامِ خُدا[3]

---

[1] ترجمہ: اے غدّار تیرے نزدیک قرآن کی کوئی قدر نہیں، تجھے یہ علم نہیں کہ اس کے بغیر تیرا کوئی مددگار نہیں۔ قرآن کی وحی مُردوں کو زندگی بخشتی ہے، اور معرفت الٰہی کے کوچہ کی سینکڑوں خبریں دیتی ہے۔ اور یقین کی ایک ایسی دنیا دکھاتی ہے، جس کو کوئی سینکڑوں جہانوں میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔

[2] ترجمہ: اسی خدا نے یہ کتاب ہماری آنکھوں کے سامنے رکھی ہے، تاہم اس کے ذریعہ ہدایت کا راستہ یاد کرلیں تا تو اس خدائے پاک کو پہچان لے، جو دنیا والوں اور دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔

[3] ترجمہ: خدا کی قسم یہ خُدا کا کلام ہی ہے، جو خُدا کی طرف سے خداشناسی کا ذریعہ ہے۔ وہ پھنکارتا ہوُا اژدہا جس کا نام نفس ہے، وہ خُدا کے کلام کے بغیر رام نہیں ہوتا۔ اس سانپ کا یہی منتر ہے کہ محبوب کے مُنہ سے ایک دو باتیں (سنی جائیں) واہ واخدا کے کلام میں کیسی تاثیر ہے، کہ اس کے پیغام سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

دُزد را کار ہست، باشب تار ❊ چُوں سَحَر شُد، گریزداں غدّار
ہمچو قولِ خُدا، کُدام سَحَر ❊ کہ رَوَد تیرگی، ازو یکسر
ہر کہ ایں در، بُرو خُدا بکشاد ❊ بے توقّف، خُدایش آمد یاد[1]

(درثمین ص۲۲۸)

۴۔ صحبتِ صالحین

ہر کہ روشن شد دل وجان و دروں از حضرتش ❊ کیمیا باشد بسر بُردن دمے در صحبتش[2]

(درثمین ص۲۴۹)

از بندگانِ نفس رہِ آں یگاں مپرس ❊ ہر جاکہ گرد خاست سوارے دراں بجو
آں کس کہ ہست از پئے آں یار بیقرار ❊ رو صحبتش گزیں وقرارے دراں بجو
برآستانِ آنکہ زخود رفت بہرِ یار ❊ چوں خاک باش و مرضئ یارے دراں بجو
مرداں بہ تلخ کامی وحرقت بدو رسند ❊ حرقت گزیں وفتح حصارے دراں بجو[3]

---

[1] ترجمہ: چور کا تعلّق صرف اندھیری رات سے ہے، جب صبح ہوتی ہے تو غدّار بھاگ جاتا ہے۔ خدا کے کلام جیسی اور کونسی صبح ہے، جس سے اندھیرا بالکل دُور ہو جائے۔ جس پر خدا یہ دروازہ کھول دیتا ہے، اسے بلا توقف خدا یاد آجاتا ہے۔

[2] ترجمہ: جس کا دل، جان اور سینہ خدا کی طرف سے روشن ہو گیا ہے، اس کی صحبت میں ایک لمحہ گذارنا بھی کیمیا ہے۔

[3] ترجمہ: نفس کے غلاموں سے اس یکتا خدا کا راستہ مت پوچھ، جہاں کہیں سے گرد اٹھی ہے وہاں سوار کو تلاش کر۔ جو شخص اس محبوب کے لئے بیقرار ہے، جا اس کی صحبت اختیار کر اور وہاں سکون قلب تلاش کر۔ اس شخص کی چوکھٹ پر جو یار کے لئے بیخود ہو چکا ہے، خاک کی طرح ہو جا اور وہاں محبوب کی خوشنودی تلاش کر۔ جوانمرد تلخی اور سوزش سے اس تک پہنچتے ہیں، تو بھی سوز اختیار کر اور اسی میں کامیابی تلاش کر۔

برمسندِ غرور نشستن طریق نیست ٭ ایں نفسِ دُوں بسوز ونگارے دروں بجو[1]

(درثمین صـ۳۰۰)

خدا راست آں بندگانِ کرام ٭ کہ از بہرِ شاں مے کند صبح و شام
بدنبال چشمے چو مے بنگرند ٭ جہانے بدنبال خود مے کشند
اثر ہاست در گفتگو ہائے شاں ٭ چکد نور وحدت ز روہائے شاں
دراو شاں بہ اظہارِ ہر خیر و شر ٭ نہادست حق خاصیت مستتر
بگفتن اگرچہ خدا نیستند ٭ ولے از خدا ہم جُدا نیستند[2]

(درثمین صـ۳۲۲)

۵۔ یقینِ کامل

اے کہ تو طالبِ خدا ہستی ٭ آں یقیں جو کہ بخشدت مستی
آں یقیں جو، کہ سیلِ تو گردد ٭ ہمہ دریار، میلِ تو گردد[3]

---

[1] ترجمہ: غرور کی مسند پر بیٹھنا صحیح راستہ نہیں۔ اس ذلیل نفس کو جلا کر راکھ کردے اور اس میں محبوب کو تلاش کر۔

[2] ترجمہ: خدا کے بزرگ بندے ایسے بھی ہیں جن کی خاطر وہ صبح اور شام کو پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کن انکھیوں سے دیکھتے ہیں تو ایک جہان کو اپنے پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔ ان کی باتوں میں اثر ہوتا ہے، ان کے چہروں سے وحدت کا نور ٹپکتا ہے۔ ان میں نیکی بدی کے اظہار کے لئے خدا نے ایک مخفی خاصیت رکھ دی ہے۔ اگرچہ ہم انہیں خدا نہیں کہہ سکتے لیکن وہ خدا سے جُدا بھی نہیں ہیں۔

[3] ترجمہ: اے کہ تو جو خدا کا طالب ہے، وہ یقین تلاش کر جو تجھے بے خود بنا دے۔ وہ یقین ڈھونڈ جو تیرے لئے سیلاب بن جائے اور تجھے خدا کی طرف بہا کر لے جائے۔

آں یقیں جو کہ آتشِ افروزد ؁ ہر چہ غیر خدا ہمہ سوزد
از یقیں ست زُہد و عرفاں ہم ؁ گفتمت آشکار و پنہاں ہم
جُز یقیں، دینِ تو چو مُردارے ؁ سر پُر از کبر و، دِل ریاکارے
بے یقیں، نفس گرددت چو سگے ؁ جُنبدش، نزدِ ہر فساد، رگے[1]

(درثمین صفحہ ۳۶۴)

ہمچو کرمی، بجُز کلامِ خدا ؁ مُردہ ہستی، بغیرِ جامِ خدا
آں یقینے، کہ بخشدت دادار ؁ چُوں خیالِ خودت نہد بکنار
آں یکے، از دہانِ دلدارے ؁ نکتہ ہائے شُنید و اسرارے
واں دگر، از خیالِ خود بگماں ؁ پس کُجا باشد، ایں دو کس یکساں
ذوقِ ایں مے، چو تو نمے دانی ؁ ہرزہ، عَوعَو کُنی، بنادانی
آں خُدا داں، کہ خود دِہد آواز ؁ نہ کہ از وہمِ کس، نُماید باز
واجب آمد ازیں، بہر دوراں ؁ کہ تکلّم کُند خُدائے یگاں[2]

(درثمین صفحہ ۳۵۷-۳۵۸)

---

[1] ترجمہ: وہ یقین ڈھونڈ جو آگ لگادے، اور جو کچھ خُدا کے سوا ہے اس کو جلا ڈالے۔ پرہیزگاری اور معرفت یقین سے ہی ملتی ہیں میں نے ہر بات تجھے آشکارا بھی بتائی ہے اور پوشیدہ بھی۔ یقین کے بغیر تیرا دین ایک لاشہ بے جان کی طرح ہے۔ سر تکبّر سے بھرا ہوا ہے اور دل ریاکاری میں مبتلا ہے۔ یقین کے بغیر تیرا نفس کتّے کی مانند بن جاتا ہے اور ہر بدی پر اسکی رگ اشرارت سے پھڑک اُٹھتی ہے۔

[2] ترجمہ: خُدا کے کلام کے بغیر تو ایک کیڑے کی طرح ہے۔ اور خدا کے جام (وصل) کے بغیر تو ایک مُردہ ہے۔ وہ یقین جو خدا عطا کرتا ہے۔ تجھے خیالی گھوڑے دوڑانے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ ایک شخص محبوب کے مُنہ سے لطف اور راز کی باتیں سُنتا ہے۔ اور دوسرا خود ہی خیالی پلاؤ پکار رہا ہے۔ یہ دونوں شخص کس طرح برابر ہوسکتے ہیں۔ تو چونکہ اس شراب کی لذّت سے واقف نہیں۔ اس لئے (کتّے کی طرح) فضول بھونکتا رہتا ہے۔ خدا صرف اسے سمجھو جو خود آواز دے۔ نہ کہ کسی کے قیاس سے وہ دکھائی دے۔ اسلئے ہر زمانہ میں لازم ہے، کہ خُدائے واحد خود ہی کلام کر کے اپنی ہستی ظاہر کرے۔

۶ ۔ ترکِ نفس

ہر کہ ترکِ خود کند یابد خدا ٭ چیست وصل از نفسِ خود گشتن جدا

لیک ترکِ نفس کے آساں بود ٭ مُردن از خود شدن یکساں بود

تا نہ آں بادے وزد در جانِ ما ٭ کو رُباید ذرّۂ امکانِ ما

کے دریں گرد و غبارے ساختہ ٭ مے تواں دید آں رُخ آراستہ

تا نہ قربانِ خدائے خود شویم! ٭ تا نہ محوِ آشنائے خود شویم

تا نہ باشیم از وجودِ خود بروں ٭ تا نہ گردد پُر ز مہرش اندروں

تا نہ بر ما مرگ آید صد ہزار ٭ کے حیاتے تازہ بینم از نگار؟[1]

(درثمین صفحہ ۲۳۶)

لاجرم طالبِ رضائے خدا ٭ بگسلد از ہمہ برائے خدا

شیوہ اش مے شود فدا گشتن ٭ بہرِ حق ہم زجاں جُدا گشتن[2]

---

[1] ترجمہ: جو شخص نفس کو چھوڑ دے وہ خدا کو پالیتا ہے، خدا کا وصل کیا ہے، اپنے نفس سے الگ ہوجانا لیکن نفس کو چھوڑنا آسان کام نہیں۔ مرنا اور نفس کو چھوڑنا برابر ہیں۔ جب تک ہمارے وجود پر وہ ہوا نہ چلے جو ہماری ہستی کے ذرّے ذرّے کو اُڑا لے جائے۔ اس گھمبیر گرد و غبار میں وہ مزین چہرہ کیسے نظر آ سکتا ہے۔ جب تک ہم اپنے خدا پر قربان نہ ہوجائیں۔ جب تک اپنے محبوب میں محو نہ ہوجائیں۔ جب تک ہم اپنے وجود سے علیحدہ نہ ہوجائیں۔ جب تک سینہ اس کی محبت سے بھر نہ جائے۔ جب تک ہم پر لاکھوں موتیں وارد نہ ہوں۔ ہمیں اس محبوب کی طرف سے نئی زندگی کس طرح مل سکتی ہے؟

[2] ترجمہ: سچی بات یہ ہے کہ خدا کی رضا کا طالب خدا کے لئے سب سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس کا شیوہ فداکاری اور خدا کی خاطر جان قربان کر دینا بن جاتا ہے۔

در رضائے خدا شدن چوں خاک ٭ نیستی و فنا و استہلاک
دل نہادن در آنچہ مرضئ یار ٭ صبر زیرِ مجاریئے اقدار
تو بحق نیز دیگرے خواہی ٭ ایں خیال است اصلِ گمراہی[1]
(درثمین ص۱۱۴)

۷- جہد

سالہا باید کہ خونِ دلخوری ٭ تا بکوئے دلستانے رہ بری
کے بآسانی رہے بکشایدت ٭ صد جنوں باید کہ تا ہوش آیدت[2]
(درثمین ص۱۲۶)

تا زِ تو ہستی ات، بدر نرَوَد ٭ ایں رگِ شرک از تو بر نرَوَد
پائے سَعیَت بلند تر نرَوَد ٭ تا تُرا دُودِ دل بسر نرَوَد
یار پیدا شوَد دراں ہنگام ٭ کہ تو گردی نہاں زِ خُود بتمام[3]
(درثمین ص۲۵۴)

---

[1] ترجمہ: نیز اس کا شیوہ خدا کی رضا کے لئے خاک کی مانند ہوجانا اور اسی کی رضا کے لئے نیستی، فنا اور ہلاکت قبول کرلینا بن جاتا ہے۔ یار کی مرضی میں محو ہوجانا اور قضاو قدر کی گردش پر صبر کرنا تو خدا کے ساتھ اوروں کو بھی چاہتا ہے بس یہی خیال گمراہی کی جڑ ہے۔

[2] ترجمہ: تجھے برسوں تک دل کا خون پینا پڑے گا، پھر کہیں جا کر تجھے محبوب کی گلی کا راستہ ملے گا۔ یہ راستہ تجھ پر آسانی سے نہیں کھل سکتا، ہوش میں آنے کے لئے تجھے سینکڑوں دیوانگیاں درکار ہیں۔

[3] ترجمہ: جب تک تیری خودی تجھ سے دُور نہ ہوجائے، یہ شرک کی رگ تجھ سے جُدا نہ ہوگی۔ جب تک تیری کوشش کا پاؤں انتہائی بلندی تک پہنچ جائے، جب تک تیرے دل کا دھواں سر سے اُوپر چلا جائے، کچھ نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھ یار اس وقت ظاہر ہوگا، جب تو اپنے آپ سے بالکل چھپ جائے گا۔

دین و دُنیا جہد خواہد ہم تلاش ✤ رو براہش جہد کن ناداں مباش[1]

(درثمین ص۲۱۳)

ہمت دُوں مدار، چوں دُوناں ✤ رَو، بجو یار را، چو مجنُوناں

ہر کہ جویائے اوست یافتہ است ✤ تافت آں رُو، کہ سر نتافتہ است

آفرین خُدا، براں مَردے ✤ کہ بریں در، شُدست، چوں گردے[2]

(درثمین ص۳۶۲)

۸۔ دُعا

چوں بماند زہر طرف ناچار ✤ نالد آخر بدرگہِ دادار

نعرہ ہامے زند بحضرتِ پاک ✤ وز تضرّع جبیں نہد برخاک

درِ خود بندد و بگرید زار ✤ کائے کشایندۂ رہِ دشوار

گنہِ من بہ بخش و پردہ بپوش ✤ تا نہ دشمن زند بشادی جوش[3]

(درثمین ص۱۱۸-۱۱۹)

---

[1] ترجمہ: دین اور دنیا پوری کوشش چاہتے ہیں، جا اس کی راہ میں کوشش کر نادان نہ بن۔

[2] ترجمہ: کمینے لوگوں کی طرح اپنی ہمت کو پست نہ رکھ، جا محبوب کے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ۔ جو کوئی اسکا طالب ہُوا اس نے اسے پالیا، وہی سرخرو ہوا جس نے اس سے سر نہ پھیرا۔ خدا کی طرف سے اس جوانمرد پر آفرین ہے جو اس دروازہ پر خاک کی طرح ہوگیا ہے ✤

[3] ترجمہ: انسان جب ہر طرف سے مایوس ہوجاتا ہے، تو آخر خدا کی بارگاہ میں جاکر روتا ہے۔ اسکی پاک درگاہ میں چیخ و پکار کرتا ہے اور اس کے حضور عاجزی سے اپنا ماتھا خاک پر رکھ دیتا ہے، اپنا دروازہ بند کرلیتا ہے اور رو رو کر عرض کرتا ہے کہ اے مشکل کشا میرے گناہ بخش اور میری پردہ پوشی فرما، تا میری حالت شماتتِ اعدا کا باعث نہ بنے ✤

رہ طلب کن بگریہ و زاری ٭ تا بجوشد ترحم باری[1]

(درثمین صفحہ ۳۴۵)

ہرآں کارے کہ گردد از دعائے محوِ جانانے ٭ نہ شمشیرے کند آں کار نے بادے نہ بارانے

عجب دارد اثر دستے کہ دستِ عاشقش باشد ٭ بگرداند جہانے را ز بہرِ کارِ گریانے

اگر جنبد لبِ مردے ز بہرِ آنکہ سرگرداں ٭ خدا از آسماں پیدا کند ہر نوعِ سامانے

ز کار افتادہ را برکاری آرد خدا زیں رہ ٭ ہمیں باشد دلیلِ آنکہ ہست از خلق پنہانے[2]

(درثمین صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۵)

۹۔ کبر اور عقل سے احتراز

عرفانِ الٰہی کے حصول میں بڑی روکیں دو ہیں۔ ایک تکبر اور دوسری عقل۔ کبھی انسان عقل کی وجہ سے مغرور ہو جاتا ہے۔ اور کبھی مغرور ہونے کی وجہ سے عقل پر ناز کرنے لگ جاتا ہے۔ بہرکیف ہر دو بھاری پتھر ہیں۔ جن کو راستہ سے ہٹائے بغیر انسان عرفانِ الٰہی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] ترجمہ: تو گریہ و زاری سے راستہ تلاش کر تا خدا کا رحم جوش مارے۔

[2] ترجمہ: جو کام اس شخص کی دعا سے ہو سکتا ہے جو محبوب حقیقی میں محو ہے۔ وہ کام نہ تلوار کر سکتی ہے، نہ ہوا اور نہ ہی بارش۔ خدا کے عاشق کے دستِ دعا میں عجیب اثر ہوتا ہے۔ وہ کسی چشمِ پُر آب سائل کے لئے ایک جہان کو گردش میں لے آتا ہے۔ اگر مردِ خدا کے ہونٹ کسی سرگردان کی خاطر دعا کے لئے ہلیں، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیتا ہے۔ ایک بے کار شخص کو وہ دعا کے ذریعہ برسرِ روزگار کر دیتا ہے۔ اس خدا کے جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے، موجود ہونے کی یہی دلیل ہے۔

از خردمنداں مرا انکار نیست ٭ لیکن ایں رہ راہِ وصلِ یار نیست
تا نہ باشد عشق و سودا و جنوں ٭ جلوہ ننماید نگارِ بے چگوں
چوں نہاں است آں عزیزے محترم ٭ ہر کسے راہے گزینہ لاجرم
آں رہے کو عاقلاں بگزیدہ اند ٭ از تکلف روئے حق پوشیدہ اند
پردہ ہا بر پردہ ہا انداختہ ٭ مطلبے نزدیک دُور انداختہ
ماکہ با دیدارِ او روتافتیم ٭ از رہِ عشق و فنائش یافتیم
ترکِ خود کردیم بہرِ آں خُدا ٭ از فنائے ما پدید آمد بقا
اندریں راہ دردِ سر بسیار نیست ٭ جان بخواہد دادنش دشوار نیست
گر نہ او خواندے مرا از فضل و جود ٭ صد فضولی کردمے بے سود بود[1]

(درثمین ص ۲۳۸)

---

[1]: مجھے داناؤں کی دانائی سے انکار نہیں۔ لیکن یہ راہ محبوب کے وصل کی راہ نہیں۔ جب تک عشق اور سودا اور جنون نہ ہو۔ وہ بے مثال محبوب اپنا جلوہ نہیں دکھاتا۔ چونکہ وہ قابل احترام محبوب پوشیدہ ہے اس لئے (اس سے ملنے کی خاطر) ہر شخص کوئی نہ کوئی راستہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن عقل والوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے، اس سے خدا کا چہرہ چھپ گیا ہے۔ انہوں نے پردوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور وہ مقصد جو نزدیک تھا اسے دور کر دیا ہے۔ ہم لوگ جنہوں نے اس کے دیدار سے اپنا چہرہ روشن کیا ہے۔ ہم نے اسے عشق اور فنا کے راستہ سے ہی پایا ہے۔ اس خدا کے لئے ہم نے اپنی خودی چھوڑ دی، تو ہماری فنا کے نتیجہ میں بقا پیدا ہو گئی۔ اس راہ میں کچھ زیادہ دردسر برداشت کرنا نہیں پڑتا۔ وہ صرف جان مانگتا ہے۔ جس کا دینا کچھ مشکل نہیں۔ اگر وہ اپنے فضل و کرم سے مجھے خود نہ بلاتا، تو خواہ وہ کتنی ہی بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا سب بے فائدہ تھیں۔

باخُدا ہم دعوائے فرزانگی ❊ سخت جہل است ورگِ دیوانگی
تافتن رو از خورِ تاباں کہ من ❊ خود برارم روشنی از خویشتن
عالمے راکور کردست ایں خیال ❊ سرنگوں افگند در چاہِ ضلال
ناز بر فطنت مکن گر فطنتے ست ❊ در رہ تو ایں خردمندی بُتے ست
عقل کاں با کبر میدارند خلق ❊ ہست حمق و عقل پندارند خلق
کبر شہرِ عقل را ویراں کُند ❊ عاقلاں را گمرہ و ناداں کُند
آنچہ افزاید غرور و معجبی ❊ چوں رساند تا خدایت اے غوی؟[1]

(درثمین صـ۵۵)

۱۰۔ قصوّں سے پرہیز

ایک اور چیز جو انسان کے لئے بہت سی محرومیوں کا باعث بنتی ہے وہ قصے کہانیاں ہیں۔ لوگ اپنے انبیا اور بزرگوں کے متعلق بہت سے عجیب وغریب اور مبالغہ آمیز قصے گھڑ لیتے ہیں۔ جن کا حقیقت سے دُور کا تعلق بھی نہیں ہوتا اور جب کبھی نیا مامور آتا ہے تو اس سے

---

[1] ترجمہ:۔ خُدا کے مقابل عقلمندی کا دعویٰ کرنا، سخت جہالت اور دیوانگی ہے۔ اس خیال کی بنا پر روشن سورج سے منہ پھیر لینا۔ کہ مَیں اپنے اندر سے ہی روشنی نکال لوں گا۔ اُس نے ایک دنیا کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے۔ اور گمراہی کے کوئیں میں سر کے بل گرا دیا ہے۔ اگر (تجھ میں) کچھ عقل ہے تو اس پر نازمت کر۔ یہ عقلمندی تیری راہ میں ایک بت ہے، لوگوں کے پاس جو تکبّر سے آلودہ عقل ہے وہ دراصل بیوقوفی ہے جسے وہ عقل سمجھ رہے ہیں۔ تکبّر عقل کے شہر کو اجاڑ دیتا ہے، اور عقلمندوں کو گمراہ اور بیوقوف بنا دیتا ہے۔ جو چیز غرور اور تکبّر کو بڑھاتی ہے، اے گمراہ وہ تجھے خدا تک کیسے پہنچا سکتی ہے؟

ویسی ہی ناممکن باتوں کا مطالبہ کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ مطالبہ پورا نہیں ہوتا، تو وہ خدا کے فرستادوں کا انکار کرکے ہر قسم کی برکتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان قصوں سے اصلاح نفس میں بھی کوئی مدد نہیں ملتی۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، گناہ سے چھڑانے کا ذریعہ یقینِ کامل ہے۔ اسی سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ نہ ہو تو نیکی کی طرف راغب ہونا مشکل ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :-

دینِ شاں بر قصہ ہا دار و مدار ٭ گفتگو ہا بر زباں دل بے قرار

فرق بسیار است در دید و شنید ٭ خاک بر فرقِ کسے کیں را ندید

دید را کُن جستجو اے ناتمام ٭ ورنہ در کارِ خودی بس سرد و خام

بر سماعت چوں ہمہ باشد بنا ٭ آں نیفزاید جوئے صدق و صفا

صد ہزاراں قصہ از روئے شنید ٭ نیست یکساں با جوئے کاں ہست دید

دیں ہماں باشد کہ نورش باقی است ٭ واز شرابِ دید ہر دم ساقی است[1]

(درثمین ص۱۴۳)

---

[1] ترجمہ :- ان کے دین کا دار و مدار قصّوں پر ہے، زبانوں پر تو باتیں ہیں، لیکن دل کو قرار نہیں۔ دید اور شنید میں بڑا فرق ہے۔ اس شخص کے سر پر خاک جسے یہ بات سمجھ نہ آئی۔ اے ناقص انسان! دید کی جستجو کر۔ ورنہ تو اپنے کام میں بالکل خام رہے گا۔ جب ساری بنیاد صرف شنید پر ہو، تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ صدق و صفا میں جَو بھر بھی زیادتی نہیں کرتی۔ لاکھوں سُنے سُنائے قصے ذرا بھی اس چیز کی برابری نہیں کر سکتے، جو آنکھوں دیکھی ہو۔ دین وہی ہے جس کا نور باقی ہو اور ہر لمحہ دیدار کی شراب پلاتا ہو ٭

قصّہا پیش مے کُنی، زِ ضلال ⁂ کایں کرامات ہائے اہلِ کمال

گر دَریں قصّہ ہا اثر بُود ے ⁂ دِلَت، از رِجس، دُور تر بُود ے

قصّہ ہا، گر بیاں کُنی تو ہزار ⁂ کے رَمَد از تو، خُبث دل زِنہار

زیں قِصَص، ہیچ راہ نکشاید ⁂ صَد ہزاراں بگو، چہ کار آید

بِنشیں مُدّتے باہلِ یقین ⁂ تا دِہندت، دو دیدۂ حق بین

اندرونِ تو ہست دیو خصال ⁂ بر زباں، قِصّہ ہائے از اَبدال[1]

(درِ ثمین صفحہ ۳۵۶)

---

[1] ترجمہ: تو کئی گمراہ کن قِصّے پیش کرتا ہے کہ یہ اہلِ کمال کی کرامات ہیں۔ اگر ان قصّوں میں کوئی اثر ہوتا، تو تیرا دل ناپاکی سے بہت دُور رہتا۔ اگر تو ہزاروں قِصّے بھی بیان کرتا رہے، تب بھی تیرے دل کی خباثت ہرگز دُور نہیں ہو سکتی۔ ان قصّوں سے کوئی راستہ نہیں کھلتا، لاکھوں بیان کرو، کس کام آسکتے ہیں۔ کچھ مدّت تو اہلِ یقیں کی صحبت میں بیٹھ تا تجھے دو حق شناس آنکھیں ملیں۔ تیرے اندر تو شیطان والی خصلتیں ہیں، اور زبان پر ابدالوں کے قِصّے ہیں ⁂

اعتراضات کے جوابات

حضرت اقدس نے اپنے فارسی کلام میں زیادہ تر ان اعتراضات کے جواب دیئے ہیں، جو اس زمانہ کے بدباطن مخالف اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کرتے تھے۔ چونکہ آپ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ اس لئے جب ان پر بیہودہ اعتراض کئے جاتے تو آپ کو بہت دکھ ہوتا تھا، جو نہایت ہی پُر درد اور بلیغ کلام کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

رہبرِ ما سیدِ ما مُصطفٰےؐ است[1] ٭ آنکہ ندیدست نظیرش سروش
آنکہ خُدا مثلِ رُخش نافرید ٭ آنکہ رَہش مخزنِ ہر عقل و ہوش
دشمنِ دیں حملہ بروے کند ٭ حیف بُوَد، گر بنشینم خموش
چُوں سُخنِ سِفلہ بگوشم رسید ٭ در دلِ من، خاست چو محشر خروش
چند تُو انم کہ شکیبے کُنم ٭ چند کُند صبر، دلِ زہر نوش

---

[1] ترجمہ:۔ ہمارے رہبر اور آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کا ثانی فرشتوں نے بھی نہیں دیکھا۔ ان جیسا چہرہ خُدا نے اور کوئی پیدا نہیں کیا، ان کا دین عقل و دانش کا خزانہ ہے۔ دین کا دشمن ان پر حملہ کر رہا ہے، مجھ پر افسوس اگر مَیں اب بھی خاموش بیٹھا رہوں۔ جب اس کمینے کی بات میرے کان میں پڑی، تو میرے دل میں شور قیامت برپا ہو گیا۔ مَیں کب تک صبر کرتا رہوں، زہر پینے والا دل آخر کب تک صبر کر سکتا ہے۔

آں نہ مسلماں، بتر از کافرست ❊ کش نبود، از پئے آں پاک جوش

جاں شود، اندر رہِ پاکش فدا ❊ مژدہ ہمیں است گر آید بگوش

سر کہ نہ در پائے عزیزش رود ❊ بارِ گراں است، کشیدن بدوش[1]

(درثمین صـ۲۰۱)

بعض بدباطن عیسائی مصنفین نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیرالازواجی پر زبان طعن دراز کی اور اسے سوامی دیانند کے چیلے چانٹوں نے خوب اچھالا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے انتہائی جوش مگر پوری متانت سے ان کا جواب دیا۔ چونکہ یہ جواب بہت لمبا ہے اس لئے نمونہ کے طور پر اس کا ایک اقتباس ہی پیش کیا جاتا ہے۔ جس پہ وضاحت کے لئے جگہ جگہ عنوانات لگا دیئے گئے ہیں۔

ا۔ جو ہستی تمام دنیا کے لئے منارۂ نُور اور دانائی کا کام دے رہی ہو۔ اس پر کوئی مُنصف اور سنجیدہ مزاج شخص شہوت پرستی کا الزام نہیں دے سکتا۔ فرمایا:

مے دہد فرعونیاں را ہر زماں ❊ چو ید بیضائے موسیٰ صد نشاں!

آں نبی در چشمِ ایں کورانِ زار ❊ ہست یک شہوت پرست و کیں شعار

شرمت آید اے سگِ ناچیز و پست ❊ مے نہی نامِ یلاں شہوت پرست[2]

---

[1] ترجمہ: وہ شخص مسلمان نہیں بلکہ کافروں سے بھی بدتر ہے، جسے اس پاک نبی کے لئے غیرت نہیں۔ اس کے پاک مذہب پر ہماری جان فدا ہو۔ اصل خوشخبری یہی ہے اگر کبھی سُن سکیں۔ وہ سر جو اس کے مبارک قدموں میں کٹ کر نہ گرے، اسے کندھوں پر لئے پھرنا ناقابل برداشت بوجھ ہے۔

[2] ترجمہ: وہ جو ہر وقت فرعون صفت لوگوں کو ید بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہے۔ وہ نبی ان ذلیل اندھوں کی نظر میں ایک شہوت پرست اور کینہ ور شخص ہے۔ اے حقیر و ذلیل کتے تجھے شرم آنی چاہیئے کہ تو پہلوانوں کا نام شہوت پرست رکھتا ہے۔

ایں نشانِ شہوتی ہست اے لئیم! ٭ کز رُخش رخشاں بود نورِ قدیم
در شبے پیدا شود روزش کند ٭ در خزاں آید دل افروزش کند
مظہرِ انوارِ آں بے چوں بود ٭ در خرد از ہر بشر افزوں بود
اتباعش آں دہد دل را کشاد ٭ کش نہ بیند کس بصد سالہ جہاد
اتباعش دل فروزد جاں دہد ٭ جلوۂ از طاقتِ یزداں دہد
اتباعش سینہ نورانی کند ٭ باخبر از یارِ پنہانی کند
منطق او از معارف پُر بود ٭ ہر بیانِ او سراسر دُر بود
از کمالِ حکمت و تکمیل دیں ٭ پا نہد بر اوّلین و آخریں
و از کمالِ صورت و حُسنِ اتم ٭ جملہ خوباں را کند زیرِ قدم
تابعش چوں انبیاء گردد ز نُور ٭ نورِش اُفتد بر ہمہ نزدیک و دُور[1]

(درثمین صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۲)

---

[1] ترجمہ: اے کمینے کیا یہ شہوت پرست کی علامت ہے کہ اس کے چہرہ سے ازلی نُور چمکتا ہے۔ اگر وہ رات کے وقت باہر آئے تو اسے دن بنا دے۔ خزاں کے موسم میں نکلے تو اسے دل کو روشن کرنے والی بہار بنا دے۔ اس بے مثل ہستی (خدا) کے انوار کا مظہر ہو، اور دانائی میں ہر انسان سے بڑھا ہوا ہو۔ اس کی پیروی دل کو اس قدر انشراح بخشے جسے کوئی شخص سینکڑوں سالوں کی کوشش سے بھی حاصل نہ کر سکے۔ اسکی پیروی دل کو روشن کرے، زندگی بخشے، خدائی طاقتوں کی تجلی دکھائے۔ اسکی پیروی سینہ کو نورانی کرے اور پوشیدہ محبوب سے آگاہ کرے۔ اس کا کلام معارف سے پُر ہو۔ اور اسکی تمام باتیں سراسر موتی ہوں۔ دانائی کے کمال اور شریعت کو مکمل کرنیکی وجہ سے اگلوں پچھلوں سب پر فائق ہو۔ اور شکل وصورت کے کمال اور انتہائی حسن کی بنا پر سب حسینوں کو مات کر دے۔ اس کا پیرو نورانیت کی وجہ سے نبیوں کی مانند ہو جائے اور اس کی روشنی نزدیک اور دُور سب پر پڑے ؛

ب - دلیر اور بہادر آدمی کسی ادنیٰ جذبہ کے تابع اور مطیع نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ہر چیز پر حاکم ہوتے ہیں:

شیرِ حق پُر ہیبت از ربِّ جلیل ⁂ دشمناں پیشش چو رُوباہِ ذلیل
ایں چنیں شیرے بود شہوت پرست؟ ⁂ ہوش کُن اے رُوبہے ناچیز و پست
چیستی اے کورکِ فطرت تباہ؟ ⁂ طعنہ بر خوباں بدیں روئے سیاہ
شہوتِ شاں از سرِ آزادی است ⁂ نے اسیرِ آں چو تو آں قوم مست
خوذ نگہ کُن آں یکے زندانی است ⁂ واں دگر داروغۂ سلطانی است
گرچہ در یکجاست ہر دو را قرار ⁂ لیک فرقے ہست دُوری آشکار
کارِ پاکاں بر بداں کردن قیاس ⁂ کارِ ناپاکاں بود اے بدحواس

(درِ ثمین صـ۱۳۲)

ج - خدا تعالیٰ کے کامل محبّ یادِ الٰہی کے ساتھ دوسری ہر قسم کی ذمہ داریوں کے نبھانے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعلیٰ مقاصد کی خاطر زیادہ شادیاں کیں تو انہیں بطریقِ احسن نبھایا بھی

لے ترجمہ: وہ جو خُدا تعالیٰ کی طرف سے سچائی کا پُر ہیبت شیر ہو اور دشمن اس کے سامنے ذلیل لومڑی کی طرح ہوں۔ کیا ایسا شیر شہوت پرست ہُوا کرتا ہے؟ اے ذلیل و حقیر لومڑی ہوش میں آ۔ اے ذلیل بدفطرت اندھے تو کیا چیز ہے؟ کہ اس کالے مُنہ سے حسینوں پر طعنہ زنی (کرتا ہے)۔ ان (عاشقانِ الٰہی) کی شہوت آزادی کی بنا پر ہے، تیری طرح وہ مست جماعت شہوت کی قیدی نہیں۔ تو آپ غور کر کہ ایک شخص تو قیدی ہے اور دوسرا شخص شاہی داروغہ ہے، اگرچہ دونوں کی رہائش ایک ہی جگہ ہے لیکن فرق ہے اور ان میں دوری ظاہر ہے۔ پاکوں کے معاملات کا بدوں پر قیاس کرنا، اے بیوقوف انسان ناپاک لوگوں کا کام ہے۔

کاملاں کز شوقِ دلبر مے روند ❊ با دو صد بارے سبکتر مے روند
ایں کمال آمد کہ با فرزند و زن ❊ از ہمہ فرزند و زن یکسو شدن
در جہان و باز بیروں از جہاں ❊ بس ہمیں باشد نشانِ کاملاں
چوں ستورے زیرِ بار افتد بسر ❊ در تہی رفتن سریع و تیز تر
ایں چنیں اسپے کجا آید بکار ❊ تا بکار است ایں در اسپانش مدار
اِسپ آں اسپ است کو بارِ گراں ❊ مے کشد ہم مے رود بس خوش عناں
کاملے گر زن بدارد صد ہزار ❊ صد کنیزک صد ہزاراں کاروبار
پس گر افتد در حضورِ او فتور ❊ نیست آں کامل ز قربت ہست دُور
نیست آں کامل نہ مردے زندہ جاں ❊ گر خرد مندی ز مرد انش مخواں
کامل آں باشد کہ با فرزند و زن ❊ با عیال و جملہ مشغولیٔ تن![1]

---

[1] ترجمہ: کامل لوگ جو دلبر کے شوق میں رواں ہیں۔ وہ دو سَو بوجھوں کے باوجود ہلکے پھلکے چلتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اس کام، اولاد اور بیویوں کے باوجود سب اولاد اور بیویوں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ دنیا میں بھی ہیں۔ پھر بھی دنیا سے الگ ہیں۔ بس کامل لوگوں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔ جب کوئی گھوڑا بوجھ تلے آ کر سر کے بل گر پڑے، مگر خالی چلنے میں چالاک اور تیز ہو، ایسا گھوڑا کہاں کام آسکتا ہے۔ وہ تو نکما ہے، اسے گھوڑوں میں مت شمار کرو۔ گھوڑا وہ گھوڑا ہے جو بھاری بوجھ اُٹھا کر باگ کے محض اشارے پر چلتا ہے۔ اگر کسی کامل انسان کی لاکھوں عورتیں ہوں، سینکڑوں لونڈیاں اور لاکھوں کاروبار ہوں۔ پھر بھی اگر (خدا کی طرف) اسکی توجہ میں سُستی پیدا ہو جائے تو وہ کامل نہیں۔ وہ خدا کے قرب سے دور ہے۔ نہ تو وہ کامل ہے اور نہ وہ کوئی بیدار مغز مرد ہے، اگر تو عقلمند ہے تو اُسے مَردوں میں شامل مت سمجھ۔ کامل وہ ہے جو بیوی بچوں کے باوجود اور باوجود اہل و عیال اور جسمانی مشاغل کے،

باتجارت باہمہ بیع و شرا ؛ یک زماں غافل نہ گردد از خُدا
ایں نشانِ قوّتِ مردانہ است ؛ کاملاں رابس ہمیں پیمانہ است[1]

(درثمین ص۱۳۳و۱۳۴)

د ۔ عاشقانِ روئے خدا کو بھلا کر کسی دوسرے خیال میں محو ہونے کی گنجائش کہاں؟ ذرا آنحضرتؐ کی زندگی پر نظر دوڑائیے، اور محبوبِ حقیقی کے لئے آپؐ کی محویت دیکھئے :۔

سوختہ جانے زعشقِ دِلبرے ؛ کے فراموشش کند با دیگرے
او نظر دارد بغیر و دل بہ یار ؛ دست درکار و خیال اندر نگار
دل طپاں در فرقتِ محبوبِ خویش ؛ سینہ از ہجراں یارے ریش ریش
او فتادہ دُور از روئے کسے ؛ دل دواں ہر لحظہ در کوئے کسے
خم شدہ از غم چو ابروئے کسے ؛ ہر زماں پیچاں چو گیسوئے کسے
دلبرش در شد بجان و مغز و پوست ؛ راحتِ جانش بیاد روئے اوست
جان شد او کے جان فراموشش شود؟ ؛ ہر زماں آید ہم آغوشش شود[2]

---

[1] ترجمہ: باوجود تجارت اور خرید و فروخت کے کسی وقت بھی خدا سے غافل نہ رہے ۔ یہ مردوں والی طاقت کا نشاں ہے اور کامل لوگوں کا یہی معیار ہے ۔

[2] ترجمہ :۔ جو شخص کسی دلبر کے عشق میں دل جلا ہو، وہ کسی دوسرے کی موجودگی میں بھی اسے کیسے بھول سکتا ہے؟ اس کی نظر غیروں کی طرف ہوتی ہے لیکن دل یار میں محو ہوتا ہے۔ گویا ہاتھ کام میں اور دھیان محبوب میں ۔ اپنے محبوب کے خیال میں اسکا دل تڑپتا رہتا ہے اور سینہ دوست کے ہجر میں زخمی۔ وہ محبوب کے چہرے سے دُور پڑا ہے، لیکن دل ہر وقت کسی دلیعنی محبوب کے کوچہ میں دوڑ رہا ہوتا ہے۔ وہ کسی کے ابرو کی طرح غم کے مارے خمیدہ ہو گیا ہے۔ اور ہر وقت کسی کی زلفوں کی طرح پیچ و تاب میں ہے۔ اسکا دلبر اسکی جان، مغز اور پوست میں رچ گیا ہے اس کے دل کی راحت اسکے مکھڑے کی یاد میں ہے، وہ دلبر اسکی جان بن گیا ہے۔ اور جان کب بھلائی جا سکتی ہے۔ وہ ہر وقت آتا ہے اور اس سے بغل گیر ہو جاتا ہے ۔

دیدہ چوں بر دلبرِ مست اوفتد ٭ ہر چہ غیر اوست از دست اوفتد
غیر گو در بر بود دوراست دُور ٭ یار دُور افتادہ ہر دم در حضور[1]

(درثمین ص۱۳۴،۱۳۵)

ھ - عاشقوں کے ظاہری حالات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے ؎

کاروبارِ عاشقاں کارِ جُدا ست ٭ بر تر از فکر و قیاساتِ شماست
قوم عیّارست دل در دلبرے ٭ چشم ظاہر بیں بر دیوار و درے
جاں بخروشاں از پئے مہ پیکرے ٭ بر زبان صد قصّہ ہا از دیگرے
فانیاں را منعے از یار نیست ٭ بچّہ و زن بر سرِ شاں بار نیست
باد و صد زنجیر ہر دم پیش یار ٭ خار با او گل گل اندر ہجرِ خار
تو بیک خارے بر آری صد فغاں ٭ عاشقاں خنداں بپائے جانفشاں[2]

(درثمین ص۱۳۵)

---

[1] ترجمہ: مست دلبر پر جب نظر پڑتی ہے، تو جو دوست کے سوا ہو وہ ہاتھ سے گر پڑتا ہے۔ غیر اگر پہلو میں بھی ہو تو پھر بھی بہت دُور ہے اور دُور گیا ہُوا دوست ہر وقت اپنے پاس ہی معلوم ہوتا ہے۔

[2] ترجمہ: عاشقوں کا کاروبار ایک اَور ہی قسم کا کاروبار ہے، جو تمہاری سوچ اور خیالات سے بالا ہے۔ یہ بڑی چالاک قوم ہے، دل تو کسی دلبر میں لگا ہوتا ہے۔ اور ظاہری آنکھیں کسی اَور ہی درو دیوار میں لگی ہوتی ہیں۔ انکی جان تو ایک حسین کیلئے تڑپتی ہے اور زبان پر دوسروں کے سینکڑوں قصّے ہوتے ہیں۔ فانی فی اللہ لوگوں کیلئے اس محبوب سے کوئی روک نہیں ہوتی۔ ان کے سر پر بیوی بچے بوجھ نہیں ہوتے، وہ سینکڑوں بندھنوں کے باوجود ہر دم دوست کے حضور میں رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہوتے ہُوئے ان کیلئے کانٹے پھول ہوتے ہیں۔ اور اس کی جدائی میں پھول کانٹے۔ تو ایک کانٹے سے سینکڑوں فریادیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن عاشق لوگ جان قربان کرتے وقت بھی ہنستے رہتے ہیں۔

و فانی فی اللہ لوگوں کے تمام اعمال ذات باری تعالیٰ کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے کسی ناجائز کام کے سرزد ہونے کا امکان نہیں ہوتا ہے

عاشقاں در عظمتِ مولیٰ فنا ٭ غرقۂ دریائے توحید از وفا
کین و مہرِ شان ہمہ بہرِ خدا ست ٭ قہرِ شاں گر ہست آں قہرِ خدا ست
آنکہ در عشقِ احد محو و فنا ست ٭ ہرچہ زو آید ز ذاتِ کبریا ست
فانی است و تیرِ او تیرِ حق است ٭ صیدِ او دراصل نخچیرِ حق است
آنچہ مے باشد خدا را از صفات ٭ خود دمد در فانیاں آں پاک ذات
خوئے حق گردد در ایشاں آشکار ٭ از جمال و از جلالِ کردگار
لطفِ شاں لطفِ خدا ہم قہرِ شاں ٭ قہرِ حق گردد نہ ہمچوں دیگراں
فانیاں ہستند از خود دُور تر ٭ چوں ملائک کارکُن از دادگر
گر فرشتہ قبض جانے مے کند ٭ یا کرم بر ناتوانے مے کند
ایں ہمہ سختی و نرمی از خدا ست ٭ او ز خواہش ہائے نفسِ خود جدا ست[1]

---

[1] ترجمہ: عاشق لوگ مولیٰ کی عظمت میں فنا ہوتے ہیں، اور وفا کی وجہ سے دریائے توحید میں غرق ہوتے ہیں۔ انکی دوستی اور دشمنی سب خدا کے لئے ہے، اگر انہیں کبھی غصہ آتا ہے تو وہ خدا کا غصہ ہی ہوتا ہے۔ جو شخص اس ذات واحد کے عشق میں محو اور فنا ہو، اس سے جو کچھ بھی سرزد ہو وہ خدا کی طرف سے ہی ہوتا ہے (ایسا عاشق) فانی فی اللہ ہے۔ اس کا تیر خدا کا تیر ہے، اسکا شکار دراصل خُدا کا شکار ہے۔ خدا تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ پاک ذات ان صفات کو فانی فی اللہ لوگوں میں خود پھونک دیتا ہے۔ خدا کی صفات ان میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ خواہ وہ خدا کی جمالی صفات ہوں یا جلالی ہوں۔ انکی نرمی خدا کی نرمی ہوتی ہے، اور انکی سختی خدا کی سختی بن جاتی ہے۔ (ان کا معاملہ) دوسروں کی طرح نہیں ہوتا۔ وہ فانی ہیں اور اپنی خودی سے بالکل دُور، فرشتوں کی طرح خدائے منصف کے کارندے ہیں۔ اگر فرشتہ کسی کی جان نکالتا ہے یا کسی کمزور پر مہربانی کرتا ہے۔ یہ سب سختی اور نرمی خدا کی طرف سے ہی ہوتی ہے، وہ فرشتہ تو اپنی خواہشات سے بالکل الگ ہے۔

ہمچنیں مے داں مقامِ انبیا ٭ واصلاں و فاصلاں از ماسوا
فانی اند و آلہ ربّانی اند ٭ نورِ حق در جامۂ انسانی اند[1]

(درثمین صفحہ ۱۳۶-۱۳۷)

نمبر ۔ ان لوگوں کی حقیقت دنیاداروں کی نگاہ سے پوشیدہ ہوتی ہے ؎

سخت پنہاں در قبابِ حضرت اند ٭ گم ز خود در رنگ و آبِ حضرت اند
اختراں آسمانِ زیب و فر ٭ رفتہ از چشمِ خلائق دُور تر
کس ز قدرِ نورِ شاں آگاہ نیست ٭ زآنکہ ادنیٰ را با علیٰ راہ نیست
کور کورانہ زندہ رائے دنی ٭ چشمِ کورش بے خبر زاں روشنی
ہمچنیں تو اے عدوِّ مصطفےٰؐ ٭ مے نمائی کوریئے خود را بما
بر قمر عو عو کنی از سگ رگی ٭ نورِ مہ کمتر نہ گردد زیں سگی!
مصطفےٰؐ آئینہ روئے خداست ٭ منعکس درو ے ہماں خوئے خداست[2]

---

[1] ترجمہ: اسی طرح انبیاء کا مقام سمجھ لو، وہ خدا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور غیروں سے لاتعلق رہتے ہیں۔ وہ فانی فی اللہ ہیں اور خدا کا ہتھیار ہیں، انسانی لباس میں خدا کا نُور ہیں۔

[2] ترجمہ: وہ بارگاہ الٰہی کے گنبد میں چھپے ہُوئے ہیں۔ وہ اپنے آپ سے گم اور خُدا کے رنگ و روپ میں ہیں۔ وہ زیبائش اور شان و شوکت کے آسمان کے ستارے ہیں۔ اور لوگوں کی نظروں سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ کوئی ان کے نور کے اندر سے واقف نہیں، کیونکہ ادنیٰ کو اعلیٰ تک رسائی نہیں ہوتی۔ اندھا رائے بھی اندھوں والی ہی دیتا ہے۔ اس کی اندھی آنکھیں روشنی سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ اسی طرح تو بھی اے مصطفےٰؐ کے دشمن ہمیں اپنا اندھا پن دکھاتا ہے۔ کتّے کی خصلت کی وجہ سے تو چاند پر بھونکتا ہے، لیکن اس کتّے پن سے چاند کی روشنی کم نہیں ہوتی۔ مصطفےٰؐ تو خدا کے چہرہ کا آئینہ ہے۔ اس میں وہی خدا کی صفات منعکس ہیں۔

گر ندیدستی خدا۔ او را ببیں ؛ من رآنی قد رای الحق ایں یقیں[۱]

(درثمین صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸)

۷۔ مستانِ خدا پر جو انگلی اٹھاتا ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ؎

آنکہ آویزد بہ مستانِ خدا ؛ خصم او گردد جنابِ کبریا

دستِ حق تائیدِ ایں مستاں کند ؛ چوں کسے با دستِ حق دستاں کند

منزلِ شاں برتر از صد آسماں ؛ بس نہاں اندر نہاں اندر نہاں

پا فشردہ در وفائے دلبرے ؛ واز سرش بر خاکِ افتادہ سرے

جانِ خود را سوختہ بہرِ نگار ؛ زندہ گشتہ بعدِ مرگِ صد ہزار

صاحبِ چشم اند آنجا بے تمیز ؛ چشمِ کوراں خود نباشد ہیچ چیز

روئے شاں آں آفتابے کاندراں ؛ چشمِ مرداں خیرہ ہم چوں شپّراں[۲]

(درثمین صفحہ ۱۳۸)

---

[۱] ترجمہ:- اگر تُو نے خدا کو نہیں دیکھا، تو اس کو دیکھ لے۔ یہ حدیث یقینی ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھ لیا۔

[۲] ترجمہ:- جو شخص خُدا کے عاشقوں سے الجھتا ہے، تو جنابِ الٰہی خود اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان عاشقوں کی مدد کرتا ہے، خدا کے ہاتھ کے خلاف کوئی شخص کیسے کوئی حیلے کر سکتا ہے۔ ان کا مقام سینکڑوں آسمانوں سے بھی بہت اُونچا ہے۔ وہ تو مخفی در مخفی ہوتے ہیں۔ وہ دلبر کی وفاداری میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور اس کے دھیان میں ان کا سر مٹی پر پڑا ہوتا ہے۔ انہوں نے محبوب کی خاطر اپنی جان کو جلا ڈالا ہے۔ اور لاکھوں موتوں کے بعد پھر زندہ ہو گئے ہیں۔ اس جگہ تو آنکھوں والوں کو بھی کچھ سمجھ نہیں پڑتا۔ تو اندھوں کی آنکھوں کی بھلا کیا حقیقت ہے؟ ان کا چہرہ ایسا سورج ہے کہ اس کی روشنی میں مَردوں کی آنکھیں بھی چمگادڑوں کی طرح خیرہ ہو جاتی ہیں۔

ط۔ نیک لوگوں پر اعتراض کرنا نااہلی اور بے عقلی کا نتیجہ ہوتا ہے ؎

تو خودی زن رائے تو ہمچوں زناں ❊ ناقص ابنِ ناقص ابنِ ناقصاں

خوب گر نزدِ تو زشت ست و تباہ ❊ پس چہ خواہم نام تو اے روسیاہ

کوریت صد پردہ ہا بر تو فگند ❊ ویں تعصب ہائے تو بیخت بکند

اے بسا محبوبِ آں ربِ جلیل ❊ پیشت از کوری حقیر است و ذلیل

اے بسا کس خوردہ صد جامِ فنا ❊ پیش ایں چشمت پُر از حرص و ہوا

گر نماندے از وجودِ تو نشاں ❊ نیک بودے زیں حیاتِ چوں سگاں

زاغ گر زادے بجایت مادرت ❊ نیک بود از فطرت بد گوہرت

زانکہ کذب و فسق و کفرت در سر است ❊ واں نجاست خواریت زاں بدتر است

تو ہلاکی اے شقیٔ سرمدی ❊ زانکہ از جانِ جہاں سرکش شدی[1]

(درثمین ص۱۲۹)

---

[1] ترجمہ: تو خود عورت ہے تیری رائے بھی عورتوں جیسی ہے، تو ناقص ہے ناقص کا بیٹا اور ناقصوں کی اولاد ہے۔ اگر ایک حسین تیرے نزدیک بدشکل اور خراب حال ہے، تو اے روسیاہ میں تیرا کیا نام رکھوں تیری نابینائی نے تجھ پر سینکڑوں پردے ڈال رکھے ہیں، اور ان تعصب والی باتوں نے تیری جڑ اکھاڑ دی ہے۔ اس خدائے ذوالجلال کے بہت سے محبوب تیرے نزدیک تیرے اندھے پن کی وجہ سے ذلیل اور حقیر ہیں، کتنے لوگ ہیں جنہوں نے فنا کے سینکڑوں جام پئے، لیکن تیری ان آنکھوں میں وہ بھی حرص و لالچ سے بھرے ہوئے ہیں اگر تیری ہستی کا نام و نشان مٹ جاتا۔ تو اس کتوں جیسی زندگی سے بہتر ہوتا، اگر تیری والدہ تیری بجائے کوئی کوّا جنتی۔ تو تیری اس بد اصل فطرت کی نسبت اچھا ہوتا۔ کیونکہ تیرے سر میں جھوٹ، فسق اور کفر بھرا پڑا ہے، اور گندگی کھانے کی یہ تیری عادت اس سے بھی بدتر ہے۔ اے ازلی بدبخت تو ہلاک شدہ ہے۔ کیونکہ اس جہانوں کی جان سے بھی باغی ہو گیا ہے ❊

۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو دیکھیئے۔ جن کے غلام ایسے ہوں ان کی اپنی شان کیسی ہوگی:۔

اے درانکار وشکے از شاہِ دیں ❊ خادمان وچاکرانش را ببیں

کس ندیدہ از بزرگانت نشاں ❊ نیست در دستِ تو بیش از داستاں

لیک گر خواہی بیا بنگر زما ❊ صد نشانِ صدق شانِ مصطفےٰ[۱]

ہاں بیا اے دیدہ لبستہ از حسد ❊ تا شعاعش پردۂ تو بردرد!

صادقاں را نورِ حق تابد مدام ❊ کاذباں مُردند و شد ترکی تمام

مصطفےٰ[۱] مہر درخشانِ خداست ❊ بر عدوّش لعنتِ ارض وسماست

ایں نشانِ لعنت آمد کایں خساں ❊ ماندہ اند ظلمتے چوں شپّراں!

نے دلِ صافی نہ عقلے راہ بیں ❊ راندۂ درگاہِ ربّ العالمین!

جان کُنی صد کُن بکین مصطفےٰ[۱] ❊ رہ نہ بینی جُز بدینِ مصطفےٰ[۱]

تا نہ نورِ احمدؐ آید چارہ گر ❊ کس نمے گیرد ز تاریکی بدر[۱]

---

[۱] ترجمہ: اے وہ شخص کہ تو دین کے بادشاہ سے انکاری اور شاکی ہے، اس کے خادموں اور نوکروں کو ہی دیکھ لے۔ تیرے بزرگوں کی تو کوئی نشانی کسی نے نہیں دیکھی، تیرے ہاتھوں میں تو قصّے کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن اگر تو چاہے تو ہمارے پاس آ۔ اور ہم سے مصطفےٰؐ کی شان کی سچائی کے سینکڑوں نشان دیکھ لے۔ ہاں اے شخص جس نے حسد سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں آ تا اسکی روشنی تیرا پردہ پھاڑ ڈالے، سچوں کی سچائی کا نور ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔ جھوٹے مر گئے اور ان کی ترکی تمام ہوگئی۔ مُصطفےٰؐ خدا کا چمکتا ہوا سورج ہے اس کے دشمن پر زمین و آسمان کی لعنت ہے، لعنت کا یہی تو نشان ہے کہ یہ ذلیل لوگ چمگادڑوں کی طرح اندھیرے میں پڑے ہُوئے ہیں۔ نہ ان کا دل صاف ہے، نہ انکی عقل کو راستہ نظر آتا ہے۔ وہ رب العالمین کی درگاہ سے دھتکارے ہُوئے ہیں۔ تو مصطفےٰؐ کی دشمنی میں سَو دفعہ بھی اپنی جان ہلاک کرے۔ پھر بھی دینِ مصطفےٰؐ کے سوا تجھے کوئی رسیدھا راستہ نہیں ملے گا جب تک احمدؐ کی روشنی چارہ گر نہ ہو، تب تک کوئی اندھیرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی ! ٭ نام ہر مُرسل بنامِ او جلی[1]

(درثمین صفحہ ۱۴۰-۱۴۱)

حسن کلام کے لئے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ ایک مناسب الفاظ دوسرے عمدہ معانی، یہاں دونوں چیزیں اپنی معراج پر ہیں۔ ردّ اعتراض کے لئے نہ صرف اچھوتے دلائل پیش کئے گئے ہیں بلکہ زبان بھی نہایت شستہ استعمال کی گئی ہے۔ الفاظ کا یہ حال ہے کہ نگینوں کی طرح چمکتے ہیں۔ اور معانی کی یہ شان کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ سچ فرمایا ہے خدائے بزرگ و برتر نے :-

"در کلام تو چیز یست کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

(تذکرہ ۱۹۶۹ء ایڈیشن صفحہ ۶۵۸)

---

[1] ترجمہ : ہر نبی کا نُور اسی کے طفیل ہے اور ہر رسُول کا نام اسی کے نام سے روشن ہے ٭

مناجات

اسلامی شعراء کا یہ دستور رہا ہے کہ اپنے کلام کے شروع میں یا آخر میں مناجات ضرور لکھتے ہیں۔ حضرت اقدس نے بھی اس بات کا التزام فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر چند شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :

اے خُداوندِ من گناہم بخش ⁂ سوئے درگاہ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل و جانم ⁂ پاک کُن از گناہِ پنہانم
دلستانی و دلربائی کُن ⁂ بہ نگاہے گرہ کشائی کُن
در دو عالم مرا عزیز توئی ⁂ وآنچہ مے خواہم از تو نیز توئی[1]

(درِّ ثمین صفحہ ۱۴۰)

اے خداوندم بہ خیلِ انبیاء ⁂ کش فرستادی بہ فضلِ وافرے
معرفت ہم دہ چو بخشیدی دلم ⁂ مے بدہ زاں ساں کہ دادی ساغرے[2]

---

[1] ترجمہ :۔ اے میرے خدا میرے گناہ بخش دے۔ اور اپنی بارگاہ کی طرف مجھے راستہ دے۔ میرے دل و جان میں روشنی عطا کر اور مجھے پوشیدہ گناہوں سے پاک کر دے، تو خود ہی دلستانی اور دلربائی کر۔ اور ایک ہی نظر ڈال کر میری مشکلات دُور کر دے، دونوں جہانوں میں تو ہی مجھے پیارا ہے۔ اور جو چیز مَیں تجھ سے مانگتا ہوں وہ تو ہی ہے (اور کچھ نہیں)۔

[2] ترجمہ :۔ اے میرے خدا ان انبیاء کی جماعت کے طفیل جنہیں تو نے بڑے بھاری فضلوں کے ساتھ بھیجا ہے مجھے اپنی معرفت بھی عطا کر جیسے کہ تُو نے دل دیا ہے، اور جیسے جام دیا ہے، اسی طرح شراب بھی دے۔

اے خُداوندم بنامِ مصطفٰےؐ ؛ کش شدی در ہر مقامے ناصرے
دستِ من گیر از رہِ لُطف و کرم ؛ در مہم باش یار و یاورے
تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ؛ ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے[1]

(درِّ ثمین صفحہ ۲۸)

اے خالقِ ارض و سما بر من درِ رحمت کشا ؛ دانی تو آں دردِ مرا کز دیگراں پنہاں کنم
از بس لطیفی دلبرا در ہر رگ و تارم درا ؛ تا چوں بخود یابم ترا دل خوشتر از بستاں کنم
در سرکشی اے پاک خو جاں بر کنم در ہجر تو ؛ زانساں ہمے گریم کزو یک عالمے گریاں کنم
خواہی بقہرم کن جُدا خواہی بلطفم رُو نما ؛ خواہی بکُش یا کُن رہا کے ترکِ آں داماں کنم؟[2]

(درِّ ثمین صفحہ ۱۲۶)

---

[1] ترجمہ :۔ اے میرے خدا مصطفٰےؐ کے نام پر جس کا تُو ہر جگہ مددگار رہا ہے ۔ اپنے لطف و کرم سے میرا ہاتھ تھام اور میرے اس اہم کام میں میرا ساتھی اور مددگار بن جا۔ مجھے تیری ہی طاقت پر بھروسہ ہے ۔اگرچہ مَیں خود خاک کی طرح ہوں ، بلکہ اس سے بھی گھٹیا ۔

[2] ترجمہ :۔ اے زمین و آسمان کے خالق ، مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ تو میرے اس درد کو جانتا ہے جو مَیں دوسروں سے چھپاتا ہوں۔ اے دلبر تو بیحد لطیف ہے۔ میرے ہر رگ و ریشہ میں سما جا۔ تا مَیں تجھے اپنے آپ میں پاؤں اور اپنا دل باغ سے بھی زیادہ خوش کروں ۔اے اچھی صفتوں والے اگر تو (میری یہ درخواست) قبول نہ کرے۔ تو مَیں تیرے فراق میں جان دیدوں گا۔ اور اتنا رُوؤں گا کہ اس سے ایک دنیا کو رُلا دُوں گا۔ خواہ تو سختی سے مجھے اپنے آپ سے جُدا کر دے ، خواہ مہربانی کر کے مکھڑا دکھادے ، چاہے مار ڈال اور چاہے چھوڑ دے مَیں کس طرح تیرا دامن چھوڑ سکتا ہوں؟

تزئین کلام

اعلیٰ درجہ کے شاعر تکلف سے اپنے کلام کو صنائع بدائع سے آراستہ نہیں کرتے بلکہ ان کی طبع رسا کے طفیل یہ خوبیاں خود بخود ان کے کلام میں در آتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے کلام میں بھی وہ تمام محاسن شعری موجود ہیں، جو ایک قادر الکلام شاعر کے کلام میں طبعاً موجود ہونے چاہئیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر خوبیاں آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو الہاماً فرمایا تھا:۔

"درکلام تو چیزیست کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

(تذکرہ طبع ۱۹۶۹ء صفحہ ۶۵۸)

یعنی آپ کے کلام میں ایک ایسی چیز ہے جس تک شاعروں کی رسائی نہیں۔

حضرت اقدس کے کلام کے محاسن اجاگر کرنے کے لئے آئندہ صفحات میں بلاغت کے ہر فن کے متعلق آپ کے کلام سے بعض اشعار بطور نمونہ پیش کئے جائیں گے۔ اور اس کے بعد یہ دکھایا جائے گا۔ کہ آپ کے سادہ اشعار میں بھی وہ کشش اور تاثیر ہے جو دوسروں کے مرصع اشعار میں بھی نہیں پائی جاتی۔ لیکن پہلے بلاغت کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

بلاغت مقدمہ بہشت بہشت میں مرقوم ہے:۔

"بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات اور جذبات پائے جاتے ہیں۔ کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے، تو دوسرے وقت راحت و سکون۔ کبھی مستی و

بیہوشی ہے ۔اور کبھی باخودی و ہشیاری ۔پس جس حالت و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اُس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہو کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سُننے والے کی آنکھوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار، تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔"

(مقدمہ ہشت بہشت صہ)

فن بلاغت تین اہم پہلوؤں پر مشتمل ہے:۔

ا ۔علم بیان یعنی امثلہ کے ذریعہ وضاحت ۔اس میں تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ شامل ہیں۔

ب ۔علم بدیع۔ اس سے چند ایسے امور مراد ہیں۔جو کلام کی خوبصورتی کا باعث بنتے ہیں ۔انہیں صنائع معنوی و لفظی کہتے ہیں ۔

ج ۔سلاست یعنی مناسب الفاظ کا استعمال اور ان کی صحیح ترتیب ۔نیز ضعف تالیف، تنافر کلمات، اور تعقید معنوی و لفظی سے پرہیز۔

ان تینوں کی مثالیں آگے پیش کی جا رہی ہیں۔

۱ - علم بیان

بلاغت کی ایک شق علم بیان ہے۔یعنی کلام میں تشبیہ، استعارہ وغیرہ کا استعمال۔ یہ ہر زبان میں بہت عام ہے۔ حتّٰی کہ اگر کوئی شخص یہ کوشش کرے کہ ان کے بغیر چند صفحے ہی لکھے تو قریب قریب ناممکن ہوگا۔ پس ہر شاعر خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اپنے کلام میں تشبیہات اور استعارات ضرور استعمال کرتا ہے۔ اور جتنے اُونچے مرتبہ کا شاعر ہو۔ اتنی ہی موزوں تشبیہات ، لطیف استعارے اور بلیغ کنائے اس کے کلام میں پائے جائیں گے۔ ان اصطلاحات کی مختصر تعریف نیچے درج کی جاتی ہے۔ تا جن احباب کو اس علم سے واقفیت نہیں وہ ان تعریفوں کی روشنی میں حضرت اقدس کے کلام کے ایسے محاسن کو جانچ سکیں۔

تشبیہ | یہ ہے کہ کسی چیز کی کوئی صفت نمایاں کرنے کی خاطر حرف تشبیہ درمیان میں لاکر اسے اس سے ملتی جلتی کسی ایسی چیز سے مشابہ قرار دیا جائے جس میں وہ صفت زیادہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہو۔ مثلاً ؎

تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ؎ ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے[1]

(درّثمین صفحہ ۲۸)

اس میں مَن (یعنی مَیں) مُشَبَّہ ہے۔ اور خاک مُشَبَّہ بہ (انہیں طرفین تشبیہ کہتے ہیں)، ہمچو حرف تشبیہ ہے۔ وجہ شبہ کم مائگی ہے، جو دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن خاک میں زیادہ نمایاں ہے۔

---

[1] ترجمہ: مَیں تیری قوت پر ہی بھروسہ رکھتا ہوں۔ اگرچہ مَیں خود مٹی کی طرح ہوں، بلکہ اس سے بھی کم تر ؛

غرض تشبیہ اپنے آپ میں کم مایگی کے اظہار کا مبالغہ ہے۔ جو مشبہ کی نسبت مشبہ بہ میں بہت زیادہ ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک لحاظ سے اشتراک اور ایک لحاظ سے افتراق ہونا چاہیئے۔ اگر دونوں ہر لحاظ سے مساوی ہوں، تو تشبیہ باطل ہو جائے گی۔ مزید مثالیں دیکھئے:

نعرہ ہائے زنم بر آبِ زُلال ❊ ہمچو مادر دواں پئے اطفال[1]

(درِ ثمین ص۸۵)

ہمدردی اور خیر خواہی کی کیسی دلنشیں تشبیہ ہے

از حقایق غافل و بیگانہ اند ❊ ہمچو طفلاں مائل افسانہ اند[2]

(درِ ثمین ص۲۴۸)

یہاں اند کی ضمیر الیشاں مشبہ اور طفلاں مشبہ بہ اور ہمچو حرف تشبیہ ہے۔ وجہ شبہ سادگی اور سادہ لوحی ہے۔ جو بچوں میں کامل طور پر پائی جاتی ہے

مے دہم فرعونیاں را ہر زماں ❊ چوں ید بیضائے موسیٰ صد نشاں[3]

(درِ ثمین ص۲۵۸)

دیکھئے ید بیضا کی تشبیہ سے نشان کی عظمت کیسی واضح ہو جاتی ہے

ذرّہ را تو بیک جلوہ کنی چوں خورشید ❊ اے بسا خاک کہ چوں مہ تاباں کردی[4]

(درِ ثمین ص۲۸۶)

---

[1] ترجمہ: مَیں مصفا پانی کے چشمہ پر کھڑا پکار رہا ہوں جس طرح ماں اپنے بچوں کے پیچھے دَوڑ رہی ہو۔

[2] ترجمہ: وہ حقائق سے غافل اور بیگانہ ہیں اور بچوں کی طرح افسانوں کی طرف مائل ہیں۔

[3] ترجمہ: مَیں ہر وقت فرعونی صفت لوگوں کو حضرت موسیٰ کے ید بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہوں۔

[4] ترجمہ: اے محبّت تو ایک تجلّی سے ذرّہ کو سورج کی مانند بنا دیتی ہے اور بہت دفعہ تُو نے خاک کو چمکتے ہوئے چاند کی طرح بنا دیا۔

ذرّہ اور خاک مشبہ اور خورشید اور مہ تاباں مشبہ بہ ہیں ۔ دونوں جگہ چوں حرف تشبیہ ہے اور وجہ شبہ چمک اور روشنی ہے جو سورج اور چاند میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے ۔

بعض دفعہ حرف تشبیہ کو حذف بھی کر دیتے ہیں ۔ اور یہ دو طرح ہوتا ہے ۔ اوّل یہ کہ مشبّہ کو مشبّہ بہ قرار دیا جائے ۔ اور دونوں مذکور ہوں ۔ جیسے ؎

ہست فرقانِ مُبارک از خُدا طیّب شجر[1] ٭ نونہال و نیک پود و سایہ دار و پُر زبر[2]

(درثمین ص۱۲۶)

یہاں فرقان مشبّہ ہے اور شجر مشبّہ بہ اور دونو مذکور ہیں ۔ لیکن حرف تشبیہ مذکور نہیں ۔ البتہ دوسرے مصرع میں وجوہات تشبیہ مذکور ہیں ۔ اس شعر سے قرآن کریم کی عظمت کا بہت ہی خوبصورت اور اعلیٰ طریق پر اظہار ہوتا ہے ۔ یعنی قرآن کریم شجر طیّب کی طرح ہے جس میں یہ یہ خوبیاں ہیں ۔ اگر مشبّہ اور مشبّہ بہ میں سے ایک مذکور ہو اور دوسرا مذکور نہ ہو ۔ تو اسے استعارہ کہتے ہیں جس کا حال آگے آئے گا ۔

دوسرا طریق حرفِ تشبیہ کو حذف کرنے کا یہ ہے کہ مشبّہ بہ کو مشبّہ کی طرف مضاف کریں ۔ جیسے ؎

زبوئے نافۂ عرفان چو محروم ازل بودند ٭ پسندیدند در شانِ شہِ خلق ایں مذلّت را[3]

(درثمین ص۱۸۸)

یعنی عرفان مانند نافہ ۔ ان مثالوں سے تشبیہ ، استعارہ وغیرہ کی تفاصیل پیش کرنا مقصود

---

[1] :۔ بمطابق اغلاط نامہ مشمولہ براہین احمدیہ (ہر چہار حصّہ) طبع اوّل

[1] ترجمہ : فرقان مُبارک خدا کی طرف سے ایک پاکیزہ درخت ہے ۔ جو تر و تازہ ، خوشبودار ، سایہ دار اور پھلدار ہے ۔

[3] ترجمہ : چونکہ وہ نافہ عرفان کی خوشبو سے ازل سے ہی محروم تھے اسلئے انہوں نے شہنشاہ عالم کی شان میں ذلّت پسند کی ۔

نہیں بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے۔ کہ حضرت اقدس اخلاقی اور روحانی مطالب بیان کرنے کے لئے مختلف فنون بلاغت کو کس خوبصورتی اور مہارت سے اپنے کام میں لائے۔ یہی شعر دیکھئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا صحیح اور مکمل ادراک نہ کر سکنے کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ لوگ عرفان کے نافہ (یعنی وہ عرفان جو نافہ کی طرح بہت ہی خوشبو، فرحت اور خوشخبریاں دینے والا ہے اس) سے ہمیشہ محروم رہے ہیں۔ الفاظ کی خوبصورتی سامع کی توجہ کو کس شدت سے اپنی طرف مبذول کرا رہی ہے۔

اس اضافت کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تشبیہی اور دوسری استعاری۔

۵۔ اضافت تشبیہی:۔ وہ اضافت ہے جس میں مضاف اور مضاف الیہ میں مشابہت کا تعلق ہو۔ جیسے تیرِ نگاہ۔ یعنی ایسی نگاہ جو دل میں جا کر لگنے اور اسے زخمی کرنے میں تیر کی مانند ہو۔

۶۔ "اضافت استعاری: وہ اضافت ہے، جو مضاف کو مضاف الیہ کا حصہ یا جزو ظاہر کرے۔ لیکن حقیقت میں وہ مضاف الیہ کا حصہ یا جزو نہ ہو جیسے پائے خیال، ناخن خرد دستِ حسرت۔ اضافتِ تشبیہی اور اضافت استعاری میں فرق (یہ ہے کہ):

(۱) اضافت تشبیہی میں مضاف اور مضاف الیہ کی جگہ تبدیل کر کے ان کے درمیان مانند لگایا جائے تو مطلب میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے تیر نگاہ۔ نگاہ مانند تیر بن جائے گا۔ جس کا مطلب واضح ہے۔

(۲) اضافت استعاری میں مضاف اور مضاف الیہ کی جگہ بدلنے سے کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا۔ پائے خیال اور ناخن خرد کی جگہ بدلنے سے خیال مانند پا یا خرد مانند ناخن بن جائیں گے۔ جو بالکل مہمل اور بے معنی ہیں۔" (خود آموز فارسی حصہ اوّل صـ ۸۹، ۹۰)

یہ اضافت استعاری اصطلاحاً استعارہ نہیں بن جاتی۔ کیونکہ استعارہ میں مشبّہ اور مشبّہ بہ میں سے

ایک کا حذف کرنا ضروری ہے۔ لیکن اضافت استعاری میں یہ صورت نہیں۔ اس لئے اس کی مثالیں یہیں پیش کی جائیں گی۔

اب حضرت مسیح موعودؑ کے کلام میں ان اضافتوں کا استعمال دیکھئے۔ الفاظ کے بیحد مختصر ہونے کے باوجود معانی میں کیسی وضاحت، وسعت اور شدت پیدا ہوجاتی ہے اور کلام نہایت فصیح و بلیغ بن جاتا ہے۔

اضافت تشبیہی کی مثالیں:۔

(۱) بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او ✻ بدقسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویدہ[1]

(درثمین ص۵)

یعنی فضل مانند باراں (بارش بلحاظ تواتر و کثرت)۔

(۲) ورنہ باز آز شورش و انکار ✻ جیفۂ کذب را مخور زنہار[2]

(درثمین ص۱۱)

یعنی کذب مانند جیفہ (مُردار بلحاظ حرمت اور تعفّن)۔

(۳) برمن چرا کشی تو چنیں خنجرِ زباں ✻ از خود نیم ز قادرِ ذوالمجد والکرم[3]

(درثمین ص۱۶۱)

---

[1] ترجمہ: رحمان کے فضل کی بارش اس کے آنے کے ساتھ آئی۔ بدقسمت ہے وہ جو اسے چھوڑ کر دوسری طرف بھاگا۔ (اس شعر کے صحیح معنوں کی طرف حضرت اقدس کے ایک عربی شعر سے رہنمائی ہوتی ہے۔ فرمایا:۔

عبادیدون کمُبشراتٍ وجودھم ✻ اذا ما اتوا فالغیث یأتی ویمطر

یعنی یہ وہ بندے ہیں کہ موسمِ برسات ہوا کی طرح ان کا وجود ہوتا ہے جب آتے ہیں پس ساتھ ہی بارش رحمت کی آتی ہے (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۶۲)

[2] ترجمہ:۔ ورنہ فساد اور انکار سے باز آ اور جھوٹ کی سڑی ہوئی لاش ہرگز نہ کھا۔

[3] ترجمہ:۔ تو مجھ پر اس طرح زبان کی چھری کیوں چلاتا ہے، مَیں خود نہیں آیا بلکہ خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔

یعنی زبان مانند خنجر (چھری بلحاظ زخمی کرنے کے) ؎

(۴) ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم ٭ یک قطرۂ زبحرِ کمالِ محمدؐ است[1]

(درثمین ص۱۲۵)

یعنی کمال مانند بحر (دریا بلحاظ وسعت، گہرائی اور فیض رسانی) ؎

(۵) تانشد مشعلے زغیب پدید ٭ از شبِ تارِ جہل کس نرہید[2]

(درثمین ص۳۲۵)

یعنی جہل مانند شب تار (اندھیری رات بلحاظ فقدان روشنی)

اضافت استعاری سے معانی میں اور بھی زیادہ وضاحت، وسعت اور شدت پیدا ہوجاتی ہے اس کی کئی اغراض ہیں۔ اوّل یہ کہ مضاف بظاہر مضاف الیہ کا جزو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل وہ مضاف الیہ کے کسی خاص پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ اس کی مثالیں دیکھئے: ؎

(۱) اگر باز باشد ترا گوشِ ہوش ٭ زگورت ندائے درآید بگوش[3]

(درثمین ص۲۹۳)

یعنی گوش سُننے کا آلہ ہے، اور کسی بات کو سُن کر انسان عموماً اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس فرمایا کہ اگر تیرے ہوش کے کان کھلے ہوں۔ یعنی اگر ابھی تک تم میں کسی نصیحت کو سُن کر اس کی طرف توجہ کرنے کی صلاحیت باقی ہو تو تجھے قبر سے آواز سنائی دے گی ؎

---

[1] ترجمہ: معارف کا یہ چشمۂ رواں جو میں مخلوق خدا کو دے رہا ہوں۔ یہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔

[2] ترجمہ: جب تک غیب سے کوئی مشعل ظاہر نہ ہوئی، تب تک جہالت کی اندھیری رات سے کسی نے رہائی نہ پائی۔

[3] ترجمہ: اگر تیرے ہوش کے کان کھلے ہوں تو تجھے قبر سے یہ آواز سنائی دے گی۔

(۲) بہرحاجتت گشت حاجت روا ؛ کشود از ترحم دو دستِ دُعا[1]

(درثمین صٓ۳)

ہاتھ کسی چیز کے دینے کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ اس نے تو اپنے انعامات دینے کے لئے دونو ہاتھ کھول رکھے ہیں ؂

(۳) یکدم از خود دُور شو بہرِ خُدا ؛ تامگر نوشی تو کاساتِ لقا[2]

(درثمین صٓ۱۴۴)

کاسہ بھی مشروب دینے کا آلہ ہے۔ پس اگر تو خُدا کی خاطر اپنی خودی کو چھوڑ دے، تو تُو خُدا کا دیدار حاصل کر سکے گا۔ کاسات کا لفظ بصیغہ جمع لانے سے مراد یہ ہے کہ تجھے بار بار دیدارِ الٰہی حاصل ہوگا ؂

(۴) عشق است کہ برخاکِ مذلّت غلطاند ؛ عشق است کہ برآتشِ سوزاں بنشاند[3]

(درثمین صٓ۱۲۵)

خاک خستہ حالی اور ذلّت کی مظہر ہے۔ پس فرمایا۔ کہ عشق ذلّت کی انتہا تک پہنچاتا ہے ؂

(۵) کُلبۂ جسمِ خود، بکُن برباد ؛ چُوں نے گردد از خُدا آباد[4]

(درثمین صٓ۳۵۴)

کلبہ تنگی، بے سروسامانی اور بے مایگی کا مظہر ہے۔ اس میں تبھی شان و شوکت پیدا ہو سکتی

---

[1] ترجمہ:۔ تیری ہر ضرورت کا وہ خود متکفل بنا۔ اور رحم کرکے اپنی سخاوت کے دونو ہاتھ کھول دئے۔

[2] ترجمہ:۔ خدا کی خاطر اپنے نفس سے بکلّی کنارہ کشی اختیار کرلے۔ تا تجھے اس کے دیدار کے پیالے پینا نصیب ہوں۔

[3] ترجمہ:۔ یہ عشق ہی ہے، جو انسان کو ذلّت کی خاک پر تڑپاتا ہے، عشق ہی ہے جو جلتی ہوئی آگ پر بٹھاتا ہے۔

[4] ترجمہ:۔ اپنے جسم کی جھونپڑی کو برباد کرلے، اگر وہ خدا (کے عشق) سے آباد نہیں ہوتی۔

جب اس میں خُدا آسمائے۔ اگر یہ نہیں تو اس حقیر چیز کو برباد کر دے۔

دوم یہ کہ مضاف، مضاف الیہ کا متبادل ہو یعنی کسی خاص صفت کو نمایاں کرنے کے لئے مضاف کو بعینہٖ مضاف الیہ قرار دیا جائے۔ جس میں وہ صفت زیادہ نمایاں ہو جیسے:-

(۱) عقل را زاں چمن نہ بود خبر ٭ طائرِ فکر بود سوختہ پر[1]

(درثمین ص۱۱۱)

فکر (سوچ) کے ناکارہ ہو جانے کی خاصیت کو نمایاں کرنے کیلئے اسے سوختہ پر پرندہ قرار دیا ہے

(۲) بارہا آب، خود نگار آورد ٭ تا نخیلِ قیاس بار آورد[2]

(درثمین ص۱۱۲)

نشو ونما پانے اور پھل دینے کی اہلیت کو نمایاں کرنے کے لئے قیاس کو نخیل قرار دیا ہے

(۳) بدہ از چشمِ خود آبے درختانِ محبت را ٭ مگر روزے دہندت میوہائے پرحلاوت را[3]

(درثمین ص۱۸۵)

اسی طرح محبت میں جو پرورش پانے کی خاصیت ہے اسے اجاگر کرنے کی خاطر محبت کو درخت قرار دیا ہے

(۴) اگر ز دامنِ شاں یکدمے جُدا بشوی ٭ متاع و مایۂ ایماں ز تو جُدا باشد[4]

(درثمین ص۲۶۶)

---

[1] ترجمہ: عقل کو اس چمن کی کچھ خبر نہ تھی، اور سوچ کے پرندے کے بھی پر جلے ہُوئے تھے۔

[2] ترجمہ: کئی دفعہ وہ محبوب خود پانی لایا، یہاں تک کہ عقل کا درخت بارآور ہو گیا۔

[3] ترجمہ: محبت کے درختوں کو اپنی آنکھوں کے پانی سے سیراب کر، ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تجھے شیریں پھل دیں۔

[4] ترجمہ: اگر تو اُنکی پناہ سے ایک لحظہ بھی جُدا ہو جائے، تو ایمان کی پونجی اور دولت تجھ سے کھوئی جائے گی۔

ایمان کے قابل قدر ہونے کی بنا پر اسے متاع اور مایہ قرار دیا ؎

(۵) ہست بر اسرار اسرارِ دِگر ٭ تا کجا تازد خرِ فکر و نظر[1]

(درثمین ص۶۴)

فکر و نظر کی کم فہمی اور سست روی کی بنا پر انہیں گدھا قرار دیا۔

سوم :- جزو دکھانے یا کل قرار دینے کے علاوہ بھی اضافت استعاری سے کئی اور طریقوں میں کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً :- ؎

(۱) پائے سعیت بلند تر نرود ٭ تا ترا دُودِ دل بسر نرود[2]

(درثمین ص۱۰۳)

مقصود کوشش کی تیزی بیان کرنا ہے۔ رفتار کے لحاظ سے سعی (کوشش) کو گھوڑا قرار دے کر اس کے پاؤں تجویز کئے۔ اور پاؤں کے اُونچا اُٹھنے سے تیز رفتاری کا مفہوم پیدا کیا ؎

(۲) از ہمہ عالم فرو بستن نظر ٭ لوحِ دل شستن زغیر دوستدار[3]

(درثمین ص۱۵۰)

نقش تختی پر ہوتا ہے۔ پس دل کو تختی قرار دیا، جس پر غیر کے نقش ثبت ہو چکے تھے ؎

(۳) اے رسن ہائے آز کردہ دراز ٭ زیں ہوس ہا چرا نیائی باز؟[4]

(درثمین ص۳۸)

---

[1] ترجمہ :- ان بھیدوں کے اُوپر بھید چھائے ہُوئے ہیں، عقل و فکر کا گدھا کہاں تک دوڑے گا ؟

[2] ترجمہ :- تیری کوششوں میں تیزی پیدا نہیں ہو سکتی، جب تک تیرے دل کی آگ کا دھؤاں سر تک نہ پہنچ جائے۔

[3] ترجمہ :- سارے جہان سے آنکھیں بند کر لینا اور دوست کے (نقوش کے)، سوا ہر چیز کو دل کی تختی سے دھو ڈالنا۔

[4] ترجمہ :- اے وہ کہ جس نے لالچ کی باگیں ڈھیلی چھوڑ رکھی ہیں، تو کیوں ان ہوس پرستیوں سے باز نہیں آتا؟

ہوس مختلف چیزوں کے لئے تیندوے کی تاروں کی طرح ہاتھ پھیلاتی ہے جنہیں رسیاں قرار دیا گیا ہے ؎

(۴) تا ز تو ہستی ات بدل نرود ⁂ ایں رگِ شرک از تو بر نرود[1] (درثمین ص۲۵۴)

کبر بھی ایک جال ہے جس کی تاریں انسان کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک شرک ہے ؎

(۵) آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر ⁂ ہست در شانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چیں[2]

(درثمین ص۱۵۴)

ناپاکی یعنی گناہ کو قید خانہ قرار دینا کتنا اچھوتا تخیّل ہے۔ مگر کس قدر پختہ اور درست بات ہے۔ جسمانی، اخلاقی اور روحانی گندگی کی عادت انسان کو ایسا جکڑ لیتی ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں رہتا۔

الغرض ان اضافتوں سے کلام میں عجیب و غریب طریقوں سے حسن اور تاثر پیدا کیا جاتا ہے۔

استعارہ

یہ بھی ایک قسم کی تشبیہ ہی ہے۔ لیکن اس میں حرفِ تشبیہ نہیں لاتے بلکہ مشبّہ کو جسے مستعار لہٗ کہتے ہیں۔ دونوں میں سے ایک ضرور متروک ہوتا ہے۔ اگر مستعار لہٗ متروک ہو۔ اور مستعار منہٗ مذکور تو اسے استعارہ بالتصریح کہتے ہیں۔ اور اگر مستعار لہٗ مذکور ہو۔ اور مستعار منہٗ متروک تو اسے استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ اور وجہ شبہ کو وجہ جامع کہتے ہیں۔ استعارہ کی اور بھی بہت قسمیں ہیں۔ مثلاً بلحاظ

---

[1] ترجمہ:۔ جب تک تیری خودی تجھ سے دُور نہیں ہوگی۔ یہ شرک کی رگ تجھ سے دُور نہیں ہوگی۔

[2] ترجمہ:۔ وہ شخص جو ناپاکی کے قیدخانہ میں بند اور گرفتار ہے وہ بھی پاکبازوں کے سردار کی شان میں نکتہ چینی کرتا ہے۔

وجہ جامع وغیرہ۔ لیکن یہاں ان سب کے بیان کی ضرورت نہیں۔ استعارہ بالتصریح کی مثالیں دیکھئے :۔

شیرِ حق پُر ہیبت از ربِّ جلیل ٭ دشمنان پیشش چو رُوباہِ ذلیل[1]

(درثمین صفحہ ۱۳۲)

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مستعارلہٗ متروک ہیں اور شیرِ حق مستعار منہٗ مذکور ہے۔ وجہ جامع شجاعت ہے جو دونوں میں مشترک ہے۔ اور شیر میں زیادہ نمایاں ہے۔ قرینہ اس سے پہلے اشعار ہیں ؎

عمارت ہمہ دوناں خراب ہم ساخت ٭ اگر زچشم رواں آبشارِ خود بکنم[2]

(درثمین صفحہ ۲۸۶)

یہاں آنسوؤں کی لڑیاں مستعارلہٗ ہیں جو مذکور نہیں۔ اور آبشار جو مستعار منہٗ ہے مذکور ہے ؎

بدیں قحبہ بستن دلِ خود خطا است ٭ کہ ایں دشمنِ دین و صدق و صفا است[3]

(درثمین صفحہ ۲۹۴)

یہاں دنیا مستعارلہٗ کو جو مذکور نہیں بعینہٖ قحبہ (مستعار منہٗ) قرار دیا گیا ہے۔ وجہ جامع ذلّت ہے جو دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن قحبہ میں بہت نمایاں ہے۔

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں تمام خط کشیدہ الفاظ (بطور مستعار منہٗ) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم (مستعارلہٗ) کے لئے آئے ہیں۔ جن کا ان اشعار سے پہلے اشعار میں ذکر چلا آرہا ہے :؎

آفتاب است و کند چوں آفتاب ٭ گر نہ کوری بیا بنگر شتاب[4]

(درثمین صفحہ ۱۴۱)

---

[1] ترجمہ :۔ وہ جو خُدا کی طرف سے سچائی کا پُر ہیبت شیر ہو، دشمن اس کے سامنے ذلیل لومڑی کی طرح ہوں۔
[2] ترجمہ :۔ مَیں ان سب کی عمارت کو برباد کر دوں اگر مَیں اپنی آنکھوں سے آبشار جاری کروں۔
[3] ترجمہ :۔ اپنا دل اس آوارہ عورت سے لگانا غلطی ہے، کیونکہ وہ دین اور صدق وصفا کی دشمن ہے۔
[4] ترجمہ :۔ وہ خود آفتاب ہے اور دوسروں کو آفتاب کی طرح بنا دیتا ہے، اگر تو اندھا نہیں تو جلدی آ اور دیکھ لے۔

آفتابِ ہر زمین و ہر زماں ؎ رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے[1]
مجمع البحرین علم و معرفت ؎ جامع الاسمین ابرو خاورے[2]
(درِّثمین صـ۱۹)

حسب ذیل شعر میں دُرِّ یتیم مستعار منہٗ ہے اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مستعار لہٗ :-
گرچہ جنسِ نیکواں ایں چرخ بسیار آورد ؎ کم بزاید مادرے بایں صفا دُرِّ یتیم![3]
(دُرِّ ثمین صـ۲۹۱)

اسی طرح حسب ذیل اشعار میں خط کشیدہ الفاظ مستعار منہٗ ہیں :-
اخترانِ آسمانِ زیب و فر ؎ رفتہ از چشمِ خلائق دُور تر[4]
(درِّثمین صـ۱۳۷)

اے غافلاں وفا نکند ایں سرائے خام ؎ دُنیائے دوں نماند و نماند بکس مدام[5]
(درِّثمین صـ۱۴۹)

فرعون شد و عنادِ کلیمے بدل نشاند ؎ یکسر خزاں شد و گلہا از بہار کرد[6]
(درِّثمین صـ۱۵۲)

---

۱ ترجمہ: ہر ملک اور ہر زمانے کا سورج اور کالے گورے سب کا ہادی ۔
۲ ترجمہ: علم اور معرفت کا مجمع البحرین اور بادل اور آفتاب دونوں ناموں کا جامع ۔
۳ ترجمہ: اگرچہ آسماں نیکوں کی جماعت بکثرت پیدا کرتا ہے ، مگر ایسا شفاف اور قیمتی موتی مائیں بہت کم جنا کرتی ہیں ۔
۴ ترجمہ: حسن اور دبدبہ کے آسمان کے ستارے ہیں ، اور لوگوں کی آنکھوں سے دُور چلے گئے ہیں ۔
۵ ترجمہ: اے غافلو ، سرائے فانی کسی سے وفا نہیں کرتی ، یہ ذلیل دنیا نہ کسی کے ساتھ ہمیشہ رہی ہے اور نہ رہے گی ۔
۶ ترجمہ: اُس نے فرعون بن کر کلیم اللہ کی عداوت دل میں بٹھائی ، وہ یکسر خزاں بن گیا اور لگا موسم بہار کا گلہ کرنے ۔

استعارہ بالکنایہ کی مثالیں

چو صوفِ صفا در دل آویختند ٭ مداد از سوادِ عیون ریختند[1]

(درثمین ص۳)

یہاں دل (مستعارلہٗ) کو دوات (مستعارمنہٗ) قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ (دوات) متروک ہے۔ اور مستعارلہ مذکور ہے۔ اور وجہ جامع ظرفیت ہے۔ اسے بالکنایہ اس لئے کہتے ہیں، کہ یہاں دل اور دوات کی تصریح نہیں۔ اسی طرح ؎

بر کاخِ فلک ترا بخوانند ٭ از خار و خس آشیاں چہ جوئی[2]

(درثمین ص۲۷۷)

یہاں آشیانہ اور کاخ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو پرندہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ پرندے گھونسلوں میں بسیرا کرتے ہیں اور محلوں کے کنگروں پر بیٹھتے ہیں۔ نیز ؎

از پئے دنیا بریدن از خدا ٭ بس ہمیں باشد نشانِ اشقیا[3]

(درثمین ص۲۸۳)

حقیقت اور مجاز

چونکہ استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے جس کے مقابلہ میں حقیقت ہے۔ اس لئے ان کی تعریف بھی نیچے

---

[1] ترجمہ: جب لوگ پاکیزگی کا صوف دل میں ڈالتے ہیں، تو آنکھوں کی سیاہی کی روشنائی اس میں ڈالتے ہیں۔
[2] ترجمہ: تجھے تو فرشتے آسمان کے محل کی طرف بلا رہے ہیں پھر تو گھونسلے کے گھاس پھونس میں کیا تلاش کر رہا ہے۔
[3] ترجمہ: دنیا کی خاطر خدا سے قطع تعلق کر لینا، بس یہی بدبختوں کی نشانی ہے۔

درج کی جاتی ہے تا استعارہ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

حقیقت : وہ کلمہ ہے جو ان معنوں میں استعمال ہو، جن کے لئے وہ وضع کیا گیا ہو، اور وہ وضع کرنا اسی اصطلاح میں ہو جس میں کلام کر رہے ہوں۔ مثلاً اصطلاح لغت میں اس کے وہی معنی ہوں جن معنوں میں وہ کلمہ کسی عبارت میں استعمال کیا گیا ہے۔ یا اصطلاح شرع میں اس کے وہی معنی ہوں یا اصطلاح عرف میں۔

مجاز : وہ کلمہ ہے جو ان معنوں میں استعمال کیا جائے جن کے لئے وہ وضع نہیں کیا گیا اور اس کی دلالت ان معنوں پر کسی قرینہ کے قیام سے ہو۔ نہ کہ قرینہ کے بغیر۔

وضع کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ لفظ بنفس خود اپنے معنوں پر دلالت کرنے کے لئے بنایا گیا ہو۔ نہ کہ قرینہ قائم کرنے کے ذریعہ سے۔ اور مجاز کے لئے علاقہ ضروری ہے۔ پس اگر حقیقی اور مجازی معنوں میں کوئی علاقہ نہ ہو۔ تو اس لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال کرنا غلط ہوگا۔ چنانچہ اگر تو کہے کہ یہ گھوڑا لو اور اشارہ کتاب کی طرف ہو، تو یہ استعمال درست نہیں کیونکہ ان میں کوئی علاقہ نہیں پایا جاتا۔

اور ہر حقیقت یا مجاز یا لغوی ہوگا یا شرعی یا عرفی عام یا عرفی خاص۔ کیونکہ اگر لغت کی اصطلاح میں اس کے وہی معنی ہوں جن میں وہ استعمال کیا گیا ہے تو اس کو حقیقت لغوی کہیں گے۔ اور اگر شرع کی اصطلاح میں ہو۔ تو اس کا نام حقیقت شرعی رکھتے ہیں۔ اگر عُرف ہے تو حقیقتِ عرفی۔ اسی طرح اگر مجاز کو کسی اصطلاح میں ایسے معنوں میں استعمال کریں جس کیلئے وہ وضع نہیں کیا گیا۔ اگر وہ اصطلاح لغت ہو تو اسے مجاز لغوی کہیں گے۔ اگر وہ اصطلاح شرع ہے تو مجاز شرعی اور اگر وہ اصطلاح عرف ہے، تو مجاز عُرفی۔ اس کی مثال لفظ شیر کا استعمال ایک مخصوص درندہ کے لئے حقیقت لغوی ہے اور بہادر آدمی کے لئے مجاز لغوی اور نماز کا لفظ مخصوص عبادت کے لئے حقیقت شرعی ہے اور دُعا کے لئے مجاز شرعی۔ اور لفظ فعل

نحویوں کے عرف میں ایک مخصوص لفظ کے معنوں میں ہو جس سے ماضی مضارع وغیرہ مراد ہو، تو حقیقت عرفی خاص ہے اور کرنے کے معنوں میں مجاز عرفی خاص ہوگا۔ لفظ دابہ چارپایہ کے لئے حقیقت عرفی عام ہے۔ اور انسان کیلئے ہو تو مجاز عرفی عام اور الفاظ شیر اور نماز اور فعل اور دابہ جو ان مثالوں میں مذکور ہیں۔ وہ حقیقت اور مجاز دونوں کی مثالیں ہیں اور الفاظ، درندہ، دلیر، عبادت، دعا، مخصوص لفظ، کرنے، دابہ اور انسان جو اُوپر مذکور ہیں وہ سب ان چاروں لفظوں کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تمیز کرنے کے لئے ہیں۔

اوپر کہا گیا ہے۔ کہ مجاز کے لئے علاقہ لازم ہے۔ پس اگر وہ علاقہ تشبیہ کے علاوہ ہو، مثلاً سببیت یا لزوم وغیرہ تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں! ور اگر علاقہ تشبیہ کا ہو تو اُسے استعارہ جس کا بیان قبل ازیں آچکا ہے۔

مجاز مرسل: وہ لفظ ہے، جو ایسے معنوں میں استعمال ہوا ہو جو ان معنوں کے علاوہ ہوں، جن کے لئے وہ وضع کیا گیا ہو۔ اور دونوں معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور علاقہ ہو جیسے:۔

۱۔ کُل کی بجائے جُز کا ذکر کریں۔
۲۔ جز کی بجائے کل
۳۔ مسبّب کی جگہ سبب
۴۔ سبب کی جگہ مسبّب
۵۔ کسی چیز کو اس نام سے ذکر کرنا جو ماضی میں اس کا نام تھا۔
۶۔ کسی چیز کو ایسے نام سے یاد کرنا جو مستقبل میں اس کا نام ہوگا۔
۷۔ مظروف کی جگہ ظرف کا استعمال
۸۔ ظرف کی بجائے مظروف
۹۔ چیز کی بجائے اس کے آلہ کا نام لینا۔

نوٹ:۔ بشرطیکہ ان اقسام کا استعمال فصحاء کے کلام میں ہو۔

اب حضرت اقدس کے کلام سے ان کی مثالیں دیکھئے:۔

دیدہ راکُن جستجو اے ناتمام ؎ ورنہ در کارِ خودی لبس سرو وخام[1]
(درثمین ص۱۴۳)

سرو وخام سے ناتجربہ کار مراد ہے ۔ (سبب بجائے مسبّب) ؎
آنچناں عشق تیز مرکب راند ؎ کہ ازاں مشتِ خاک ہیچ نماند[2]
(درثمین ص۲۳۱)

مشتِ خاک سے انسان مراد ہے (ماضی کا نام) ؎
خودت باجل چیست ازمکروبند ؎ چہ دیوار داری کشیدہ بلند[3]
(درثمین ص۳۲)

دیوار یعنی روک (آلہ) ؎
عشق دلبر بروئے او بارید ؎ ابر رحمت بکوئے او بارید[4]
(درثمین ص۳۳۲)

ابر سے یہاں بارش مراد ہے (مسبّب باسم سبب) ؎
آں کلامِ خدا نہ بر فلک است ؎ تا بگوئی کہ ہست دور از دست[5]
(درثمین ص۱۱)

دست سے مراد ہے طاقت اور پہنچ (آلہ) ؎

۱؎ ترجمہ: اے ناقص انسان معرفت کی تلاش کر ورنہ تو کچا اور ناتجربہ کار ہے ۔
۲؎ ترجمہ: عشق نے گھوڑے کو اتنا تیز دوڑایا، کہ انسان کا کچھ بھی باقی نہ رہا ۔
۳؎ ترجمہ: موت کے مقابلہ میں تیرے پاس کیا حیلے بہانے ہیں، کیا تیرے پاس کوئی بڑی روک ہے ۔
۴؎ ترجمہ: محبوب کا عشق اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا، رحمت کی بارش اس کے کوچہ میں برسنے لگی ۔
۵؎ ترجمہ: خدا کا کلام آسمان پر نہیں کرتو یہ کہے کہ میری پہنچ سے دُور ہے ۔

سر کشیدہ بناز و کبر و ریا ⁂ واز تدین نہادہ بیروں پا[1]
(درثمین صـ۴۴)

سر سے کل انسان مراد ہے۔ (جزو برائے کل) ؎
بے زباناں از و فصیح شدند ⁂ زشت رویاں از و صبیح شدند[2]
(درثمین صـ۵۸)

بے زبانوں سے گونگے مراد ہیں۔ (آلہ) ؎
پناہم آں توانائیست ہرآں ⁂ ز بخل ناتوانا نم مترساں![3]
(درثمین صـ۲۹)

پناہ سے مراد جائے پناہ ہے۔ (مظروف بجائے ظرف) ؎
قدر ایں رہ بپرس از اموات ⁂ اے بسا گورہا پُر از حسرات[4]
(درثمین صـ۸۶)

گورہا سے مراد اہلِ قبور ہیں۔ (ظرف بجائے مظروف) ؎
از خودی درشدہ خدا را یافت ⁂ گم شدہ دست رہنما را یافت[5]
(درثمین صـ۱۰۵)

---

[1] ترجمہ: فخر اور تکبّر اور ریا سے اکڑ رہا ہے، اور دینداری کی حد سے باہر نکل گیا ہے۔
[2] ترجمہ: اس کی وجہ سے گونگے فصیح بن گئے اور بدشکل آدمی خوبصورت ہوگئے۔
[3] ترجمہ: میری پناہ ہرآن وہ طاقتور ہستی ہے، اس لئے مجھے بے طاقتوں کے بخل سے مت ڈراؤ۔
[4] ترجمہ: اس رستے کی قدر مُردوں سے پوچھو، بہت سی قبریں حسرتوں سے بھری ہوئی ہیں۔
[5] ترجمہ: تُو نے خودی سے نکل کر خُدا کو پالیا، اور گم ہوکر رہنما کی امداد حاصل کرلی۔

دست سے امداد مراد ہے جو ہاتھ سے کی جاتی ہے۔ (آلہ) ؎

حُسن را با عاشقاں باشد سرے ؛ بے نظر در کے بود خوش منظرے[1]

(درثمین ص ۱۵۳)

حُسن سے حسین مراد ہیں۔ (مظروف برائے ظرف)۔

کنایہ : یعنی ترک تصریح۔ اصطلاحاً ایسا لفظ مراد ہے جس کے لازم معنی کا ارادہ کریں۔ اور ساتھ ہی ملزوم کا ارادہ بھی جائز ہو۔ بخلاف مجاز جس میں ملزوم کا ارادہ نہ کرنا معتبر ہے۔ کنایہ کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ یہاں ان کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ مثالیں دیکھئے : ؎

پا بہ زنجیر پیش دلدارے ؛ بہ نہ ہجراں و سیرِ گلزارے[2] (درثمین ص ۴۲)

پا بہ زنجیر ہونے کو قید لازم ہے، اور قید ہی مراد ہے۔ اور ساتھ ہی سچ مچ پا بہ زنجیر ہونے کا مفہوم بھی جائز ہے ؎

عجب دارد اثر دستے کہ دستِ عاشقش باشد ؛ بگرداند جہانے را زبہرِ کارِ گریانے[3]

(درثمین ص ۲۴۴)

یہاں دستِ سے دستِ دُعا مراد ہے۔ جو دُعا کے لئے اٹھایا جاتا ہے۔ اور اگر یہاں دُعا کا لفظ محذوف سمجھا جائے۔ تو عین دست (یعنی ہاتھ) کا مفہوم بھی روا ہوگا۔

ایک نظم میں متعدد اقسام کے غافلوں کا ذکر آرہا ہے۔ اسی دوران میں فرمایا : ؎

---

[1] ترجمہ :۔ حسینوں کو بھی عاشقوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ کوئی خوش شکل کسی قدر دان کے بغیر نہیں ہوتا۔

[2] ترجمہ :۔ پاؤں میں زنجیر پڑی ہونے کی حالت میں بھی محبوب کے سامنے ہونا۔ اسکی جدائی میں باغ کی سیر سے بہتر ہے۔

[3] ترجمہ :۔ اس ہاتھ میں عجب تاثیر ہوتی ہے جو کسی عاشق کا ہاتھ ہو۔ خدا کسی رونے والے کا کام بنانے کے لئے ایک دنیا کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔

آں خردمند یکہ او دیوانۂ راہش بود ؛ ہوشیارے آنکہ مست روئے آں یارِ حسین[۱]

(درثمین صفحہ ۱۵۵)

اس شعر میں غافلوں کا بظاہر ذکر نہیں۔ لیکن اس تصریح کے بغیر بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ اس شعر سے مراد یہی ہے۔ کہ جن غافلوں کا ذکر آرہا ہے۔ وہ نہ تو خردمند ہیں اور نہ ہی ہوشیار۔ کیونکہ نہ وہ راہ محبوب کے دیوانے ہیں اور نہ رُوئے محبوب کے گرویدہ۔ اس قسم کے کنایہ کو تعریض کہتے ہیں۔ کیونکہ عرضہ کے معنی طرف اور جانب کے ہیں۔ گویا اشارہ ایک جانب کرتے ہیں۔ اور مراد دوسری جانب ہوتی ہے ؎

بتاج وتختِ زمیں آرزو نمے دارم ؛ نہ شوقِ افسرِ شاہی بدل مرا باشد[۲]

(درثمین صفحہ ۲۷۱)

تاج وتخت سے حکومت مراد ہے اور خود تاج وتخت بھی۔ اسی طرح ؎

ہرکہ رخت افگند بہ ویرانہ ؛ مے نماید بترز دیوانہ[۳]

(درثمین صفحہ ۱۱۷)

رخت افگندن کے معنی قیام کرنا ہے۔ اور رخت افگندن بھی۔

---

[۱] ترجمہ: وہ آدمی عقلمند ہے جو اُسکی راہ کا دیوانہ ہے، اور وہی ہشیار ہے جو اس حسین محبوب کے چہرہ کا گرویدہ ہے۔

[۲] ترجمہ: مجھے کسی زمینی تاج وتخت کی خواہش نہیں۔ اور نہ میرے دل میں کسی بادشاہی تاج کا شوق ہے۔

[۳] ترجمہ: جو شخص ویرانوں میں اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔ وہ پاگلوں سے بھی بدتر دکھائی دیتا ہے۔

ب ۔ علم بدیع

صنائع بدائع معنوی و لفظی کے حسن و قبح کے متعلق بحث صد ۱۵۲ ہذا پر ملاحظہ فرمائیے ۔
یہاں صرف حضرت اقدس کے کلام سے ان کی مثالیں پیش کی جائیں گی ۔
یہ خیال رہے کہ حضرت اقدس کے کلام میں یہ صنعتیں آورد نہیں بلکہ آمد ہیں جو بلا تکلف
آپ کے ذہنِ رسا سے صفحۂ قرطاس پر جلوہ افروز ہوئیں ۔ مثلاً

از یقین ست زہد و عرفان ہم ❊ گفتمت آشکار و پنہان ہم[1]
(دُرّثمین صد ۳۶۴)

ظاہر ہے کہ آشکار و پنہاں کے الفاظ کلام میں کسی صنعت کے پیدا کرنے کے لئے نہیں لائے گئے بلکہ ایک حقیقت بیان کی گئی ہے ۔ ان الفاظ کے بغیر مطلوبہ مفہوم ادا نہیں ہو سکتا تھا ۔ اب ان الفاظ سے صنعت طباق پیدا ہو گئی تو یہ آمد ہے ، آورد نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں یہ صنعتیں اس طرح گھلی ملی ہُوئی ہیں کہ کئی جگہ یہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ یہاں کوئی صنعت یا صنعتیں چھُپی بیٹھی ہیں ۔ اور یہی انشا پردازی کا کمال ہے ۔ کہ صنعتیں خود بخود پیدا ہوں ۔ ورنہ اگر عمداً صنعتیں لانے کی کوشش کی جائے ، تو تصنع اور بناوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور کلام پایۂ اعتبار سے گر جاتا ہے ۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض صنائع کی تعریف میں اس فن کی کتب میں اختلاف ہے ۔ خاکسار نے وہی تعریف اختیار کرنے کی کوشش کی ہے جس پر زیادہ تر مصنفین کا اتفاق ہے ۔
علاوہ ازیں حضرت اقدس کے کلام میں بعض ایسی صنعتیں بھی ہیں جن کا ذکر اس فن کی مروجہ کتب میں نہیں ملتا ۔ انکا ذکر مروجہ صنعتوں کی مثالیں پیش کرنے کے بعد کیا جائے گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

[1] ترجمہ : زہد اور عرفان بھی یقین کی بدولت ہی حاصل ہوتا ہے ، مَیں نے یہ بات تمہیں پوشیدہ طور پر بھی بتائی ہے اور ظاہر طور پر بھی ۔

صنائع معنوی

توریہ سے مراد کلام میں ایسے لفظ کا آنا ہے جس کے دو معنی ہوں اور وہاں دونوں چسپاں ہوتے ہوں۔ جیسے :-

زہے نحو آں بود نحو سداد ؛ ہمہ منطقم صرفِ آں نحو باد[۱]

(درثمین ص ۳۱۵)

منطق کے دو معنی ہیں۔ ایک مطلق کلام، بات چیت یا گفتگو۔ اور دوسرے علم منطق اور دونوں یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نحو کے بھی دو معنی ہیں۔ پہلی جگہ علم نحو اور دوسری جگہ پہلو۔ اور دوسرے مصرع میں آں نحو کا اشارہ مصرع اوّل کے دونوں نحو کے الفاظ میں سے کسی ایک کی طرف ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس تیسرے نحو کے دونوں معنی وہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ یعنی وہ علم نحو یا وہ پہلوئے سداد۔ (یہ "صرف" کا لفظ بھی ابہام تناسب کی مثال ہے۔ جس کے لئے آگے دیکھئے)۔

ابہام تناسب یہ ہے کہ کلام میں ایسا لفظ آئے جس کے دو معنی ہوں۔ ایک قریب اور ایک بعید۔ پہلے ذہن معنیٔ قریب کی طرف مائل ہو، لیکن غور کرنے سے معلوم ہو کہ یہاں معنیٔ بعید مراد ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ابہام مجرد اور ایک ابہام مرشح۔

ابہام مجرد : میں قریب کے معنوں کے مناسبات مذکور نہیں ہوتے جیسے ؎

جانِ من از جانِ او یابد غذا ؛ از گریبانم عیاں شد آں ذکا[۲] (درثمین ص ۲۲۸)

---

[۱] ترجمہ: واہ وا! اکی نحو پختگی اور راستی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ میری ساری منطق اس نحو پر صرف ہو۔

[۲] ترجمہ: میری روح اس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا۔

ذکا کے دو معنی ہیں ۔ ذال کی زبر سے فراست اور اس کی پیش سے سورج ۔ پہلے اس کے عام معنوں یعنی فراست کی طرف دھیان جاتا ہے ۔ لیکن وہ یہاں چسپاں نہیں ہوتے ۔ اس لئے دوسرے معنی (جو کبھی کبھار استعمال ہوتے ہیں ۔ ان) کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے ۔ یعنی سورج ۔ گویا سورج جیسا روشن اور نفع رساں وجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ابہام مرشح :۔ میں معنی قریب کے مناسبات مذکور ہوتے ہیں ۔ جیسے حسب ذیل شعر میں "دامن کشاں رَوِی" کے الفاظ ہیں :

دامن کشاں رَوِی زمن اے یار مہوشم ✲ دستم نمی رسد کہ دلت را بخود کشم[1]

(درثمین ص۲۷۷)

دست کے دو معنی ہیں ۔ ایک ہاتھ اور دوسرے طاقت ۔ مناسبات کے ذکر کی وجہ سے پہلے ہاتھ کی طرف خیال جاتا ہے ۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادی ہاتھ تو دل تک نہیں پہنچ سکتا ۔ لہٰذا یہاں لازماً معنئ بعید یعنی طاقت، کوشش یا محبت مراد ہیں ۔ (نیز دامن کشاں، کنایہ کی ایک خوبصورت مثال ہے) ۔

چو صوفِ صفا در دل آویختند ✲ مداد از سوادِ عیون ریختند[2]

(درثمین ص۴۳)

سواد کے ۲ معنی ہیں ۔ ایک سیاہی اور دوسرے گرد و نواح ۔ مناسبات کے موجود ہونے کی وجہ سے پہلے ذہن سیاہی کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ پھر خیال آتا ہے کہ سیاہی کے لئے تو الگ لفظ مداد موجود ہے ۔ لہٰذا اس کے معنی ارد گرد کے ہیں ۔ یعنی دل کی دوات میں سیاہی آنکھوں کے

---

[1] ترجمہ :۔ اے میرے ماہ رو دوست تو دامن بچا کر میرے پاس سے گزر رہا ہے مجھ میں یہ طاقت کہاں کہ تیرا دل اپنی طرف کھینچ لوں ۔

[2] ترجمہ :۔ جب دل کی دوات میں صفائی کا صوف ڈالتے ہیں ۔ تو آمیں آنکھوں کے آنسوؤں کی سیاہی ڈالتے ہیں ۔

اِردگرد سے جمع کرکے گویا آنسوؤں کی سیاہی ڈالی جاتی ہے۔ سواد سے مراد وہ نیلاہٹ بھی ہوسکتی ہے جو غم کے باعث آنکھوں کے گِرد چھا جاتی ہے ؎

زہے نحو آں بود نحو سداد ⁂ ہمہ منطقم صرفِ آں نحو باد[1]

(درثمین ص ۳۱۵)

صرف کے دو معنی ہیں۔ علم صرف اور خرچ کرنا۔ مناسبات کی بنا پر پہلے علم صرف کا خیال ہوتا ہے۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں خرچ کرنا مراد ہے۔

طباق :۔ جسے متضاد بھی کہتے ہیں۔ یہ ہے کہ ایسے دو لفظ شعر میں جمع ہوں، جن کے معنوں میں تضاد ہو۔ یعنی ایک معنی دوسرے کے خلاف ہوں۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً دونوں لفظ اسم ہوں یا فعل یا حرف یا ملے جلے۔ یا نفی یا کنایہ سے تضاد پیدا کیا گیا ہو وغیرہ۔ لیکن ان کی تشریح کرنے سے بات بہت لمبی ہو جائے گی اس لئے چند مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ متضاد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ یہ صنعت بہت کثرت سے استعمال ہوتی ہے :؎

ہست جامِ نیستی آبِ حیات ⁂ ہر کہ نوشید ست اُو رَست از ممات[2]

(درثمین ص ۵۹)

خویشتن را نیک اندیشیدۂ ⁂ اے ہداک اللہ چہ بَد فہمیدۂ

(درثمین ص ۶۰)

چوں بیفتی با دوصد درد و نفیر ⁂ کس ہمے خیزد کہ گردد دستگیر

(درثمین ص ۶۴)

---

[1] ترجمہ: واہ وا! اس کا علم نحو راستی کا پہلو لئے ہُوئے ہے۔ میری تمام منطق اس نحو پر صرف ہو۔

[2] ترجمہ: نیستی کا جام ہی اصل میں آبِ حیات ہے، جس نے وہ پی لیا وہ موت سے خلاصی پاگیا۔ تُو نے اپنے تئیں نیک خیال کرلیا ہے۔ خدا تجھے ہدایت کرے تُو نے کیسا غلط سمجھا ہے۔ جب تو چیختا چلاتا گر پڑتا ہے۔ تو کوئی ضرور اٹھتا ہے تا کہ تیرا ہاتھ تھام لے۔

چہ دورُخہا کہ میدیدم بدیدار چنیں رُوہا ؛ بنازم دلبرِ خود را کہ بازم داد جنّت را [1]

(درثمین ص۱۸۵)

بدبوئے حاسداں نرساند زیاں بہ من ؛ من ہر زماں ز نافۂ یادش معطّرم [2]

(درثمین ص۱۶۴)

آں دیدہ کہ نورے نگرفت ست ز فرقاں ؛ حقّا کہ ہمہ عمر ز کوری نہ رہیدہ [3]

(درثمین ص۷۵)

از کس و ناکس بیاموزی فنون ؛ عار داری زاں حکیمِ بے چگوں [4]

(درثمین ص۵۸)

کلبۂ جسمِ خود بکن برباد ؛ چوں نمے گردد از خدا آباد [5]

(درثمین ص۳۵۴)

عناصر اربعہ کا ذکر بھی اسی صنعت طباق میں شامل ہے ۔ جیسے ؎

قمر و شمس و زمین و فلک و آتش و آب ؛ ہمہ در قبضۂ آں یارِ عزیز اند اسیر [6]

(درثمین ص۲۲۱)

---

۱ ترجمہ: ان کے چہرے دیکھنے سے میں کیسے کیسے رُخ دیکھتا ہوں۔ مجھے اپنے دلبر پر ناز ہے کہ اس نے مجھے پھر جنت عطا کی۔

۲ ترجمہ: حاسدوں کی بدبُو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ میں ہر وقت خدا کی یاد کے نافہ سے معطّر رہتا ہوں۔

۳ ترجمہ: وہ آنکھ جس نے قرآن سے نور حاصل نہیں کیا۔ خدا کی قسم وہ ساری عمر اندھے پن سے خلاصی نہیں پائے گی۔

۴ ترجمہ: تو ہر کس و ناکس سے ہنر سیکھتا ہے، لیکن اس لاثانی دانشور سے تجھے شرم آتی ہے۔

۵ ترجمہ: تو اپنے جسم کی جھونپڑی کو برباد کر دے، اگر وہ خدا (کے عشق) سے آباد نہیں ہوتی۔

۶ ترجمہ: چاند، سورج، زمین، آسمان، آگ اور پانی سب اس عزّت والے دوست کے قبضہ میں قید ہیں۔

یہاں کواکب اور عناصر اربعہ دونوں شامل ہیں۔ زمین سے خاک بھی مراد ہے اور فلک سے ہوا۔ نیز دیکھئے عزیز کا لفظ معانی کو کیسے وسعت دے رہا ہے۔ یعنی وہ محبوب زبردست بھی ہے اور پیارا بھی۔ یہ شعر صنعت جمع کی بھی خوبصورت مثال ہے۔

تدریج : یہ صنعت بھی صنعت طباق میں ہی شامل ہے۔ طریق یہ ہے کہ تعریف یا ہجو کے درمیان رنگوں کا ذکر کریں اور ان سے بطریق کنایہ یا ابہام مقصود (یعنی تضاد) حاصل کریں۔ تکثرِ الوان شرط نہیں۔ مافوق الواحد کافی ہے جیسے ؎

آفتاب ہر زمین و ہر زمان ٭ رہبر ہر اسود و ہر احمرے[۱]

(درثمین صفحہ ۱۹)

منتِ او بر ہمہ سرخ و سیاہے ثابت است ٭ آنکہ بہرِ نوعِ انساں کرد جانِ خود نثار[۲]

(درثمین صفحہ ۱۲۸)

دونوں شعروں میں کنایہ کے ذریعہ تضاد حاصل کیا گیا ہے کیونکہ کنایہ کی ایک شق یہ بھی ہوتی ہے کہ صفت کا ذکر کر کے موصوف کی ذات مراد لیں۔ اس طرح صفتی معنی بھی اور ذات بھی دونوں متعلقہ لفظ سے لئے جا سکتے ہیں۔

مقابلہ : دو یا زیادہ معنوں کو جو متوافق ہوں ذکر کریں۔ پھر چند دوسرے معنوں کو جو ان کی ضد ہوں بہ ترتیب ذکر کریں جیسے :؎

عاشقِ صدق و سداد و راستی ٭ دشمنِ کذب و فساد و ہر شرے[۳]

(درثمین صفحہ ۱۷)

---

[۱] ترجمہ : وہ ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے آفتاب ہے، اور ہر کالے گورے کا رہبر ہے۔

[۲] ترجمہ : تمام گوری اور کالی قوموں پر اس کا احسان ثابت ہے، جس نے نوع انسان کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

[۳] ترجمہ : وہ صدق، سچائی اور راستی کا عاشق ہے، مگر کذب، فساد اور شر کا دشمن۔

فاسقاں در سیاہ کاری اند ❊ عارفاں در دُعا و زاری اند[1]

(درثمین ص۴۰)

<u>مراعاۃ النظیر</u>: جسے تناسب بھی کہتے ہیں۔ یہ ہے کہ کلام میں متناسب اشیاء جو متضاد اور متقابل نہ ہوں ذکر کریں جیسے :-

باز خندد بناز لالہ و گُل ! ❊ باز خیزد ز بلبلاں غلغل

(درثمین ص۸۳)

رسید مژدہ کہ ایّام نوبہار آمد ❊ زمانہ را خبر از برگ و بارِ خود بکنم

(درثمین ص۲۸۶)

نہالیست از باغِ قدس و کمال ❊ ہمہ آں او ہمچو گل ہائے آں

(درثمین ص۳۶)

زہے نحو آں بود نحو سداد ❊ ہمہ منطقم صرفِ آں نحو باد

(درثمین ص۲۱۵)

فصلِ بہار و موسمِ گُل نایدم بکار ❊ کاندر خیالِ روئے تو ہر دم بگلشنم!

(درثمین ص۱۹۵)

---

[1] ترجمہ : بدکار لوگ بُرے کاموں میں مشغول ہیں، عارف لوگ دُعا اور زاری میں مصروف ہیں۔

[2] ترجمہ : پھر لالہ اور گلاب ناز سے ہنسنے لگے، اور پھر بلبلیں چہچہانے لگی ہیں۔ مجھے خوشخبری ملی ہے کہ موسمِ بہار پھر آگیا ہے۔ تاکہ مَیں زمانہ کو اپنے برگ و بار سے آگاہ کروں۔ وہ پاکیزگی اور کمال کے باغ کا درخت ہے۔ اس کی سب آل گلاب کے پھولوں کی طرح ہے۔ واہ وا اس کا علم نحو کیا اچھا پہلو لئے ہوئے ہے۔ خدا کرے میری ساری منطق اس پر خرچ ہو جائے۔ فصلِ بہار اور پھولوں کا موسم میرے لئے دونوں بیکار ہیں کیونکہ مَیں تو ہر وقت تیرے چہرے کے تصوّر سے باغ میں ہوں۔

مشاکلت یعنی کسی معنی کا بیان کرنا ایسے لفظ کے ساتھ، جس کی ادا کرنے کے لئے وہ موضوع نہ ہو۔ محض اس لئے کہ وہ معنی کسی دوسرے ایسے معنی کے ساتھ آ گئے ہیں، جن معنوں کے لئے وہ لفظ موضوع ہے۔ جیسے :-

؎ عشقِ دلبر بروئے شاں بارید ٭ ابرِ رحمت بکوئے شاں بارید[1]

(درِثمین صفحہ ۸۱)

بارید کے پہلے لفظ سے مراد یہاں چمکنا ہے (عشق ان کے چہرہ پر چمکا یعنی ظاہر ہوا) جس کے لئے یہ لفظ موضوع نہیں۔ ان معنوں میں اس لئے لایا گیا ہے کہ آگے اپنے اصل معنوں میں استعمال ہوا ہے جن کے لئے وہ موضوع ہے یعنی برسا (ابرِ رحمت برسا)۔

عکس و تبدیل شعر کے ایک حصّہ کو جو پہلے ہو دوسرے حصّہ کے پیچھے لے جانا۔ اور اس پیچھے والے حصّہ کو آگے لے آنا۔ جیسے :-

؎ باد و صد زنجیر ہر دم پیشِ یار ٭ خار با او گُل، گُل اندر ہجر خار[2]

(درِثمین صفحہ ۱۳۵)

رجوع جسے ردّ بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ کہی ہوئی بات کو ردّ کریں۔ کسی فائدہ او ر نکتہ کے واسطے یا کسی صفت کے بیان کرنے کے بعد اس کی تردید اس طرح کرنا کہ پہلے بیان پر اور ترقی ہو جائے۔ جیسے :-

؎ رائے واعظ، گرچہ رائے من است ٭ لیک عشقِ تو، بند پائے من است[3]

(درِثمین صفحہ ۳۰۴)

---

[1] ترجمہ : دلبر کی محبت ان کے چہرہ سے ظاہر ہوگئی، رحمت کا بادل ان کی گلی میں برسا۔

[2] ترجمہ: سینکڑوں بند ھنوں کے باوجود ہر دم محبوب کے حضور میں رہتے ہیں، اس کے ساتھ ہوتے ہوئے ان کو کانٹے پھول اور جُدائی میں پھول کانٹے معلوم ہوتے ہیں۔

[3] ترجمہ: اگرچہ میری رائے وہی ہے جو واعظ کی ہے، لیکن تیرے عشق کی بیڑی میرے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے۔

؎ از خرد منداں مرا انکار نیست ؛ لیکن ایں راہ، راہِ وصلِ یار نیست[1]

(درثمین ص ۲۳۸)

دیکھئے دونوں شعروں میں تسلیم شدہ امر پر عمل نہ کرنے کے لئے کیسے خوبصورت عذر پیش کئے ہیں۔

جمع: یعنی چند چیزوں کو ایک حکم کے نیچے جمع کریں۔ جیسے ؎

شوق و انس و الفت و مہر و وفا ؛ جملہ از الہام مے دارد ضیا

(درثمین ص ۵۳)

از خُدا باشد خدا را یافتن ؛ نے بہ مکر و حیلہ و تدبیر و فن

(درثمین ص ۵۶)

حافظ و ستّار و جوّاد و کریم ؛ بیکساں را یار و رحمان و رحیم

(درثمین ص ۲۱۱)

گر بہ مجنوں صحبتے خواہی بہ بینی زود تر ؛ خارہائے دشت و تنہائی و طعنِ عالمے![2]

(درثمین ص ۲۱۳)

تفریق: دو چیزوں میں سے جو کسی وصف میں متحد ہوں اختلاف اوصاف ظاہر کریں۔ جیسے

؎ زہر و تریاق است در ما مستتر ؛ آں کُشد ایں مے دہد جان دِگر[3]

(درثمین ص ۲۱۲)

---

[1] ترجمہ: مجھے داناؤں (کی دانائی) سے انکار نہیں، لیکن یہ راستہ محبوب کے وصل کا راستہ نہیں۔

[2] ترجمہ: شوق، انس، اُلفت اور مہر و وفا، ان سب کی رونق الہام سے ہے۔ خدا کی مدد سے ہی خُدا کو پا سکتے ہیں، نہ کہ چالاکی، حیلہ اور مکر و فریب کے ساتھ۔ وہ حفاظت کرنیوالا، پردہ پوش، سخی اور کریم ہے، بیکسوں کا دوست، رحمان اور رحیم ہے۔ اگر تو مجنوں کی صحبت کا خواہشمند ہے، تو جلد ہی جنگل کے کانٹوں، تنہائی اور لوگوں کے طعنے دیکھ لے گا۔

[3] ترجمہ: ہمارے اندر زہر اور تریاق دونوں پوشیدہ ہیں، وہ قتل کرتا ہے اور یہ نئی زندگی بخشتا ہے۔

تقسیم یہ ہے کہ پہلے چند چیزیں ذکر کریں۔ پھر جو شے ان سے نسبت رکھتی ہو اسے بطریق تعیین ذکر کریں جیسے :۔

ہمچنیں بندہ آفتاب و قمر ؛ بند در سیر گاہِ خویش و مقر!
ماہ را نیست طاقتِ ایں کار ؛ کہ بتابد بروز چوں احرار
نیز خورشید را نہ یارائے ؛ کہ نہد بر سریرِ شب پائے[1]

(درثمین صا۱۱)

تجرید ایک شے ذی صفت سے ایک اور شے مانند اس کے اسی صفت سے متصف حاصل کریں واسطے مبالغہ کے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ پہلی سے زیادہ اس صفت میں ایسی کامل ہے کہ اس سے ایک اور شئے اسی صفت سے متصف حاصل ہو سکتی ہے۔ اپنے آپ کو غیر سمجھ کر باتیں کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ جیسے ؎

فرخ درِ یار را فراگیر ؛ پیرامنِ ایں و آں چہ جوئی؟[2]

(درثمین صا۲۷۷)

فرخ دعوائے مسیحیت سے پہلے حضرت اقدس کا تخلص تھا۔

گر دلا زیں کوچہ بیروں نگزریم ؛ ہم سگانِ کوچہ از ما بہتر اند[3]

(درثمین صا۲۵۱)

---

[1] ترجمہ: اس طرح سورج اور چاند بھی پابند ہیں، اپنے اپنے گھومنے کی جگہ میں اور اپنے مقام میں۔ چاند کو اس امر کی قدرت حاصل نہیں کہ دن کے وقت آزادانہ چمک سکے۔ اسی طرح سورج کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ رات کے تخت پر قدم رکھ سکے۔

[2] ترجمہ: اے فرخ محبوب کے در کی چوکھٹ مضبوطی سے پکڑ، اِس یا اُس (یعنی دوسروں) کے اردگرد سے کیا ڈھونڈ رہا ہے۔

[3] ترجمہ: اے دل اگر ہم عشق کے کوچہ کو طے نہ کریں۔ تو گلیوں کے کتّے بھی ہم سے بہتر ہیں۔

گویا دل کو ایک الگ ہستی قرار دیا۔

مبالغہ کسی وصف کو شدت یا ضعف میں اس حد تک پہنچا دیں، کہ اس حد تک پہنچنا بعید یا محال ہو، تا سننے والے کو یہ گمان نہ رہے کہ اس وصف کی شدت یا ضعف کا کوئی مرتبہ باقی ہے۔
اس کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ تبلیغ یعنی ادعائے مذکور عقلاً و عادۃً ممکن ہو۔ جیسے ؎

دریغا اگر دہم صد جاں دریں راہ ÷ نباشد نیز شایانِ محمدؐ [۱]

(درثمین صـ۱۹۳)

بنالم بر درش زاں ساں کہ نالد ÷ بوقتِ وضعِ حملے بار دارے [۲]

(درثمین صـ۲۴۳)

آں عنایت ہا کہ محبوبِ ازل دارد بدو ÷ کس بخوابے ہم ندیدہ مثلِ آں اندر دیار [۳]

(درثمین صـ۱۷۵)

۲۔ اغراق ۔ ادعا عقلاً ممکن عادۃً ممتنع جیسے ؎

الا تا نہ تابی سر از روئے دوست ÷ جہانے نیرزد بیک موئے دوست

(درثمین صـ۶۸)

آفتاب و مہ چہ مے مانند بدو ÷ در دلش از نورِ حق صد نیرّے [۴]

(درثمین صـ۱۷)

---

[۱] ترجمہ : اگر اس راہ میں سَو دفعہ بھی جان دوں، افسوس تب بھی یہ بات محمدؐ کی شان کے شایاں نہیں ہوگی۔
[۲] ترجمہ : مَیں اس کے دروازہ پر اس طرح روتا ہوں، جس طرح حاملہ عورت بچہ جنتے وقت روتی ہے۔
[۳] ترجمہ : وہ مہربانیاں جو محبُوب ازلی اس پر فرماتا رہتا ہے، وہ کسی نے دُنیا میں خواب میں بھی نہیں دیکھیں۔
[۴] ترجمہ : خبردار دوست کی طرف سے منہ نہ موڑنا، سارا جہان دوست کے ایک بال کی برابری نہیں کر سکتا۔
چاند اور سورج اس کی مانند کیسے ہو سکتے ہیں، اس کے دل میں تو خدائی نُور کے سینکڑوں سورج ہیں۔

۳ - غلوّ جو عقلاً و عادةً ممتنع ہو۔ جیسے :؎

خر بود اندر حماقت بے نظیر ٭ لیکن ایشاں را بہر موصد خرے[1]

(درثمین صـ۲۵)

حسن التعلیل یعنی کسی وصف کے واسطے کسی شئے کو علّت ٹھہرا دیں اور وہ درحقیقت اس کی علّت نہ ہو جیسے :؎

مومنے را نام کافر مے نہی ٭ کافرم گر مومنی با ایں خیال[2]

(درثمین صـ۱۸۴)

کسی کے کہنے سے کوئی کافر یا مومن نہیں ہوسکتا۔ حضرت اقدس اس شرط پر اپنے آپ کو کافر قرار دیتے ہیں کہ مخاطب حضرت اقدس کو کافر قرار دے کر بھی مومن رہ سکتا ہو؟ یہ غالباً اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر بن جاتا ہے۔

مذہب کلامی یعنی کلام دلیل اور برہان پر مشتمل ہو۔ جیسے ؎

لیکن ایناں را بحق روئے نبود ٭ پیشِ گرگے گریۂ میشے چہ سُود؟[3]

(درثمین صـ۲۳۱)

ہست آں عالی جنابِ بس بلند ٭ بہرِ وصلش شورہا باید فگند[4]

(درثمین صـ۲۳۶)

---

[1] ترجمہ : بیوقوفی میں گدھے کی کوئی مثال نہیں، لیکن ان کے ایک ایک بال میں سَو سَو گدھے ہیں۔

[2] ترجمہ : تو مومن کا نام کافر رکھتا ہے، اگر تو اس عقیدہ کے باوجود مومن ہے، تو مَیں واقعی کافر ہوں۔

[3] ترجمہ : لیکن سچائی کی طرف اُن کا رُخ ہی نہیں تھا بھیڑیئے کے آگے بھیڑ کے رونے کا کیا فائدہ؟

[4] ترجمہ : وہ بارگاہ بہت بلند ہے، لہٰذا اس کے وصل کے لئے بہت آہ و بکا کرنا پڑتا ہے۔

چودیں درست بود خنجرے نمے باید ❊ کہ زورِ قول موجّہ عجب نما باشد

(درثمین ص۲۶۸)

خوشم بجورکشیدن اگرچہ کشتہ شوم ❊ ازیں کہ ہر عمل وفعل را جزا باشد

(درثمین ص۲۶۹)

صبر کردیم از عنایاتش بریں صد ضرب و کوفت ❊ سرمہ در چشمے نیاید تا نمے گردد غبار

(درثمین ص۱۸۴)

چوں بہ بینی بہ بیشئے شیرے ❊ نہ کُنی در گریختن دیرے

ہمچنیں پیش تو چو گرگ آید ❊ دل تپد ہیبتِ سترگ آید

پس بدیں دعوئے یقیں کہ ترا ❊ ہست بر کردگار و روزِ جزا

باز چوں مے کُنی گناہِ بزرگ ❊ چہ خدا نیست نزدِ تو چوں گرگ[1]

(درثمین ص۳۵۹)

بعض نقاد نے یہ قرار دے رکھا ہے کہ ہر شعر اپنی ذات میں مکمل ہونا چاہیئے۔ حتّٰی کہ دو قطعہ بند شعروں کو بھی معیُوب گردانتے ہیں لیکن بعض جید شعراء بھی اس خود ساختہ قاعدہ کی پابندی نہیں کرتے مثلاً

---

[1] ترجمہ: جب دین صحیح ہو۔ تو خنجر کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ بادلائل کلام کی طاقت معجزہ نما ہوتی ہے۔ مَیں ہر ظلم برداشت کرنے پر رضامند ہوں، خواہ قتل کیا جاؤں، کیونکہ ہر عمل اور فعل کی جزا ضرور ملتی ہے۔ اس کی مہربانیوں کے پیش نظر ہم نے سینکڑوں قسم کی مار پیٹ پر صبر کیا، کیونکہ جب تک سُرمہ پس کر غبار نہ ہو جائے آنکھ کے قابل نہیں ہوتا۔ جب تو کسی جنگل میں شیر کو دیکھ لیتا ہے تو وہاں سے بھاگنے میں دیر نہیں کرتا، اسی طرح تیرے سامنے جب بھیڑیا آجاتا ہے، تو تیرا دل تڑپنے لگتا ہے اور تو سخت خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ پس یقین کے اس دعوے کے ساتھ جو تجھے خدا اور قیامت کے دن پر ہے، پھر تو کس طرح کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیا تیرے نزدیک خدا بھیڑیئے کے برابر بھی نہیں؟

شیخ سعدی کا ایک اقتباس صٓ۲ ہذا پر دیکھئے جس میں آٹھویں شعر پر جا کر مفہوم مکمل ہؤا ہے۔
تجاہل عارف یعنی کسی معلوم بات سے اپنے آپ کو ناواقف اور لاعلم گردانتے ہیں۔ کسی خاص نکتہ کے پیدا کرنے کے لئے جس سے کلام زیادہ بلیغ ہو جائے۔ جیسے ؎

من ندانم ایں چہ ایماں است و دیں ٭ دم زدن در جنبِ ربّ العالمین[1]

(درثمین صٓ۶)

تو خزاں بہرِ خود پسندیدی ٭ من ندانم چہ در خزاں دیدی

(درثمین صٓ۳۵۶)

مرا دجّال و کذّاب و بتر از کافراں فہمند ٭ نمے دانم چرا از نورِ حق نفرت شود پیدا؟[1]

(درثمین صٓ۱۹۲)

ان تینوں شعروں میں مخالفین کی غلط کاری پر تعجب میں مبالغہ ہے۔
تشابہ الاطراف یعنی کلام ایسی شے پر ختم کریں جو ابتدا سے مشابہت رکھتی ہو جیسے ؎
سخن نام در یافت زاں نامۂ ٭ زہے پختگی ہائے آں خامۂ[2]

(درثمین صٓ۲۱۵)

خامہ (قلم) کو سخن (کلام جو لکھا ہؤا ہو اس) سے گہرا تعلق ہے۔

ے۱ : مَیں نہیں جانتا کہ یہ کیسا ایمان اور دین ہے کہ انسان خدا کے مقابلہ میں کوئی دعوے کرے۔
تُو نے اپنے لئے خزاں کو پسند کر لیا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ تُو نے خزاں میں کیا دیکھا۔
مجھے دجّال، کذاب اور کافروں سے بدتر سمجھتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہیں خُدا کے نور سے کیوں اتنی نفرت ہوگئی؟

ے۲ : اس خط سے کلام نے نام پایا، اس قلم کی پختگیوں کے کیا کہنے!

آتشے کاندر دلم افروختی ❊ وزدمِ آں غیرِ خود را سوختی[۱]

(درِثمین صـ ۲۴۸)

جلنے کو آگ سے گہرا تعلق ہے۔

تنسیق الصفات کئی صفات پے در پے لانا بغیر حرف عطف کے جیسے ؎

آفتاب ہر زمین و ہر زماں ❊ رہبر ہر اسود و ہر احمرے

مجمع البحرین علم و معرفت ❊ جامع الاسمین ابرو خاورے

(درِثمین صـ ۱۹)

تاجدارِ ہفت کشور آفتابِ شرق و غرب ❊ بادشاہِ ملک و ملت ملجاءِ ہر خاکسار[۲]

(درِثمین صـ ۱۸۱)

یہ خیال رہے کہ ان اشعار میں جو واؤ آئی ہیں، وہ ضمنی حروف عطف ہیں۔ مثلاً آفتاب شرق و غرب باوجود واؤ کے ایک ہی صفت ہے۔ اور اس کے اور اس سے پہلی صفت تاجدارِ ہفت کشور کے درمیان کوئی حرفِ عطف نہیں۔ بعض مصنف اس صنعت کو صنائع لفظی میں شمار کرتے ہیں۔

براعۃ الاستہلال یعنی شروع کلام میں ایسے لفظ آویں جن سے پتہ چل جاوے کہ آگے کیا مضمون ہوگا جیسے ایک نظم کا مطلع ہے: ؎

در دلم جوشد ثنائے سرورے ❊ آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے[۳]

(درِثمین صـ ۱۵)

---

[۱] ترجمہ: جو آگ تُو نے میرے دل میں روشن کی ہے، اس کے شعلوں سے اپنے غیر کو جلا دیا ہے۔

[۲] ترجمہ: وہ ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے آفتاب ہے، ہر کالے گورے کا رہبر ہے علم اور معرفت کا سنگھم ہے۔ بادل اور سورج دونوں کا جامع ہے۔ وہ ساتوں ولایتوں کا بادشاہ ہے۔ مشرق و مغرب کا سورج۔ ملک و ملت کا حکمران ہر خاکسار کی پناہ ہے۔

[۳] ترجمہ: میرے دل میں اس شہنشاہ کی تعریف جوش زن ہے، جو خوبیوں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آگے جو نظم ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کی جائے گی۔ اسی طرح حسب ذیل مطلع جات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نظموں میں علی الترتیب نُزولِ مسیح، نعتِ رسولؐ اور انسانِ کامل کی صفات کا بیان ہوگا۔

جائیکہ از مسیح و نزولش سخن رود ❊ گویم سخن اگرچہ ندارند باورم

(درِثمین ص۱۶)

چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار؟ ❊ عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار

(درِثمین ص۱۷۵)

ہماں ز نوعِ بشر کامل از خدا باشد ❊ کہ با نشانِ نمایاں خدا نما باشد[1]

(درِثمین ص۲۶۱)

مزاوجہ دو ایسے معنی شرط و جزا میں واقع ہوں کہ پہلے پر جو امر مرتب ہو دوسرے پر بھی وہی ہو جیسے:۔

تا وجودم ہست خواہد بود عشقت در دلم ❊ تا دلم دورانِ خوں دارد بتو دارد مدار

(درِثمین ص۱۸۲)

گر بگوئی غیر را رحماں خدا ❊ تف زند بر روئے تو ارض و سما

در تراشی بہرِ آں یکتا پسر ❊ بر تو بارد لعنتِ زیر و زبر[2]

(درِثمین ص۲۰۳)

---

[1] ترجمہ: جہاں کہیں مسیح اور اس کے نزول کا ذکر ہو۔ وہاں مَیں بھی کچھ نہ کچھ کہتا ہوں۔ اگرچہ لوگ میرا یقین نہ کریں۔ مجھ سے اس عالی قدر سردار کی تعریف کس طرح ہو سکے۔ جس کی مدح سے زمین و آسمان اور دونوں جہان عاجز ہیں۔ انسانوں میں سے وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے، جو روشن نشانوں کے ساتھ خدا دکھانے والا ہو۔

[2] ترجمہ: جب تک میرا وجود باقی ہے، تیرا عشق میرے دل میں رہے گا۔ جب تک میرے دل میں خون گردش کرتا ہے گا، میرا تجھی پر بھروسہ ہے۔ اگر تو کسی اور کو خدائے رحمان کہے تو تیرے منہ پر زمین و آسمان تھوکیں۔ اگر اس یکتا خدا کے لئے تو کوئی بیٹا تجویز کرے گا تو نیچے اور اُوپر سے تجھ پر لعنتیں برسیں گی۔

ہر کہ در مجمرت اُفتاد تو بریاں کردی ٭ ہر کہ آمد برِ تو شاد تو گریاں کردی [۱]

(درثمین ص۲۸۵)

التفات کلام میں صیغہ جات غائب، مخاطب اور متکلم کو بدل بدل کر لانا جیسے ؎

ہزار نقد نمائی یکے چو سکّۂ ما ٭ بہ نقشِ خوبی و عیار و صفا کجا باشد

مؤیّدیکہ مسیحا دم است و مہدیٔ وقت ٭ بشانِ او دگرے کے زاتقیا باشد

چو غنچہ بود جہانے خموش و سر بستہ ٭ من آمدم بقدو میکہ از صبا باشد

(درثمین ص۲۷۰)

تا نہ نوشد جام ایں زہرے کسے ٭ کے رہائی یابد از مرگ آں خسے؟ [۲]

زیر ایں موت است پنہاں صد حیات ٭ زندگی خواہی بخور جامِ ممات

(درثمین ص۲۸۱)

خستگانِ دیں مرا از آسماں طلبیدہ اند ٭ آمدم وقتیکہ دلہا خوں زغم گردیدہ اند [۳]

(درثمین ص۲۵۴)

---

[۱] ترجمہ: جو کوئی تیری بھٹی میں گرا تُو نے جلا ڈالا، جو تیرے پاس خوش خوش آیا تُو نے اُسے رُلا دیا۔

[۲] ترجمہ: تو ہزاروں نقدی دکھائے، پھر بھی خوبصورتی، کھرا پن اور صفائی میں ہمارے سکّہ جیسی کب ہو سکتی ہے۔ وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحا دم اور وقت کا مہدی ہے، اس کی شان کو متقیوں میں سے کوئی کیسے پہنچ سکتا ہے۔ یہ جہاں ایک کلی کی طرح بند تھا میں اسطرح آیا کہ گویا بادِ صبا آگئی۔ جب تک کوئی اس زہر کا پیالہ نہیں پیتا، تب تک وہ حقیر انسان کب موت سے رہائی پا سکتا ہے۔

[۳] ترجمہ: اس موت کے نیچے سینکڑوں زندگیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر تو زندگی چاہتا ہے تو موت کا پیالہ پی لے دین کے زخمیوں (یعنی دین کا فکر کرنے والوں) نے مجھے آسمان سے بلایا ہے۔ میں ایسے وقت پر آیا ہوں کہ دل غم کے مارے خون ہو گئے تھے۔

ائتلاف لفظ با معنی : یعنی مفہوم کے مطابق لفظ کی آواز جیسے ؎

ذوقِ ایں مَے، چو تو نے دانی ⁂ ہرزہ، عَوعَو کُنی، بنادانی (درثمین صفحہ ۲۵۸)

باز خندد بناز، لالہ و گُل ⁂ باز خیزد، زِ بلبلان غُلغُل[1]

(درثمین صفحہ ۸۳)

عَوعَو یعنی کتّے کا بھونکنا اور غلغل بلبلوں کا چہچہانا۔

تعجب : حیرانگی کا اظہار کرنا۔ جیسے ؎

عجب دارم دل آں ناکساں را ⁂ کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ

(درثمین صفحہ ۱۹۱)

آں خُدائے شاں عجب باشد خُدا ⁂ کو تغافل داشت از ہر کشورے

(درثمین صفحہ ۲۶)

در شگفتم کہ باچنیں نقصاں ⁂ ازچہ بر عقل مے شوی نازاں

(درثمین صفحہ ۱۰۹)

ہمہ در دورِ ایں عالم اماں و عافیت خواہند ⁂ چہ افتاد ایں سرِ مارا کہ مے خواہد مصیبت را[2]

(درثمین صفحہ ۱۸۶)

---

[1] ترجمہ :- چونکہ تو اس شراب کا مزہ نہیں جانتا، اس لئے نادانی سے فضول بھونکتا رہتا ہے، لالہ اور گلاب پھر ناز سے ہنس رہے ہیں اور بلبلیں پھر چہچہا رہی ہیں۔

[2] ترجمہ : مجھے ان نالائقوں کے دلوں پر تعجب ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے مُنہ پھیرتے ہیں۔ ان کا وہ خُدا بھی عجیب خُدا ہے، جس نے ہر ملک سے لاپروائی برتی۔ مَیں حیران ہوں کہ عقل کی ایسی کمی کے باوجود تو اپنی عقل پر ناز کرتا ہے، اس زمانہ میں سب لوگ امن اور عافیت چاہتے ہیں، ہمارے سر کو کیا ہوا ہے کہ وہ مصیبت کا خواہشمند ہے۔

اللہ اللہ! چہ ریخت از انوار ✽ ہست رشحِ دگر دراں گفتار[1]
(درثمین ص۱۱)

تبدیل: نکرہ قائمقام علم اور علم قائمقام نکرہ۔ جیسے ؎
مصطفٰےؐ آئینہ روئے خُداست ✽ منعکس درو بے ہماں خوئے خداست
(درثمین ص۱۴۸)

ازعنایاتِ خداو زفضلِ آں دادارِ پاک ✽ دشمن فرعونیانم بہرِ عشقِ آں کلیمؐ
(درثمین ص۱۵۸)

نہ بلعم است کہ بدتر ز بلعم آں ناداں ✽ کہ جنگِ او بکلیمِ حق از ہوا باشد[2]
(درثمین ص۲۷۱)

ہجو: کسی چیز کی مضرت یا عیب کو عمدہ تشبیہ وغیرہ سے بیان کرنا جیسے ؎
گر خدا از بندۂ خوشنود نیست ✽ ہیچ حیوانے چو او مردود نیست
(درثمین ص۱۷)

ایں طبیعت ہائے شاں چوں سنگہاست ✽ در برِ شاں گر دلے بودے کجاست؟[3]
(درثمین ص۲۲۹)

---

[1] ترجمہ: اللہ اللہ کیسے کیسے انوار اس نے بکھیرے ہیں، اس کلام میں تو اور ہی طرح کا فیضان ہے۔
[2] ترجمہ: محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کے چہرہ کا آئینہ ہیں، اس میں وہی خُدا کی صفات منعکس ہیں۔ خدا کی مہربانیوں اور اس منصف ذات پاک کے فضل سے اس کلیم (آنحضرتؐ) کے عشق کی وجہ سے فرعونی صفت لوگوں کا دشمن ہوں، وہ نادان شخص نہ صرف بلعم ہے، بلکہ بلعم (باعور) سے بھی بدتر ہے۔ جس کی لڑائی خدا کے کلیم سے ہوائے نفس کی وجہ سے ہو۔
[3] ترجمہ: اگر خدا کسی بندہ سے خوش نہیں، تو کوئی بھی حیوان اس جیسا مردود نہیں ہے۔ انکی یہ طبیعتیں پتھر کی طرح سخت ہیں۔ ان کے پہلو میں اگر کوئی (نرم) دل ہے۔ تو کہاں ہے۔

وآنکہ او نامد پئے تحقیق و در کیں مبتلاست ٭ آدمی ہرگز نباشد ہست او بد تر ز خر[1]

(در ثمین صـ۱۲۷)

استفہام: یعنی سوال کے رنگ میں بات کرنا۔ اسے مختلف اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی: (۱) تعجب (۲) تاکید (۳) توقف (۴) تقریر (۵) انکار۔

۱۔ تعجب جیسے ؎

کجا شد دریغ آں زبان وصال ٭ کجا شد چناں خرم آں ماہ وسال؟[2]

(در ثمین صـ۳۱۶)

۲۔ تاکید یعنی کلام میں زور پیدا کرنا۔ جیسے ؎

کے پسندد خرد کہ آں اکبر ٭ شہرتے یافت از طفیلِ بشر

(در ثمین صـ۱۱۴)

کجاست ملہمِ صادق کہ تا حقیقتِ ما ٭ بروعیاں ہمہ از پردۂ خفا باشد[3]

(در ثمین صـ۲۶۹)

۳۔ توقف۔ آگے الگ عنوان دیکھیئے۔

۴۔ تقریر۔ اسے استفہام جوابی بھی کہتے ہیں۔ جیسے

چہ دانی کہ ایشاں چساں مے زیند؟ ٭ ز دنیا نہاں در نہاں مے زیند[4]

(در ثمین صـ۳۰۷)

---

[1] ترجمہ: جو شخص تحقیق کے لئے تو نہیں آتا لیکن دشمنی میں لگا رہتا ہے، وہ ہرگز انسان نہیں، بلکہ گدھے سے بھی بدتر ہے۔

[2] ترجمہ: افسوس وہ ملاقات کا زمانہ کہاں گیا، وہ خوشی والے مہینے اور سال کہاں چلے گئے۔

[3] ترجمہ: عقل کس طرح پسند کر سکتی ہے کہ وہ خدائے برتر کسی انسان کے طفیل شہرت پائے، وہ سچے الہام پانے والا کہاں مل سکتا ہے، کہ ہماری حقیقت اس پر پردۂ غیب سے ظاہر ہو جائے۔

[4] ترجمہ: تجھے کیا معلوم، کہ وہ لوگ کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں، وہ تو دنیا سے پوشیدہ در پوشیدہ زندگی گذارتے ہیں۔

۵- انکاری یعنی ایسا سوال جس کا جواب لازماً نفی میں ہو۔ جیسے ؎

نے بزیرِ زمین کلامِ خُدا ⁂ تا بگوئی کہ چوں خزم آنجا
چوں ز قعرِ زمین بروں آرم ⁂ خود چنیں طاقتے نمے دارم

(درِ ثمین صفحہ ۱۱۱)

کے تواں کردن شمارِ خوبیٔ عبدالکریم ⁂ آنکہ جاں داد از شجاعت بر صراطِ مستقیم

(درِ ثمین صفحہ ۲۹۱)

کجا غوغائے شان بر خاطرِ من وحشتے آرد ⁂ کہ صادق بزدلے نبود وگر بیند قیامت را[1]

(درِ ثمین صفحہ ۱۸۸)

توقف: متکلم سامعین کی عقل کو اپیل کرتا ہے کہ ذرا ٹھہر کر غور کریں۔ اس کی غرض پوری توجہ حاصل کرنا ہے۔ جیسے ؎

ہیچ دانی کلامِ رحماں چیست؟ ⁂ وآنکہ آں خود بیافت آں مہ کیست
آں کلامش کہ نورہا دارد ⁂ شک و ریب از قلوب بردارد[2]

(درِ ثمین صفحہ ۳۲۹)

---

[1] ترجمہ: نہ خُدا کا کلام زمین کے نیچے ہے، کہ تُو کہے کہ مَیں وہاں کیسے گھسوں۔ اسے مَیں زمین کی گہرائیوں سے کیسے باہر نکالوں، مجھ میں تو ایسی طاقت نہیں ہے۔ عبدالکریم کی خوبیاں کس طرح گنی جا سکتی ہیں، جس نے دلیری کے ساتھ صراطِ مستقیم پر جان دی۔ ان کے شور سے میرے دل میں کہاں گھبراہٹ پیدا ہو سکتی ہے، کیونکہ راستباز آدمی بزدل نہیں ہوتا، خواہ وہ قیامت بھی دیکھ لے۔

[2] ترجمہ: تجھے کچھ خبر ہے کہ رحمان کا کلام کیا چیز ہے، اور وہ چاند کونسا ہے جس نے سورج کو پایا ہے۔ رحمان کا کلام وہ ہے جس میں نور ہی نور ہے، وہ دلوں سے شک و شبہ کو دُور کر دیتا ہے۔

زندگانی چیست جان کردن براہِ تو فِدا ❊ رستگاری چیست در بندِ تو بودن صَید وار[۱]

(درثمین صہ ۱۸۲)

اضمار امر در مورد نہی

نہی کے مقام پر امر کا اشارہ جیسے ؎

بگو ہر آنچہ بگوئی چو خود نمے دانی ❊ کہ ساکنانِ درش را چہ اجتبا باشد

(درثمین صہ ۲۶۹)

تو خواہی خسپ یا خود مردہ مے باش ❊ کہ بر ما نیست جز ہشیار کردن[۲]

(درثمین صہ ۲۷۳)

اعتراض

جسے حشو یا اشباع بھی کہتے ہیں۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ کلام ختم ہونے سے پہلے ایسا لفظ یا الفاظ لائیں جس کے بغیر مفہوم مکمل ہو جاتا ہو۔ یہ ایزادی آخر کی بجائے درمیان میں بھی ہو سکتی ہے، اگر کوئی حشو کلام کو رتبۂ بلاغت سے گرا دے، یعنی اس کا کچھ فائدہ نہ ہو تو اسے حشو قبیح کہتے ہیں۔ اور اگر حُسن کلام کی ایزادی کا موجب ہو تو اُسے حشو ملیح کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے کلام میں حشو قبیح کی مثال تلاش کرنا بے کار ہے حشو ملیح کے لئے دیکھئے: ؎

زندگانی چیست جان کردن براہِ تو فِدا ❊ رستگاری چیست در بندِ تو بُودن صَید وار[۳]

(درثمین صہ ۱۸۲)

---

[۱] ترجمہ: زندگی کیا چیز ہے؟ تیری راہ میں جان کو قربان کر دینا، آزادی کیا ہے؟ تیری قید میں شکار کی طرح رہنا۔

[۲] ترجمہ: تو جو چاہے کہتا رہ کیونکہ تجھے یہ علم ہی نہیں کہ اس کے دروازہ پر پڑے رہنے والوں کا کیا رتبہ ہوتا ہے، تو خواہ سویا رہ یا مر ہی جا، ہمارے اُوپر تجھے ہشیار کرنے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔

[۳] ترجمہ: زندگی کیا ہے تیری راہ میں جان قربان کرنا، آزادی کیا ہے؟ تیرا شکار ہو کر تیرے قبضہ میں رہنا۔

اس شعر میں صید وار کا لفظ حشو ہے، کیونکہ فقرہ دربند تو بودن پر ختم ہو جاتا ہے لیکن کیا ہی حسین اور لذیذ حشو ہے۔ کسی کے قبضہ میں انسان اتفاقیہ بھی آجاتا ہے۔ کوئی ظالم بھی گرفتار کر سکتا ہے لیکن جو شخص کسی کی نگاہِ ناز کا شکار ہو جائے، یہ قید صرف اور صرف اسی کو پیاری ہے اور وہی اُسے رستگاری سمجھ سکتا ہے۔ غرض شکار ہونے کی تخصیص ہے تو حشو، لیکن اس نے شعر کی بلاغت میں کتنی ایزادی کردی ہے۔

جامع الحروف

یعنی ایک ہی لفظ کو شعر میں دو[۲] دفعہ لانا۔ اس طرح کہ شعر کے مفہوم میں کوئی خاص اعلیٰ درجہ کی خوبی پیدا ہو جائے۔ جیسے ؎

تو بہ عقلِ خویش در کبر شدید ؎ ما فدائے آنکہ او عقل آفرید[۱]

(درِ ثمین ص۶۳)

ایک ہی چیز ہے یعنی عقل۔ اس کے متعلق مختلف افراد کی سوچ کا فرق کیسی خوبصورتی سے نمایاں کیا ہے۔ ایک شخص کو عقل ملی تو اُس نے اُسے تکبر کا ذریعہ بنا لیا۔ اور خُدا سے دُور ہو گیا۔ دوسرے کو ملی تو وہ شکر گذار ہو کر اللہ تعالیٰ کا فدائی بن گیا۔

---

[۱] ترجمہ: تو اپنی عقل پر نازاں ہو کر سخت متکبر ہو گیا ہے، اور ہم اس پر فدا ہیں جس نے خود عقل کو پیدا کیا ہے۔

صنائع لفظی

تجنیس

تجنیس جسے جناس بھی کہتے ہیں۔ یعنی کلام میں ایسے دو لفظوں کا آنا جو تلفظ میں مشابہ لیکن معانی میں متغائر ہوں۔ اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ مگر حضرت اقدس کے کلام میں اس کے استعمال کے متعلق مثالیں پیش کرنے میں چند ایک کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

۱۔ تجنیس تام

دونوں لفظوں کے حروف، عدد، نوع، ہیئت اور ترتیب میں متفق ہوں۔ جیسے ؎

عشقش، بتار و پودِ دلِ من دروں شد است ⁂ مہرش شُد است، در رہِ دیں مہرِ انوارم

(درثمین صـ۱۶۳)

نہالیست از باغِ قدس و کمال ⁂ ہمہ آلِ او، ہمچو گُل ہائے آل

(درثمین صـ۳۶)

چہ فرق است در روز و شب جز کہ یار ⁂ فتد خاک بر فرقِ ایں روزگار[۱]

(درثمین صـ۳۱۷)

---

[۱] ترجمہ: اس کا عشق میرے دل کے رگ و ریشہ میں داخل ہوگیا ہے، اور اس کی محبت دین کی راہ میں میرے لئے چمکتا ہوا سورج بن گئی ہے۔ وہ پاکیزگی اور کمال کے باغ کا درخت ہے، اور اس کی سب آل و اولاد سُرخ پھولوں کی مانند ہے۔ دوست کے سوا دن اور رات میں فرق ہی کیا ہے، اس زمانہ کے سر پر خاک پڑے۔

۲۔ تجنیس ناقص

دونوں لفظ متفق الحروف لیکن مختلف الحرکات ہوں جیسے ؎

مرا بس است کہ مُلکِ سما بدست آید ﷺ کہ مُلک و مِلکِ زمیں را بقا کجا باشد؟[1]

(درثمین ص۲۷۱)

آں کس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف ﷺ واں بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ

(درثمین ص۷۵)

کہ آں سعید ز طاعون نجات خواہد یافت ﷺ کہ جَست و جُست پناہے بچار دیوارم

(درثمین ص۲۸۰)

۳۔ تجنیس قلب

دونوں لفظ حروف کی تعداد اور نوع میں متفق ہوں لیکن ترتیب میں مختلف جیسے ؎

بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار ﷺ ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برآر[2]

(درثمین ص۲۴۷)

ابر اور بار میں حروف برابر ہیں لیکن ترتیب مختلف۔

۴۔ تجنیس زائد

کلمۂ متجانس میں دوسرے کلمہ سے ایک یا دو حرف زیادہ ہوں۔ جیسے:۔

---

[1] ترجمہ: میرے لئے کافی ہے کہ آسمانی بادشاہت آجائے، کیونکہ زمینی حکومت اور جائیداد کو بقا نہیں ہے۔
جو شخص اس کا عالم ہوگیا وہ معرفت کا خزانہ بن گیا، وہ جس نے یہ کیفیت نہیں پائی وہ دنیا جہان سے غافل رہا۔
وہ خوش قسمت طاعون سے نجات پائیگا، جس نے چھلانگ لگا کر میرے گھر میں پناہ ڈھونڈھ لی یعنی جلد داخل ہوگیا۔

[2] ترجمہ: ان کے دلوں پر رحمت کا بادل برسا، اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر۔

بے دلارام نایدش آرام ÷ گہ بروَیش نظر گہے بکلام

(درثمین صفحہ ۱۰۱)

من خود از بہرِ ایں نشاں زادم ÷ دیگر از ہر غمے دل آزادم!

(درثمین صفحہ ۷۶)

صد ہزاراں نعمتش بخشی زجود ÷ مہر و مہ را پیشش آری در سجود[1]

(درثمین صفحہ ۱۲۸)

۵۔ تجنیسِ مرکب

دو[2] متجانس لفظوں میں سے ایک مفرد ہو اور دوسرا مرکب جیسے:

تافت اوّل بر دیارِ تازیاں ÷ تا زیانش را شود درماں گرے

(درثمین صفحہ ۲)

سَر از فرمان آں حاکم مبردار ÷ کہ دارد، قدرتِ بردار کردن

(درثمین صفحہ ۲۷۴)

دل نمی ترسد بمہر تو مرا از موت ہم ÷ پائیداری ہا ببیں خوش میروم تا پا دار[2]

(درثمین صفحہ ۱۸۰)

---

[1] ترجمہ: اسے محبوب کے بغیر آرام نہیں آتا، کبھی اس کو دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے اور کبھی کلام سننے کی۔ میں خود اس نشان کو دکھانے کے لئے پیدا ہوا ہوں، دوسرے تمام غموں سے آزاد ہوں۔ تو اس کو اپنے کرم سے لاکھوں نعمتیں بخشتا ہے، اور سورج اور چاند کو اس کے سامنے سجدہ کرواتا ہے۔

[2] ترجمہ: پہلے وہ عربوں کے ملک پر چمکا، تا اس کی کوتاہیوں کا علاج کرے۔ اس حاکم کے حکم سے سرتابی نہ کر، جو پھانسی پر چڑھانے کی قدرت رکھتا ہو۔ تیری محبت میں میرا دل موت سے بھی نہیں ڈرتا، میرا استقلال دیکھ میں صلیب کی طرف کیسا خوش و خرم جا رہا ہوں۔

۶۔ تجنیس مزدوج

دو متجانس لفظ پاس پاس ہوں۔ جیسے ؎

بود ہاروں پاک و ایں کرمے پلید ؛ کے بماند بایزیدے با یزید[1]

(درثمین صہ ۱۹۲)

یہ تجنیس مرکب بھی ہے۔ بایزید مفرد ہے اور بایزید مرکب (با + یزید)۔

۷۔ تجنیس مضارع

حروف عدد اور ہیئت میں یکساں لیکن ایک ایک حرف مختلف اور وہ دونوں مختلف حروف ہم مخرج ہوں۔ جیسے :؎

کور ہست آں دیدہ کش ایں نور نیست ؛ گور ہست آں سینہ کز شک دُور نیست[2]

(درثمین صہ ۶۲)

۸۔ تجنیس لاحق

حسب تجنیس مضارع لیکن دونوں مختلف حروف ہم مخرج نہ ہوں۔ جیسے ؎

رمد ز صحبتِ شاں جذبہ ہائے تاریکی ؛ دمد ز گلشنِ شاں آنچہ دلکشا باشد[3]

(درثمین صہ ۲۷۵)

۹۔ تجنیس مرفو

یہ ہے کہ ایک لفظ متجانس کسی دوسرے لفظ کا حصّہ شامل ہو۔ جیسے ؎

---

[1] ترجمہ: ہارون ایک پاک انسان تھا، اور قارون ایک گندہ کیڑا، یزید کس طرح بایزید کے برابر ہو سکتا ہے۔

[2] ترجمہ: وہ آنکھ اندھی ہے جس میں یہ روشنی نہیں، اور وہ سینہ قبر ہے جو شک سے خالی نہیں۔

[3] ترجمہ: اُن کی صحبت سے گناہ کے جذبات کافور ہو جاتے ہیں، اور اُن کے چمن میں وہ بہار آجاتی ہے جو دل کو فرحت بخشتی ہے۔

سیلِ عشقِ دلبرے پر زور بود ؛ غالب آمد رختِ مارا در ربود[1]

(درثمین ص۲۱۰)

ردالعجز علی الصدر جو لفظ شعر کے آخر میں آئے وہی شروع میں ہو، یا مصرع اوّل کے درمیان کہیں۔ یا اس کے آخر میں یا دوسرے مصرع کے شروع میں۔ یہ سب اسی صنعت میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسے ؎

بشر کے بدے از ملک نیک تر ؛ نہ بودے اگر چوں محمدؐ بشر[2]

(درثمین ص۳۱۴)

سخن کو نمود ست درِّ عدن ؛ بہ معنی رسانید لفظِ سخن

(درثمین ص۳۱۵)

قدم خود زدہ براہِ عدم ؛ گُم بیادش ز فرق تا بقدم

(درثمین ص۱۷)

دل از کف و کلہش باشد او فتادہ ز فرق ؛ فراغت از ہمہ خود بینی و ریا باشد[2]

(درثمین ص۲۶۲)

---

[1] ترجمہ: دلبر کے عشق کا سیلاب زوروں پر تھا، وہ غالب آگیا اور ہمارا تمام مال و اسباب بہا کر لے گیا۔

[2] ترجمہ: انسان فرشتے سے کیونکر بڑھتا۔ اگر محمدؐ جیسا انسان (پیدا) نہ ہوتا۔ وہ کلام جو درِّ عدن دکھائی دیتا ہے، اُسی کلام کو معانی تک پہنچا دیا۔ انہوں نے اپنا قدم عدم کی راہ پر رکھا۔ اور خدا کی یاد میں سر سے پیر تک غرق ہو گئے۔ اس کا دل ہاتھ سے اور ٹوپی سر سے گر گئی، خود پسندی اور ظاہر داری سے پاک ہو گیا۔

زور تو غالب است بر ہمہ چیز ❊ ہمہ چیزے بر جنبِ تو نا چیز[1]

(درثمین صـ۱۲)

با دو صد زنجیر ہر دم پیش یار ❊ خار با او گُل، گُل اندر ہجر خار[1]

(درثمین صـ۱۳۵)

اشتقاق

دو لفظ[2] ایک مادہ سے مشتق ہوں اور باعتبار معنی بھی متفق۔ جیسے ؎

علم را عالم بُتے دارد براہ ❊ بت پرستی ہا کند شام و پگاہ

(درثمین صـ۲۳۶)

ہر دم از کارِ عالم آواز یست ❊ کہ یکش بانی و بِنا ساز یست[2]

(درثمین صـ۹)

ذوالقافتین

وہ شعر جس میں دو یا زیادہ قافیے ہوں۔ جیسے ؎

آبِ جاں بخشی ز جاناں آیدت ❊ رو طلب مے کُن اگر جاں بایدت[3]

(درثمین صـ۵۶)

---

[1] ترجمہ: تیری طاقت ہر چیز پر غالب ہے، اور تمام چیزیں تیرے مقابل پر ہیچ ہیں۔ سینکڑوں بندھنوں کے باوجود ہر دم محبوب کے حضور رہتے ہیں۔ اس کے پاس ہوں تو کانٹے پھول اور اس سے پرے ہوں تو پھول کانٹے معلوم ہوتے ہیں۔

[2] ترجمہ: عالموں نے علم کو اپنے راستہ کا بت بنایا ہُوا ہے، وہ صبح شام بُت پرستی میں مشغول ہیں۔ ہر وقت نظامِ عالم گواہی دے رہا ہے، کہ اس جہان کی بنیاد رکھنے والا اور اسے بنانیوالا کوئی (ضرور) ہے۔

[3] ترجمہ: زندگی بخش پانی محبوب سے ملتا ہے، اگر زندگی درکار ہو تو جا (اس سے) مانگ۔

عاشقانِ جلالِ رُوئے خُدا ﷺ طالبانِ زلالِ جُوئے خُدا[1]

(درثمین صہ ۹)

تلمیح یعنی کسی قصہ یا خاص مشہور واقعہ کی طرف اشارہ۔ یا کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ جو مروجہ کتب میں مذکور ہو۔

۱۔ صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن ﷺ واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار[2]

(درثمین صہ ۱۸۱)

پہلے مصرع میں حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینکے جانے کی طرف اور دوسرے مصرع میں حضرت عیسیٰؑ کے مُردے زندہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ رُوحِ اُو در گفتنِ قولِ بلیٰ اوّل کسے ﷺ آدمِ توحید و پیش از آدمش پیوندِ یار[3]

(درثمین صہ ۱۷۷)

قرآنی آیت الست بربکم قالوا بلیٰ (الاعراف: ۱۷۳) کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ خوب گفت آں قادر ربّ الوریٰ ﷺ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[4]

دوسرا مصرع قرآن مجید کی آیت ہے۔ (النجم: ۴۰) (درثمین صہ ۲۱۲)

۴۔ دوزخی کز عذاب پُر چوں خُم ﷺ اصلِ آں ہست لَا یُکَلِّمُہُمْ[5]

سورۃ بقرہ آیت ۱۷۵ میں ہے: لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ آیا ہے (درثمین صہ ۲۲۵)

---

[1] ترجمہ: خُدا کے چہرے کے جلال کے عاشق، خدا کی نہر کے مصفا پانی کے طالب۔

[2] ترجمہ: مجھے اس چاہِ ذقن میں لاکھوں یوسف نظر آتے ہیں۔ اور اس کے دم سے بے شمار مسیح ناصری پیدا ہوگئے۔

[3] ترجمہ: قولِ بلیٰ کہنے میں اسکی رُوح سب سے آگے ہے، وہ توحید کا آدم ہے، اور آدم سے پہلے محبوب سے واصل تھا۔

[4] ترجمہ: اس ربّ العالمین اور قادر خُدا نے خوب کہا ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔

[5] ترجمہ: وہ دوزخ جو خم کی طرح عذاب سے پُر ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ خدا اُن سے کلام نہیں کرے گا۔

۵ ۔ عجب دارید اے نا آشنایاں غافلاں از دیں ❊ کہ از حق چشمۂ حیواں دریں ظلمت شود پیدا[1]

(درثمین صفحہ ۱۶۴)

کہتے ہیں کہ سکندر اعظم جس جگہ چشمۂ زندگی کی تلاش میں گیا تھا۔ وہاں سخت اندھیرا تھا۔

۶ ۔ جائے او جائیکہ طیرِ قدس را ❊ سوزد از انوارِ آں بال و پرے[2]

(درثمین صفحہ ۱۹)

کہتے ہیں معراج میں جبرائیل نے ایک جگہ سے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا کہ وہاں کے انوار سے میرے پر جل جائیں گے۔

۷ ۔ عزتش بخشد ز فضل و لطف وجود ❊ مہر و مہ را پیشش آرد در سجود[3]

(درثمین صفحہ ۲۳۳)

قرآن کریم میں آیا ہے۔ کہ خواب میں چاند، سورج اور گیارہ ستاروں نے حضرت یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا۔ نیز حدیث قدسی کے مطابق نشان کے طور پر حضرت اقدس کے زمانہ میں چاند اور سورج کو مقررہ تاریخوں میں گرہن لگا تھا۔

۸ ۔ بیا بشتاب سوئے کشتئ ما ❊ کہ ایں کشتی ازاں ربِّ علیم است[4]

(درثمین صفحہ ۲۷۹)

یہاں حضرت نوحؑ کی کشتی کی طرف تلمیح ہے۔ جس کا قرینہ دوسرے مصرع کے الفاظ ازاں ربِّ علیم

---

[1] ترجمہ: اے دین سے غافل اور ناواقف انسانو! کیا تمہیں تعجب آتا ہے کہ اس اندھیرے میں خدا کی طرف سے زندگی کا ایک چشمہ پیدا ہو جائے۔

[2] ترجمہ: اس کا مقام وہ ہے جس کے انوار سے جبرائیل کے بھی بال و پر جل جاتے ہیں۔

[3] ترجمہ: وہ اپنے فضل و کرم سے اسے عزت بخشتا ہے، سورج اور چاند کو اس کے آگے سجدہ کرواتا ہے۔

[4] ترجمہ: جلدی سے ہماری کشتی کی طرف آجا کہ یہ کشتی بھی اسی خدائے علیم کی طرف سے ہے۔

ہیں یعنی میری جماعت بھی اسی رب علیم کی طرف سے پناہ گاہ بنائی گئی ہے، جس نے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تھا۔

سیاقۃ الاعداد

یعنی اعداد کا ذکر کریں۔ مرتب یا غیر مرتب۔ جیسے

کشتۂ او نہ یک نہ دو نہ ہزار ❊ ایں قتیلانِ او بروں زشمار[1]

(درثمین ص۲۲۳)

بیان بہ تکریر

یعنی الفاظ کے تکرار سے کلام میں زور پیدا کرنا۔ جیسے

منزلِ شاں برتر از صد آسماں ❊ بس نہاں اندر نہاں اندر نہاں

(درثمین ص۱۳۸)

لیکن ایں بے باکی و ترک حیا ❊ افترا بر افترا بر افترا

(درثمین ص۲۳)

بس کہ من در عشق او ہستم نہاں ❊ من ہمانم من ہمانم من ہماں[2]

(درثمین ص۲۲۸)

غیر گو در بر بود دور ست دور ❊ یارِ دور افتادہ ہر دم در حضور[3]

(درثمین ص۱۳۵)

---

[1] ترجمہ: اس کے کشتے ایک، دو یا ہزار نہیں، بلکہ اس کے قتیل بے شمار ہیں۔

[2] ترجمہ: ان کا مقام سینکڑوں آسمانوں سے بھی بلند ہے، وہ تو مخفی در مخفی ہیں لیکن یہ بے باکی اور بے شرمی! افترا پر افترا پر افترا ہے۔ میں اس کے عشق میں اتنا غرق ہو گیا ہوں، کہ میں وہی ہوں میں وہی ہوں وہی ہوں۔

[3] ترجمہ: غیر اگرچہ پہلو میں ہی ہے پھر دور ہے بہت دور ہے، اور دوست دور ہو تو بھی ہر وقت سامنے ہوتا ہے۔

قسم بھی بعض دفعہ کلام میں عجیب لطف پیدا کرتی ہے۔ جیسے :ـ

بگیسوئے رسُول اللہ کہ ہستم ٭ نثارِ روئے تابانِ محمدؐ[1]

(درثمین صـ۱۹۲)

محبتِ تو دوائے ہزار بیماری است ٭ بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است[1]

(درثمین صـ۱۷۵)

حُسنِ تخلص جسے گریز بھی کہتے ہیں پہلے صرف تشبیب کے بعد عمدہ طریق سے مدح کی طرف پلٹنے کو کہتے تھے۔ اب قدرے عام ہوگیا ہے۔ یعنی ایک مضمون کی طرف متوجہ ہونا۔

۱۔ حضرت اقدس نعت نبیؐ سے دوسرے انبیاء کے ذکر کی طرف پلٹتے ہیں۔ فرمایا ـ

ہست او در روضۂ قُدس و جلال ٭ و از خیالِ مادحاں بالاترے[2]

اے خُدا بروئے سلامِ ما رساں ٭ ہم براخوانش زہر پیغمبرے

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ٭ ہر رسولے بود مہرِ انورے

(درثمین صـ۲۰-۲۱)

۲۔ اِسی طرح آپ نعتِ رسُولؐ سے ایک اعتراض کے رد کی طرف رجوع فرماتے ہیں :ـ

---

[1] ترجمہ : رسُول اللہ کی زلفوں کی قسم مَیں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے روشن چہرے پر فدا ہوں۔ تیری محبت بے شمار بیماریوں کی دوا ہے، تیرے ہی منہ کی قسم کہ اسی گرفتاری میں اصل آزادی ہے۔

[2] ترجمہ : وہ پاکیزگی اور جلال کے گلستان میں (متمکن) ہے اور مدح کرنے والوں کے خیال سے بہت بالا ہے۔ اے خُدا اُسے ہمارا سلام پہنچادے، نیز اس کے بھائیوں یعنی دوسرے تمام پیغمبروںؑ کو بھی۔ ہر رسُول سچائی کا سورج تھا، ہر رسُول نہایت روشن آفتاب تھا۔

مے دہد فرعونیاں را ہر زماں ٭ چوں ید بیضائے موسیٰؑ صد نشاں
آں نبی در چشم ایں کوران زار ٭ ہست یک شہوت پرست و کیں شعار
شرمت آید اے سگ ناچیز و پست ٭ مے نہی نام یلاں شہوت پرست[۱]

(درثمین ص۱۳۱۰۱۴۱)

۳۔ حمد باری تعالیٰ سے نعتِ رسولؐ کی طرف گریز فرماتے ہیں:؎
جہاں جملہ یک صنعت آباد اوست ٭ خنک نیک بختے کہ دریادِ اوست
رسولِ خداؐ پرتو از نورِ اوست ٭ ہمہ خیر ما زیرِ مقدور است
ہماں سرور و سیّد و نورِ جاں ٭ محمدؐ کزو بست نقشِ جہاں[۲]

(درثمین ص۳۱۳)

خوب غور فرمائیے کہ گریز کی ان مثالوں میں پہلے مضمون کا تسلسل بھی نہیں ٹوٹتا اور نیا مضمون بھی شروع ہو جاتا ہے۔ یہی تخلص کا کمال ہے۔

ہتاف: مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے حرفِ ندا کے ساتھ آواز کو لمبا کرنا۔ جیسے:؎

---

[۱] ترجمہ:۔ وہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) فرعونی صفت لوگوں کو ہر وقت موسیٰؑ کے یدِ بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہے۔ ایسا نبی ان ذلیل اندھوں کے نزدیک ایک شہوت پرست اور کینہ ور شخص ہے۔ اے حقیر اور ذلیل کتے تمہیں پہلوانوں کا نام شہوت پرست رکھنے سے شرم آنی چاہیئے۔

[۲] ترجمہ: تمام جہان اس کی کاریگری کا کارخانہ ہے، خوش قسمت ہے وہ جو اس کی یاد میں ہے۔ خدا کا رسول اُسی کے نور کا عکس ہے۔ ہماری سب بھلائیاں اسی کی پیروی سے وابستہ ہیں۔ وہی سردار ہے، آقا ہے، روح کی روشنی ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اس دُنیا کی صورت بنی۔

اے خُدا اے چارۂ آزارِ ما ٭ اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
اے تو مرہم بخش جانِ ریش ما ٭ اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما[1]

(در ثمین صـ ۱۲۶)

موازنہ یہ ہے کہ دونوں مصرعوں کے آخری الفاظ بلحاظ وزن کے برابر ہوں لیکن باعتبار حرفِ آخر کے مختلف ہوں۔ جیسے ؎

عنایت ہائے اوراچوں شمارم ٭ کہ لُطفِ اوست بیروں از شمارے[2]

(درثمین صـ ۲۴۳)

اکتفا یہ ہے کہ عبارت ایسی ہو جس کا کچھ حصّہ محذوف ہو، اور دلالت کلام کے باعث اس محذوف کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ اس کی غرض اختصار ہوتی ہے جو فن شاعری کا ایک بڑا مابہ الامتیاز ہے۔ جیسے ؎

۱۔ آتشِ عشق از دمِ من ہمچو برقے مے جہد ٭ یک طرف اے ہمدمانِ خام از گرد و جوار[3]

(درثمین صـ ۱۸۰)

دوسرے مصرع میں از من (یعنی مجھ سے) اور گرد دید (یعنی ہٹ جاؤ) کے الفاظ محذوف ہیں:۔

۲۔ دیدرا کُن جُستجو اے ناتمام! ٭ ورنہ در کارِ خودی بس سرد و خام[4]

(درثمین صـ ۱۴۳)

---

[1] ترجمہ: اے خُدا اے ہمارے دکھوں کی دوا، اے ہماری گریہ وزاری کے علاج۔ اے ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والے، اے ہمارے غم زدہ دل کی غمخواری کرنے والے۔

[2] ترجمہ: مَیں اُسکی مہربانیوں کو کیونکر گِن سکوں، کیونکہ اس کی نوازشات حدِّ شمار سے باہر ہیں۔

[3] ترجمہ: میرے سانس سے اسکے عشق کی آگ بجلی کی طرح نکلتی ہے، اے خام طبع ساتھیو! میرے ارد گرد سے ایک طرف ہٹ جاؤ۔

[4] ترجمہ: اے ناقص انسان تو مشاہدۂ حق کی جستجو کر، اس کے بغیر تو معرفت میں خام ہی رہے گا۔

دوسرے مصرع میں گردی یا باشی محذوف ہے۔یعنی ہے یا رہے گا۔

۳۔ چو شامِ پُرغبار و تیرہ حالِ عالمے بینم ⁂ خُدا بروے فرود آرد دُعاہائے سحرگاہم[1]

(درِثمین صفحہ ۳)

دوسرے مصرع میں خواہم محذوف ہے۔یعنی میں چاہتا ہوں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعودؑ دنیا میں شاعری کرنے کے لئے نہیں آئے تھے، کہ اپنے فن کی تشہیر کرنے کے لئے ہر قسم کے صنائع بدائع اپنے کلام میں لانے کی کوشش کرتے۔آپ کی بعثت کا مقصد تو اصلاح خلق اور تجدیدِ دینِ اسلام تھا۔سو ان اغراض کی خاطر اپنے کلام کو دلچسپ اور مؤثر بنانے کے لئے جو فنون بلاغت مفید تھے، ان سے حضرت اقدس نے ضرور فائدہ اٹھایا۔ لیکن جو طریق محض تفنن طبع کے لئے شعرا نے اختیار کئے تھے، ان سے آپ نے کلّی طور پر پرہیز کیا۔لہٰذا آپ کے کلام میں ایسے صنائع بدائع کو تلاش کرنا لاحاصل ہے جن سے ذاتی تفاخر کے علاوہ اور کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے ⁂

---

[1] ترجمہ: میں جب (دنیا کی) گرد و غبار سے بھری ہوئی شام اور زمانہ کی تاریکی پر نظر ڈالتا ہوں (تو چاہتا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ اس کے متعلق میری پچھلی رات کی دعاؤں کو قبول کر لے ⁂

مزیدفنونِ بلاغت

یہاں تک تو وہی فنون بلاغت بیان ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر عموماً فصاحت و بلاغت کی کتب میں پایا جاتا ہے۔ لیکن ہر اچھے کلام میں بعض ایسے محاسن بھی ہوتے ہیں، جن کا ذکر ان کتب میں نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حسین انسانوں کے حسن کے تمام پہلوؤں کو ضبط تحریر میں لانا اور ان کے نام رکھنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسی طرح حسین کلام کی تمام خوبیوں کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ :ـــ

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست ٭ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست[1]

اس لئے اب چند ایسے محاسن بیان کئے جاتے ہیں جن کا ذکر قبل ازیں نہیں آیا۔

۱۔ ایک صنعت ابہام تضاد ہے یعنی دو غیر مقابل معنوں کو ایسے دو لفظوں سے تعبیر کرنا جن کے حقیقی معنوں میں تضاد ہو۔ جیسے ـــ

تا نگرید ابر کے خندد چمن ٭ تا نگرید طفل کے جوشد لبن[2]

اس کے بالعکس کسی صنعت کا کوئی ذکر کہیں نہیں۔ یعنی کلام میں ایسے دو لفظوں کا آنا جن کے متعلق تضاد کا وہم پیدا ہوتا ہو۔ لیکن درحقیقت ان میں تضاد نہ ہو۔ جیسے ـــ

---

[1] ترجمہ: حسینوں کی خوبیاں صرف غمزہ، ناز اور خرام میں محدود نہیں۔ ان کی بہت سی ادائیں ایسی بھی ہیں جن کا کوئی نام نہیں ۔

[2] ترجمہ: جب تک بادل نہ برسے باغ نہیں کھلتا، اور جب تک بچہ نہ روئے ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں اترتا۔

سخن نام دریافت زاں نامۂ ؎ زہے پختگی ہائے آں خامۂ[1]

(درثمین ص۳۱۵)

بظاہر پختگی اور خامہ میں تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ان کے معنوں میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ خامہ کے معنی قلم ہیں۔ مگر پھر بھی پختگی اور خامہ کے الفاظ سے صنعت طباق کا خیال پیدا ہونے اور پھر اس کے دُور ہونے سے قاری کی پوری توجہ اس شعر کے معنوں کی طرف کھینچی جاتی ہے۔

۲۔ اسی طرح ایک صنعت مقابلہ ہے۔ یعنی دو یا زیادہ معنوں کو جو متوافق ہوں ذکر کریں۔ پھر چند دوسرے معنوں کو جو پہلوں کی ضد ہوں بہ ترتیب ذکر کریں (دیکھئے ص۱۳۵ ہذا) لیکن اس کے الٹ کو صنعت قرار نہیں دیا گیا۔ یعنی کچھ معنوں کو جو متوافق ہوں۔ ذکر کریں۔ پھر چند دوسرے معنوں کو جو پہلوں کی ضد نہ ہوں، بلکہ اس کے موافق ہو بہ ترتیب ذکر کریں۔ اس سے کلام میں بہت تاکید اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس صنعت کا نام بھی نہیں رکھا گیا۔ اور نہ اسے صنائع میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت اقدس کے کلام میں اس کی مثال دیکھئے ؎

عاشقانِ جلال روئے خُدا ؎ طالبان زلال جوئے خُدا[2]

(درثمین ص۹)

مزید مثالیں ص۱۷ ہذا پر دیکھئے ؎

---

[1] ترجمہ: کلام نے اس خط سے نام پایا، اس قلم کی پختگی کے کیا کہنے!

[2] ترجمہ: وہ خُدا کے چہرہ کے جلال کے عاشق، اور خُدا کی نہر کے مصفا پانی کے طالب ہیں۔

سلاست کلام

سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں، جو روزمرہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ اور تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اُس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہ ہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و رتبہ کے مطابق لطف اُٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعراء غالب دہلوی نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا ✽ مَیں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہُوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں، کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمیٰ کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے: ؎

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ ✽ بَیْتٌ یُقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَہٗ صَدَقَا

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تُو اُسے پڑھے تو سُننے والا بے اختیار کہہ اُٹھے۔ کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسّان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ جس سے اس کی رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے، لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابنِ رشیق کا ہے۔ سلاست شعری کی جو تصویر اُس نے کھینچی ہے اُس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے: ؎

فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسُ طُرًّا ✽ وَاِذَا رِیْمَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اُس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا مَیں بھی کہہ سکتا ہوں لیکن جب کہنے کا قصد کریں۔ تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر معجز بیان بھی عاجز آ جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصّہ مشہور ہے کہ مفتی صدر الدین آزردہ مرحوم

کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا۔ کسی نے انہیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ہے

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے ٭ دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم اٹھایا کہ اس کا جواب لکھیں، لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اس عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آ گئے، انہوں نے مجمع کو سراپا محوِ استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے۔ مومن نے کہا ہاں۔ قل ھو اللہ کا جواب لکھنا چاہتے ہیں۔" (مقدمہ ہشت بہشت ص۹)۔

مولانا محمد حسین صاحب آزاد فردوسی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اور شاعر خیالی مطالب کو اچھا پھیلاتے ہیں۔ بیان واقعہ میں کمزور ہو جاتے ہیں مگر اس کی زبان کا زور ہر مطلب پر پوری قوت رکھتا ہے۔ اور مقصد معین کو عمدہ طور پر ادا کرتا ہے۔ اور شاعر بیت کا دوسرا پلہ بھرتی سے بھرتے ہیں۔ وہ اس میں بھی اصلی مطلب کھپاتا ہے یا ایسا مضمون پیدا کرتا ہے کہ اصل ماجرے کا جز معلوم ہوتا ہے۔ اس کی انشا پردازی استعاروں سے رنگینی اور صنعتوں سے میناکاری نہیں مانگتی، صاف صاف شعر، سادہ سادہ لفظ، محاورہ کی باتیں، سلیس زبان، قدرتی نہریں، چشمۂ خداداد کا پانی بہتا چلا جاتا ہے۔" (سخندان فارس ص۴۸)

یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس کے کلام میں صنائع بدائع کا استعمال بہت کم ہے، گویا آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اگرچہ آپ کو ہر قسم کے مفید فنون بلاغت پر مکمل دسترس حاصل تھی جیسا کہ آپ کے کلام میں ان کے نمونے قبل ازیں پیش کئے جا چکے ہیں۔ پھر بھی آپ کے کلام میں جو بے انتہا کشش پائی جاتی ہے، اس کی بنا زیادہ تر مطالب کی عمدگی اور مناسب الفاظ کے انتخاب پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا پردازی اور شاعری کا مقصد یہ نہیں کہ کلام میں فنونِ بلاغت کا مظاہرہ

کیا جائے ۔بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ مفید اور کارآمد مطالب اور حقائق کو سامع کے ذہن نشین کیا جائے ۔چونکہ خوبصورت کلام سامعین کی توجہ اپنی طرف پھیر لیتا ہے اور فنون بلاغت ایک حد تک کلام کو پُرکشش اور مختصر بنانے میں ممد ہوتے ہیں ۔ لہٰذا اسی حد تک کلام میں ان کا استعمال جائز اور روا ہے ۔ ورنہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کے بغیر کلام حسین اور پُر اثر بن ہی نہیں سکتا۔ ضرور بن سکتا ہے بلکہ جو کلام فنی الجھنوں سے مبرّا ہو وہ زیادہ زود فہم ہوتا ہے اور یہی خوبی سلاست کلام کا سب سے بڑا عنصر ہے ۔

خاکسار نے سلاست کلام کے ذکر کو دوسرے فنون بلاغت یعنی علم بیان اور علم بدیع کے بعد اس لئے رکھا ہے کہ تا قاری کو ان فنون کے متعلق کچھ واقفیّت ہو جائے ،کیونکہ سلیس کلام میں بھی یہ فنون ایک حد تک مستعمل ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ الفاظ کی سادگی اور حسنِ معانی کے تلے دبے ہوئے ہوتے ہیں ۔

حسن کلام کی اصل بنیاد معانی کے مطابق مؤثر الفاظ کا انتخاب ہے ۔اور ان کی ایسی موزوں ترتیب ہے جس سے کلام میں اعلیٰ درجہ کی روانی پیدا ہو جائے ،کیونکہ روانی بھی شعر کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی ہے ۔

اسی طرح ہر بلند پایہ شاعر کے لئے مظاہر قدرت کا گہرا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اور ایک مصلح کے لئے نفسیات سے واقفیت بھی بڑی اہمیّت رکھتی ہے ،کیونکہ یہ دونو امور خوبصورت اور مؤثر الفاظ کے انتخاب میں بڑے ممد ہوتے ہیں ۔

ان کے علاوہ قادر الکلامی کا اظہار جدّت سے بھی ہوتا ہے ۔یعنی کلام میں ایسے تخیّلات کا آنا جو دوسرے شعرا کے کلام میں نہ پائے جاتے ہوں ۔ پھر بعض دفعہ قادر الکلام اساتذہ کے دل و دماغ میں شدید جذبات اور احساسات کی ایک ایسی عظیم لہر اچانک پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے نوک قلم سے بڑے اچھوتے ، دلگداز اور مؤثر شہ پارے نکلتے ہیں ،جن کا مقابلہ کوئی اور کلام نہیں کر سکتا۔ اسے سہل ممتنع

کہتے ہیں۔ پس سلاست کلام کے اس عنوان کے تحت حضرت اقدس کے کلام میں سے حسب ذیل امور کے متعلق بعض نمونے پیش کئے جائیں گے :۔

۱۔ روانی ۲۔ مظاہر قدرت ۳۔ نفسیات ۴۔ جدّت

۵۔ سہل ممتنع ۔ (۶) حسنِ کلام کے دیگر متفرق نمونے۔

اس تقسیم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو اشعار کسی ایک امر کے متعلق پیش کئے جائیں ان میں دوسری خوبیوں کا فقدان ہوگا۔ مثلاً مظاہر قدرت کے بیان کے متعلق آگے جو اشعار درج کئے گئے ہیں، ان میں روانی بھی ضرور ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسی خوبی ہے جس کا ہر شعر میں کم و بیش پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ کوئی شعر شعر کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔ نیز ان میں جدّت بھی ہو سکتی ہے اور ساتھ ہی نفسیات کا بیان بھی۔ اسی لئے کہ جدّت کے تحت جو شعر درج ہیں، ان میں مظاہر قدرت یا نفسیات کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور سہل ممتنع والے اشعار میں تو لازماً متعدد خوبیوں کا اجماع ہوگا۔

۱۔ روانی : سے یہ مراد ہے کہ الفاظ آسانی سے زبان سے نکلیں۔ کلمات متوافق ہوں، ان میں کسی قسم کا تنافر نہ پایا جائے۔ معانی اور الفاظ ایسے مربوط چلے جائیں کہ کہیں کوئی اونچ نیچ نہ ہو۔ گویا ایک گہرا دریا ہے، جو بڑے سکون مگر تیزی سے بہتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی سطح بالکل ہموار رہتی ہے۔ روانی بھی کلام میں حسن اور دلآویزی پیدا کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی منظوم کلام ترنم سے نہیں پڑھا جا سکتا۔ نہ سازوں سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے، کلام میں وزن پیدا کرنے کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ ترنم پر پورا اُترے۔ نظم کے لئے بے شمار اوزان ہو سکتے ہیں، مگر صرف وہی اوزان اپنائے گئے ہیں جو ترنم کے لئے زیادہ مناسب ہیں۔

یوں تو حضرت اقدس کے تمام کلام میں یہ خوبی موجود ہے لیکن بعض نظموں میں یہ خوبی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ مثلاً وہ نظمیں دیکھئے جن کے مطلعے یہ ہیں :ے

سپاس آں خداوند یکتائے را ∴ بمہر و بمہ عالم آرائے را

(درثمین ص۲۱۳)

بیا اے طلبگارِ صدق و صواب ∴ بخواں از سرِ خوض و فکر ایں کتاب

(درثمین ص۳۰)

حاجت نورے بود ہر چشم را ∴ ایں چنیں اُفتاد قانونِ خدا

(درثمین ص۱۵)

کے شوی عاشق رُخِ یارے ∴ تا نہ بر دل رخش کند کارے[۱]

(درثمین ص۳۲۴)

وغیرہ لمبی نظمیں ہیں۔ لیکن پانی کی طرح بہتی چلی جاتی ہیں۔

مظاہرِ قدرت کا گہرا مطالعہ اور ان کا بیان شعرا کا طرّہ امتیاز ہے اور مغربی ممالک میں تو اسے اور بھی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اس بارہ میں حضرت اقدس کے کلام سے ایک اقتباس ص۴۸ ہذا پر ملاحظہ فرمائیے۔ مزید دو ایک اقتباس نیچے درج ہیں:۔

ہر چہ از وصفِ خاکی و خاکست ∴ ذاتِ بیچونِ او ازاں پاکست

بند بر پائے ہر وجود نہاد ∴ خود زِ ہر قید و بند ہست آزاد[۲]

---

[۱] ترجمہ: اس بے مثل خدا کا شکر ہے جس نے دنیا کو چاند اور سورج سے آراستہ کیا ہے۔ اے سچائی اور راستی کو ڈھونڈنے والے، ذرا غور اور فکر سے اس کتاب کو پڑھ۔ ہر آنکھ کو (بیرونی) روشنی کی ضرورت ہے۔ خدا کا قانون ایسا ہی واقع ہُوا ہے، تو کیونکر کسی معشوق کے رُخ کا عاشق ہو سکتا ہے، جب تک اس کا رُخ تیرے دل پر کچھ اثر نہ کرے۔

[۲] ترجمہ: زمین اور زمینی مخلوق کی جو بھی صفات ہیں۔ اس کی بے مثل ذات ان سے پاک ہے، ہر وجود پر اس نے کچھ پابندیاں لگا رکھی ہیں، اور خود ہر قید اور پابندی سے آزاد ہے۔

آدمی بندہ ہست و نَفسَش بند ٭ در دو صد حرص و آز سر بکمند

ہمچنیں بندہ آفتاب و قمر ٭ بند در سیر گاہِ خویش و مقر

ماہ را نیست طاقتِ ایں کار ٭ کہ بتابد بروز چوں احرار

نیز خورشید را نہ یارائے ٭ کہ نہد بر سریرِ شب پائے

آب ہم بندہ ہست زیں کہ مدام ٭ بند در سردی است نے خود کام

آتشِ تیز نیز بندۂ او ٭ در چنیں سوزشے فگندۂ اُو

گر بزاری بہ پیشِ او فریاد ٭ گرمیش کم نہ گردد اے اُستاد

پائے اشجار در زمیں بندست ٭ سخت در پا سلاسل افگندست

ایں ہمہ بستگانِ آں یک ذات ٭ بر وجودش دلائل و آیات

اے خُداوندِ خلق و عالمیاں ٭ خلق و عالم ز قدرتت حیراں

چہ مُہیب است شان و شوکتِ تو ٭ چہ عجیب است کار و صنعتِ تو[1]

(درّثمین صفحہ ۱۲۷)

[1] ترجمہ: انسان بھی بندھا ہُوا ہے، اور اس کا نفس بھی سینکڑوں خواہشوں اور لالچوں میں مقید ہے۔ اور اس کا سر (خیالات) بھی ایک پھندے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی اپنے اپنے رستوں اور (دوسرے ستاروں کے مقابلہ میں اپنے) مقام کے پابند ہیں۔ چاند کو اس امر کی قدرت نہیں کہ وہ دن کو آزادانہ چمک سکے، نہ سورج میں یہ ہمت ہے کہ وہ رات کے تخت پر پاؤں رکھ سکے۔ پانی بھی مجبور ہے کیونکہ وہ ہمیشہ سردی میں مقید ہے۔ اور اپنی مرضی کا مالک نہیں، نیز آگ بھی اُسکی پابند ہے اور ایسی جلن میں اسی کی ڈالی ہوئی ہے، اگر تو اس کے سامنے فریاد بھی کرے، تو اس کی گرمی کم نہیں ہوگی۔ درختوں کے پاؤں بھی زمین میں جکڑے ہُوئے ہیں۔ اور ان میں مضبوط زنجیریں بھی پڑی ہُوئی ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی ایک ہستی سے وابستہ ہیں اور اسی کے وجود پر دلیلیں اور نشانیاں ہیں۔ اے جہان اور جہان والوں کے مالک دنیا جہان تیری قدرت پر حیران ہے، تیری شان و شوکت کیسی پُرہیبت، اور تیرے کام اور کاریگری کتنے عجیب ہیں ٭

حُسن تو غنی کند زہر حُسن ٭ مہرِ تُو بخود کشد زہر یار

حُسن نمکینت از نہ بودے ٭ از حُسن نہ بُودے ہیچ آثار

شوخی زتو یافت رُوئے خوباں ٭ رنگ از تو گرفت گُل بہ گلزار

سیمیں ذقناں کہ سیب دارند ٭ آمد زہماں بلند اشجار

ایں ہر دو ازاں دیار آیند ٭ گیسوئے بُتان و مُشک تاتار

از بہرِ نمایشِ جمالت ٭ بینم ہمہ چیز آئینہ دار

ہر برگ صحیفۂ ہدایت ٭ ہر جوہر و عرض شمع بردار

ہر نفس بتو رہے نماید ٭ ہر جان بد ہد صلائے ایں کار

ہر ذرّہ فشاند از تو نورے ٭ ہر قطرہ براندازتو انہار

ہر سُو زعجائب تو شورے ٭ ہر جا زغرائبِ تو اذکار

از یادِ تو نورہا بہ بینم ٭ در حلقۂ عاشقانِ خونبار[1]

(درثمین صفحہ ۱۴۷-۱۴۸)

[1] ترجمہ: حسینوں کے چہروں نے تجھی سے رونق پائی پھُولوں نے چمن میں تجھی سے رنگ حاصل کیا۔ چاندی جیسی ٹھوڑیوں والوں کے پاس جو سیب (جیسے رخسار) ہیں وہ انہی بلند درختوں (یعنی تیری اعلیٰ صفات سے) سے حاصل ہوئے ہیں۔ (اس شعر میں "آمد زہماں بلند اشجار" کے الفاظ قابل تشریح ہیں معشوق کے سیدھے اُونچے قد کو سرو کہتے ہیں۔ اسی طرح اُوپر جو صفاتِ الٰہی بیان ہوئی ہیں انہیں اُونچے درخت قرار دیا۔ پھر ان درختوں کو پھلدار قرار دیکر بتایا کہ حسینوں کی یہ خوبیاں انہیں کا پرتَو ہیں) یہ دونوں اسی ملک سے آتے ہیں یعنی حسینوں کے گیسو اور تاتار کا مشک تیرے جمال کی نمائش کے لئے مَیں ہر چیز کو آئینہ تھامے ہوئے دیکھتا ہوں، ہر پتّا ہدایت کی کتاب ہے۔ اور ہر جوہر اور عرض شمع تھامے ہوئے ہے۔ ہر نفس تیرا راستہ دکھاتا ہے اور ہر جان اسی کام کیلئے پکار رہی ہے۔ ہر ذرّہ تیری ہی روشنی پھیلاتا ہے۔ اور ہر قطرہ تیری نہریں بہاتا ہے ہر طرف تیرے عجائبات کا چرچا ہے۔ ہر جگہ تیرے غرائب کا ذکر ہے تیرے ذکر کی برکت سے مجھے خون کے آنسو بہانے والے عاشقوں کی مجلس میں نور ہی نور نظر آتے ہیں۔

دیکھئے حضرت اقدس اپنے مطالب کی وضاحت کے لئے کس طرح مظاہرِ قدرت سے کام لیتے ہیں۔

این چنیں کس چو رُو نہد بہ جہاں ؛ بر جہاں عظمتش کنند عیاں
چوں بیاید بہار باز آید ؛ موسمِ لالہ زار باز آید
وقتِ دیدار یار باز آید ؛ بے دلاں را قرار باز آید
ماہِ روئے نگار باز آید ؛ خور نصف النہار باز آید
باز خندد بناز لالہ و گُل ؛ باز خیزد ز بُلبلاں غلغل
دست غیبش بہ پرورد ز کرم ؛ صبحِ صدقش کُند ظہور اتم
نُورِ الہام ہمچو بادِ صبا ؛ نزدش آرد ز غیب خوشبو ہا[1]

(درثمین ص۸۳)

۳۔ **نفسیات**۔ یہ عجیب بات کہ کتبِ فصاحت و بلاغت میں مظاہرِ قدرت کی اہمیت کا تو ذکر ہے لیکن نفسیات کا کہیں نام تک نہیں۔ کم از کم خاکسار کو کہیں نظر نہیں آیا حالانکہ نفسیات سے واقفیت کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ خصوصاً مصلحین کے لئے حضرت اقدس کو اس میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اب آپکے کلام سے نفسیات کے بیان کے نمونے ملاحظہ فرمائیے: ؎

---

[1] ترجمہ: ایسا شخص جب دُنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو جہان پر اس کی عظمت ظاہر کی جاتی ہے۔ جب وہ آتا ہے تو موسم بہار پھر آجاتا ہے اور پھولوں کا موسم لوٹ آتا ہے۔ یار کے دیدار کا وقت پھر آجاتا ہے، اور پھر عاشقوں کے دلوں کو قرار آجاتا ہے۔ محبوب کا چاند سا چہرہ نظر آنے لگتا ہے، سورج پھر نصف النہار پر واپس آجاتا ہے۔ پھر لالہ اور گلاب کے پھول ناز سے کھلنے لگتے ہیں۔ اور بُلبلیں پھر چہچہانے لگتی ہیں۔ خدا کا غیبی ہاتھ اپنی مہربانی سے اس کی پرورش کرتا ہے۔ اور اس کی سچائی کی روشنی پورے طور پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ الہام کا نور بادِ صبا کی طرح غیب سے اس کے پاس خوشخبریاں لاتا ہے۔

باخبر را دل تپد بر بے خبر ⁂ رحم برکورے کند اہلِ بصر
ہمچنیں قانونِ قدرت اوفتاد ⁂ مر ضعیفاں را قوی آرد ببار
(درثمین ص۲۸۵)

ترکِ خوبے میکناند خوب تر ⁂ عشق مرا درماں بود عشق اگر
شیر باشیرے نماید زورِ تن ⁂ مے تواں آہن بہ آہن کوفتن
(درثمین ص۱۵۰)

حُسن را باعاشقاں باشد سرے ⁂ بے نظر در کے بود خوش منظرے
(درثمین ص۵۳)

ہر کہ او غافل بود از یادِ دوست ⁂ چارہ سازِ غفلتش پیغامِ اوست[1]
(درثمین ص۵۲)

بُردباری مے کُند زور آورے ⁂ جاہلے فہمد کہ ہستم برترے[2]
(درثمین ص۲۴۳)

---

[1] ترجمہ: نادان کے لئے دانا آدمی کا دل تڑپتا ہے۔ اور آنکھوں والے اندھے پر ضرور رحم کرتے ہیں۔ قانون الٰہی اسی طرح واقع ہوا ہے کہ طاقت ور کمزوروں کا خیال رکھتے ہیں۔ کسی حسین سے اس سے زیادہ حسین ہی قطع تعلق کرا سکتا ہے۔ گویا عشق کا علاج کسی دوسری (اچھی) چیز کا عشق ہے۔ شیر کے ساتھ کوئی (دوسرا) شیر ہی زور آزمائی کر سکتا ہے، لوہے کو لوہے سے ہی کوٹا جا سکتا ہے۔ حسینوں کو اپنے عاشقوں کا ضرور خیال ہوتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی خوش شکل تو ہو لیکن کوئی اس کا قدردان نہ ہو، ہر شخص جو اپنے محبوب کی یاد سے غافل ہو، تو دوست کی طرف سے پیغام ہی اس کی غفلت کا علاج ہے۔

[2] ترجمہ: ایک طاقتور شخص تو بُردباری (کا مظاہرہ) کرتا ہے، لیکن نادان سمجھتا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔

زہر و تریاق است در ما مستتر ❊ آں کشد ایں مے دہد جانِ دگر

(درثمین صـ۲۱۲)

گر تو افتی با دو صد درد و نفیر ❊ کس ہمے خیزد کہ گردد دستگیر

(درثمین صـ۲۴۱)

گر نہ بودے در مقابل روئے مکروہ و سیہ ❊ کس چہ دانستے جمالِ شاہدِ گلفام را

(درثمین صـ۳۶)

زیرِ لب گفتگوئے جانانے ❊ زندگی بخشدت بیک آنے

(درثمین صـ۳۴۵)

حاجت نورے بود ہر چشم را ❊ ایں چنیں اُفتاد قانونِ خُدا

(درثمین صـ۵۱)

عقلِ طفل است اینکہ گرید زار زار ❊ شیر جز مادر نیاید زینہار

(درثمین صـ۱۲۴)

وآنکہ در کین و کراہت سوخت است ❊ نفس دوں راہست صیدِ لاغرے[1]

(درثمین صـ۲۷)

---

[1] ترجمہ: ہمارے اندر زہر اور تریاق دونوں مخفی ہیں، وہ ہلاک کرتی ہے اور یہ نئی زندگی بخشتا ہے۔ اگر تو چیختا چلّاتا گر پڑے تو کوئی تیری مدد کے لئے اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اگر مقابل میں کوئی بھونڈا اور کالا چہرہ نہ ہوتا، تو پھولوں جیسی رنگت والے محبوب کے حُسن کی کون قدر کرتا۔ کسی محبوب کا آہستہ آہستہ کلام کرنا تجھے پل بھر میں نئی زندگی بخشتا ہے۔ ہر آنکھ کو روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون اسی طرح واقع ہوا ہے۔ بچے کی عقل تو اتنی ہی ہے کہ زار زار روئے، مگر ماں کے بغیر دودھ ہرگز نہیں ملتا۔ جو شخص دشمنی اور کراہت کے باعث کڑھتا رہتا ہے، وہ ذلیل نفس کے لئے ایک کمزور شکار ہے۔

دل نیار آمد بجز گفتارِ یار ✤ گرچہ پیشِ دیدہ ہا باشد نگار[1]

(درثمین ص۵۳)

۴۔ جدّت یعنی نیا پن جس کا اظہار متعدد طریقوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک تو نئے مضامین سے جس پر پہلوں نے قلم نہ اٹھایا ہو، یا کم توجہ کی ہو جیسے قرآن مجید کی مدح اور وحی و الہام کی ضرورت اور امکان۔ دوم بعض مضامین کے بیان کے طریق میں اصلاح کرکے اسے زیادہ مفید بنانا اور حقیقت کے زیادہ قریب لانا۔ جیسے نعتِ رسولؐ میں محبّت الٰہی اور روحانی اور اخلاقی امور کے بیان کو ترجیح دینا۔ سوم: کلام میں نئے اور اچھوتے استعارے[1] اور تشبیہ وغیرہ کا لانا۔ جو پہلوں کے کلام میں نہ پائے جاتے ہوں۔ پہلے دونوں امور کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، تیسرے امر کے متعلق ذیل میں مثالیں ملاحظہ فرمائیے: ؎

(۱) نعرہ ہا مے زنم برآبِ زُلال ✤ ہمچو مادر دَوَاں پئے اطفال[2]

(درثمین ص۵۵)

ہمدردی اور خیر خواہی کی کیسی دلنشین تشبیہ ہے۔ ذرا بچوں کے پیچھے ماں کے دوڑنے کا نظارہ ذہن میں مستحضر کیجئے۔

(۲) کیفیّت علومش دانی چہ شان دارد ✤ شہدیست آسمانی از وحی حق چکیدہ[3]

(درثمین ص۴)

یہاں شہد کے استعارہ سے جہاں قرآنی وحی کی حلاوت، لذت اور حسن کو پیش کیا گیا ہے،

---

[1] ترجمہ: محبوب کے کلام کے بغیر دل مطمئن نہیں ہوتا، اگرچہ وہ آنکھوں کے سامنے ہی کیوں نہ ہو۔

[2] ترجمہ: مَیں مصفّا پانی کے چشمہ پر کھڑا پکار رہا ہوں جس طرح ماں اپنے بچوں کے پیچھے بیقراری سے دوڑتی ہے۔

[3] ترجمہ: تجھے کیا پتہ کہ اس کے علوم کی حقیقت کی کیا شان ہے، وہ تو آسمانی شہد ہے جو خدا کی وحی سے ٹپکا ہے۔

وہاں اس کی نفع رسانی کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

(۳) ہر سرے سرّے زخلوت گاہِ اُو ؛ ہر قدم جوید درِ با جاہِ او
مطلبِ ہر دل جمالِ روئے اوست ؛ گمرہے گرہست ہم کوئے اوست [۱]

ان دونوں شعروں کی بلاغت دیکھئے۔ کیا انسانی دماغ کا بھید کوئی شخص جان سکتا ہے کہ وہ کیسے کام کرتا ہے۔ ساتھ قدم کا ذکر کیا۔ اس لئے کہ جو خیال دماغ میں پیدا ہو اس کی تکمیل کے لئے قدم ہی آگے بڑھے گا۔ اور بہترین مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ بارگاہِ الٰہی کی تلاش۔ جس کی تشریح اگلے شعر میں کی گئی ہے کہ ہر دل و دماغ کا مقصد دیدارِ الٰہی ہی ہے۔ تب سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اِدر طرف کیوں متوجہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: خدا ہی کی تلاش میں راستہ بھول جاتے ہیں۔ اس تخیّل کی ندرت ملاحظہ فرمائیے: ؎

(۴) دلم در سینۂ ریشم مجوئید ؛ کہ بستیمش بدامانِ نگارے [۲]
(درثمین ص۲۴۲)

دل دینا، پیش کرنا، لگا دینا تو سُنتے آئے ہیں۔ لیکن محبُوب کے دامن سے باندھ دینا نیا خیال ہے جو فارسی کلام میں لایا گیا ہے۔ بچپن میں ہم زمیندارہ ماحول میں دیکھا کرتے تھے کہ جب مہمان رخصت ہونے لگتے تو تحفہ کے طور پر کچھ نہ کچھ اس کے دامن سے باندھ دیتے تھے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا دل جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے محبُوب کے وداع ہوتے وقت اسے بھی محبُوب کے دامن سے باندھ دیتے ہیں کہ اسے بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔

---

[۱] ترجمہ: ہر دماغ اس کے اسرار خانہ کا ایک بھید ہے، اور ہر قدم اسی کے باعظمت دروازہ کو تلاش کرتا ہے۔ ہر دل کا مقصد اسی کے چہرے کے حسن کا دیدار کرنا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بھٹکا ہے، تو اسی کو تلاش کرتا بھٹکا ہے۔

[۲] ترجمہ: میرے دل کو میرے زخمی سینہ میں مت تلاش کرو، کیونکہ میں نے تو اُسے ایک محبُوب کے دامن سے باندھ دیا ہے۔

(۵) گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال ٭ چوں دلِ احمد نمے بینم دگر عرشِ عظیم[1]

(درثمین ص۱۵۸)

مصراع اوّل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کو خود بھی یہ احساس تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو خدا کا سب سے بڑا عرش قرار دینا ایک اچھوتا تخیّل ہے، لیکن کتنا لذیذ تخیّل ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ بھلا کوئی اور انسان ہے جو ذات پاک کی شان کو (آنحضرتؐ جتنا سمجھنا تو بہر حال ناممکن ہے) اس کے قریب قریب بھی سمجھ سکتا ہو۔

(۶) کے شوی عاشقِ رُخِ یارے ٭ تا نہ بر دل رخش کند کارے[2]

(درثمین ص۳۲۴)

کار کے لفظ کا نیا استعمال ہے۔ منقش کپڑے یا کاغذ پر نقش و نگار بنانے کو بھی کار (کام) کہتے ہیں۔ پس جب تک اس کا چہرۂ زیبا کسی کے دل کی تختی پر اپنی تحریر، اپنے نقش و نگار، اپنے اثرات پیدا نہ کرے۔ کوئی کِس طرح اس کا عاشق ہو سکتا ہے۔

(۷) چو صوف صفا در دل آویختند ٭ مداد از سوادِ عیون ریختند[3]

(درثمین ص۴۳)

دل کو دوات قرار دے کر اس میں صفائی کا صوف ڈالنا نیا تخیل ہے۔ اور پھر اس میں آنکھوں کے ارد گرد سے آنسو جمع کرکے ان کی روشنائی ڈالنا بھی اچھوتا خیال ہے۔

(۸) کاش جانت میلِ عرفاں داشتے ٭ کاش سعیت تخمِ حق را کاشتے[4]

(درثمین ص۴۵)

---

[1] ترجمہ: اگرچہ کوئی شخص مجھے کفر اور گمراہی سے ہی منسوب کرے، مگر مجھے احمد صلعم کے دل جیسا اور کوئی عرش الٰہی نظر نہیں آتا۔

[2] ترجمہ: تو کس طرح کسی چہرہ پر فریفتہ ہو سکتا ہے۔ جب تک وہ چہرہ تیرے دل پر کچھ کام نہ کرے۔

[3] ترجمہ: جب دل کی دوات میں پاکیزگی کا صفوت ڈالتے ہیں، تو سیاہی آنکھوں کے ارد گرد سے ڈالتے ہیں۔

[4] ترجمہ: کاش تیری روح کو دل کو معرفت الٰہی کی رغبت ہوتی، کاش تیری کوشش صرف سچائی کا بیج بوتی۔

کسی عمل کو مجسم قرار دے کر اس سے کوئی کام کروانا نیا تخیل نہیں۔ لیکن یہاں جو مفہوم پیدا ہو گیا ہے کہ تمہاری تمام کوشش (اسی کام) تخم حق کاشتن میں لگی رہے۔ یہ نئی بات ہے۔

(۹) ہر کہ بے او زد قدم در بحر دیں ÷ کرد در اوّل قدم گم معبرے[1]

(درثمین صہ ۱۸)

غور فرمائیے کہ اس خیال کو کہ انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر ساحل مراد پر نہیں پہنچ سکتا۔ کیسے انوکھے انداز میں پیش کیا گیا ہے، یوں تو ہر شخص اپنی جگہ یہی کوشش کرتا ہے کہ دریائے دین میں داخل ہوتے وقت صحیح جگہ پر قدم رکھے۔ لیکن اگر وہ آنحضرتؐ کے نقش قدم کو اپنا رہبر نہیں بناتا۔ تو اوّل قدم میں ہی گمراہی کے گڑھے میں جا گرے گا ۔

(۱۰) زندگی در مردن و عجز و بکاست ÷ ہر کہ اُفتاد است او آخر بخاست[2]

(درثمین صہ ۲۳۶)

نفسیاتی لحاظ سے بھی یہ نکتہ بڑا اہم ہے۔ اور اس میں جدت بھی ہے یعنی جو بھی گرے گا آخر اُٹھے گا۔

(۱۱) لیکن آں روئے حسین از غافلاں ماند نہاں ÷ عاشقے باید کہ بردارند از بہرش نقاب[3]

(درثمین صہ ۱۹۸)

بالکل نیا خیال ہے۔ غافلوں کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنے عاشقوں کے لئے محبوب اپنے چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے۔

---

[1] ترجمہ :۔ جس کسی نے اس کے بغیر دین کے دریا میں قدم رکھا اُس نے پہلے قدم میں ہی گھاٹ کھو دیا۔

[2] ترجمہ :۔ زندگی مرنے، انکسار اور گریہ و زاری میں ہے، جو گر پڑا وہی آخر اُٹھے گا۔

[3] ترجمہ :۔ لیکن وہ رُخ زیبا غافلوں سے چھُپا رہتا ہے، سچا عاشق چاہیئے تا اس کی خاطر نقاب اٹھایا جائے۔

(۱۲) راہِ خود برمن کشود آں دلستان ❊ دانمش زانساں کہ گل را باغباں[1]

(درِثمین صـ۲۳۹)

واقفیّت اور پہچان کے لئے پھول اور باغبان کی مثال پیش کرنا نئی بات ہے۔

(۱۳) بنالم بردرش زاں ساں کہ نالد ❊ بوقت وضعِ حملے باردارے[2]

(درِثمین صـ۲۴۳)

درد کی شدت کے لئے وضع حمل کی مثال دینا بھی ندرت ہے۔

(۱۴) منکہ از حسنش ہمے دارم خبر ❊ جاں فشانم گر دہد دل دیگرے[3]

(درِثمین صـ۱۸)

جذبہ رشک کے ماتحت محبُوب کی راہ میں جان کی قربانی دینا نیا خیال ہے۔
وقس علی ہذا۔ کہاں تک مثالیں پیش کی جائیں۔ حضرت اقدس کے تو اکثر اشعار میں کسی نہ کسی قسم کا اچھوتا پن موجود ہے۔

۵۔ سہلِ ممتنع ۔یعنی ایسا شعر جو بظاہر بالکل سہل معلوم ہو لیکن کسی دوسرے شاعر کے لئے ویسا شعر کہنا ممکن نہ ہو۔ پیچھے سلاست کے بیان میں کلام کی دو اہم خوبیوں کا ذکر کیا گیا تھا (دیکھئے صـ۱۵۶ ہذا)۔ ایک یہ کہ ایسا کلام سن کر سامع فوراً کہہ اُٹھے کہ سچ کہا۔ دوسرے یہ کہ کلام کی سادگی کی بنا پر ہر شخص یہ سمجھے کہ مَیں بھی ویسا کلام کہہ سکتا ہوں، لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔

---

[1] ترجمہ: اس محبوب نے خود اپنا راستہ میرے لئے کھولا، مَیں اسے اس طرح پہچانتا ہوں جیسے پھول کو باغبان۔

[2] ترجمہ: مَیں اس کے دروازہ پر اس طرح روتا ہُوں جس طرح بچہ جنتے وقت حاملہ عورت روتی ہے۔

[3] ترجمہ: مَیں اس کے حسن سے اچھی طرح باخبر ہوں، اگر کوئی دوسرا اسے دل دیگا تو مَیں اس پر اپنی جان نثار کر دوں گا۔

پچھلے صفحات میں مختلف عنوانات یعنی مظاہر قدرت، نفسیات اور جدّت کے تحت جو اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ وہ بھی سہل ممتنع کی ہی مثالیں ہیں۔ صرف حُسن کلام کے مختلف پہلو دکھانے کے لئے انہیں ان عنوانات کے نیچے تقسیم کیا گیا ہے۔

نیچے سہل ممتنع کی مزید مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان اشعار سے پورا حظ اٹھانے کے لئے فنونِ بلاغت کو کہیں ہوں بھی تو یکسر نظر انداز کر دیجئے۔ اور اپنی توجہ صرف الفاظ کی موزونیت اور مطالب کی عمدگی پر مرکوز رکھیئے۔ خاکسار نے ان اشعار کی خوبیوں کی تشریح کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ تا قارئین خود ہی ان اشعار کی لذت سے بہرہ اندوز ہوں : ؎

بشر کے بدے از ملک نیک تر ٭ نہ بودے اگر چوں محمدؐ بشر

(درثمین ص۶۹)

فانیاں را جہانیاں نرسند ٭ جانیاں را زبانیاں نرسند

(درثمین ص۹۰)

ہر گیاہے عارفِ بنگاہِ اُو ٭ دستِ ہر شاخے نمایدراہِ اُو

(درثمین ص۲۰۲)

کے دریں گرد و غبارے ساختہ ٭ مے تواں دید آں رُخِ آراستہ؟[1]

(درثمین ص۲۳۷)

---

[1] ترجمہ : انسان کب فرشتوں سے بہتر ہو سکتا تھا، اگر محمدؐ جیسا (کامل) انسان پیدا نہ ہوتا۔
دنیا دار لوگ فانی فی اللہ لوگوں کو نہیں پہنچ سکتے، اور زبانی دعوے کرنے والے سچے فدائیوں کو نہیں پہنچ سکتے۔ گھاس کا ہر تنکا اس کی بارگاہ کا پتہ دیتا ہے، اور درختوں کی ہر شاخ کی نوک اسی کا راستہ دکھاتی ہے۔
اس مصنوعی گرد و غبار میں وہ سجا سجایا چہرہ کیسے نظر آ سکتا ہے؟

پردہ ہا بر پردہ ہا افروختہ ٭ مطلبے نزدیک دُور انداختہ
(درثمین صـ۲۳۸)

سخنِ یار و سینہ افسردہ ٭ جامۂ زندہ است برمردہ
(درثمین صـ۹۷)

ازکس وناکس بیاموزی فنون ٭ عارداری زاں حکیم بے چگوں
(درثمین صـ۵۸)

اے در انکار ماندہ از الہام ٭ کردعقلِ تو عقل را بدنام
(درثمین صـ۴۹)

ریزہ ریزہ شد آبگینۂ شاں ٭ بُوئے دلبر دمد ز سینۂ شاں
(درثمین صـ۴۳)

آنکہ چشم آفرید نور دہد ٭ آنکہ دل داد او سرور دہد
(درثمین صـ۹۶)

مردگان را ہمی کشی بہ کنار ٭ وز دلارامِ زندۂ بیزار[1]
(درثمین صـ۱۰۲)

---

[1] ترجمہ: پردوں پر پردے ڈال کر نزدیک والے مقصد کو بھی دُور کر دیا ہے۔ ذکر دوست کا اور دل افسردہ، گویا زندہ کا لباس مُردہ نے پہن رکھا ہے۔ تو ہر اعلیٰ و ادنیٰ سے تو ہنر سیکھتا ہے، لیکن اس بے مثال دانشور (خدائے تعالیٰ) سے تجھے شرم آتی ہے۔ اے وہ شخص جو الہام سے انکاری ہے، تیری عقل نے تو عقل کو بدنام کر رکھا ہے۔ ان کے دل کا شیشہ (صراحی) چور چور ہو گیا ہے، (لہٰذا) ان کے سینہ سے محبوب کی خوشبو آرہی ہے۔ وہ جس نے آنکھ پیدا کی ہے، روشنی بھی وہی دیتا ہے جس نے دل دیا ہے، سرور بھی وہی دیگا۔ تُو مُردوں سے تو بغل گیر ہوتا ہے، لیکن اس زندہ محبوب سے بیزار ہے۔

عاشقاں را صبر و آرامے کجا ٭ توبہ از روئے دلارامے کجا

(درثمین ص۲۴)

آنکہ در قعرِ دل فرود آید ٭ دیدہ از دیدنش نیاساید

(درثمین ص۱۰۲)

آں خرد مندیکہ او دیوانہ ات ٭ شمع بزم است آنکہ او پروانہ ات

(درثمین ص۱۳۸)

از عمل ثابت کن آں نوریکہ در ایمان تست ٭ دل چو دادی یوسفے را راہِ کنعاں را گزیں

(درثمین ص۱۵۶)

ہر رگ و تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل ٭ ہر دم و ہر ذرّہ اش پر از جمالِ دوستدار

(درثمین ص۱۷۶)

عارفاں را منتہائے معرفت علمِ رُخت ٭ صادقاں را منتہائے صدق بر عشقت قرار[1]

(درثمین ص۱۷۹)

مندرجہ بالا اشعار صرف نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ حضرت اقدس کے کلام میں ایسے سادہ مگر بلیغ اشعار بکثرت موجود ہیں جن کے بے مثال حسن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں

---

[1] ترجمہ: عاشقوں کے لئے صبر اور آرام کہاں؟ اور محبوب کے چہرے سے روگردانی کہاں! وہ جو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ آنکھ اس کو دیکھتے رہنے سے سیر نہیں ہوتی۔ عقلمند وہی ہے جو تیرا دیوانہ ہو۔ شمع بزم وہی ہے جو تیرا پروانہ ہو۔ اس نور کو جو تیرے ایمان میں ہے، اپنے عمل سے ثابت کر۔ جب تو نے کسی یوسف کو دل دیا ہے، تو کنعان کی راہ بھی اختیار کرلے۔ اس (نبی) کے وجود کا ہر رگ و ریشہ محبوب ازلی کا گھر ہے اور اس کا ہر سانس اور ہر ذرہ دوست کے جمال سے منور ہے۔ عارفوں کی معرفت کا آخری نقطہ تیرے رُخ کا علم ہے، اور راستبازوں کے صدق کی انتہا تیرے عشق پر ثابت قدم رہنا ہے۔

ایک اقتباس اور ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں حضرت اقدس نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ دوسری تمام نعماء کی طرح معرفت کی نعمت بھی اللہ تعالیٰ خود ہی عنایت فرماتا ہے۔ ضعیف انسان محض اپنی ہی عقل اور کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ فرمایا :-

ہست مارا یکے کہ ہر فیضان ٭ مے شود زاں محافظِ تن وجاں
آں خدائے کہ آفرید جہاں ٭ ہست ہر آفریدہ را نگراں
ہر چہ باید برائے مخلوقات ٭ از لباس و خوراک و راہِ نجات
خود مہیّا کند بمنّت وجود ٭ کہ کریم ست و قادر است و ودود
چشمِ خود کن بکشتِ صحرا باز ٭ خوشہ با خوشہ ایستادہ بناز
ہمہ از بہرِ ماست تا بخوریم! ٭ درد و رنج گرسنگی نہ بریم
آنکہ از بہر چند روزہ حیات ٭ ایں قدر کردہ است تائیدات
چوں نہ کردے برائے دارِ بقا ٭ نظرے کن بعقل و شرم و حیا
سنگ افتد بریں چنیں فرہنگ ٭ کہ ز صدق است دُور صد فرسنگ [1]

---

[1] ترجمہ :- ہمارا ایک ہی (خدا) ہے، کہ ہر فیضان اس کی طرف سے ہمارے تن وجان کا محافظ ہے وہ خُدا جس نے یہ دنیا پیدا کی ہے، وہی مخلوق کا نگہبان ہے۔ مخلوقات کے لئے جو کچھ بھی درکار ہے مثلاً لباس، خوراک اور نجات کا راستہ وہ یہ سب اپنے احسان اور مہربانی سے خود مہیا کرتا ہے کیونکہ وہ کریم ہے، قادر ہے اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ جنگل میں کھیتوں کی طرف آنکھ کھول کر دیکھ خوشے کے ساتھ خوشہ ناز کے ساتھ کھڑا ہے۔ یہ سب ہمارے لئے ہے، تا ہم کھائیں۔ اور بھوک کا دکھ اور تکلیف نہ اٹھائیں۔ وہ جس نے چند روزہ زندگی کے لئے اتنی چیزیں مہیا کی ہیں۔ تو وہ ہمیشہ کے گھر کے لئے کیوں نہ کرتا۔ عقل شرم اور حیا سے غور کرو۔ ایسی عقل پر پتھر پڑیں، جو راستی سے سینکڑوں کوس دُور ہو۔

گر گُنی سوئے نفسِ خویش خطاب ﴿ کہ چہ سان تا گذر شود بجناب
خود ندائے بیایدت ز دروں ﴿ کہ ز تائیدِ حضرتِ بے چوں
ناید اندر قیاس و فہم کسے ﴿ کہ شود کارِ پیل از مگسے
پس چہ ممکن کہ ذرّۂ امکاں ﴿ خود کند کارِ حق بزور و تواں[1]

(درثمین صفحہ ۹۷ تا ۹۹)

---

[1] ترجمہ: اگر تو اپنے آپ سے ہی پوچھے کہ تو اس بارگاہ میں کیسے پہنچ سکتا ہے۔ تو خود تیرے اندر ہی سے یہ آواز آئے گی، کہ اس خدائے بے نظیر کی تائید سے ہی (ایسا ہو سکتا ہے) کسی شخص کے قیاس اور سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہاتھی کا کام کسی مکھی سے ہو سکے۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مخلوقات کا ایک ذرّہ آپ ہی آپ اپنے زور اور طاقت سے ہی خدا کا کام کرے۔

حسنِ کلام کے مزید متفرق نمونے

ذیل میں حسنِ کلام کی بعض اور مثالیں دیکھئے جن کے ساتھ کچھ تشریح بھی کردی گئی ہے۔

۱۔ بدبوئے حاسداں نرساند زیاں بہ من ؛ من ہر زماں ز نافۂ یادش معطرم[1]

(درثمین ص۱۶۴)

فرماتے ہیں کہ حاسدوں کی بدبو (مخالفانہ باتیں) مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، کیوں؟ اس لئے کہ میں ہر وقت محبوب کی یاد کی خوشبو سے معطر رہتا ہوں، جو اس بدبو کو مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع کردیتی ہے۔ یہاں محبوب کی یاد کو خوشبو قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ نافہ کا لفظ لاکر اس یاد کو خوشبو کا منبع قرار دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی منبع سے نکلنے والی خوشبو اتنی تیز ہوگی کہ وہ تیز سے تیز بدبو کو بھی دبالے گی۔ تاکید پر تاکید لانے کے باوجود الفاظ کتنے مختصر ہیں۔ طبیعت پر بار نہیں بنتے۔ بلکہ شگفتگی پیدا کرتے ہیں۔ شعر کہنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب سموئے جائیں۔

۲۔ کہ آں سعید ز طاعون نجات خواہد یافت ؛ کہ جست و جست پناہے بچار دیوارم[2]

(درثمین ص۲۸۰)

کہنا یہ ہے کہ وہی نیک بخت طاعون سے نجات پاسکتا ہے، جو جلدی سے میری چار دیواری

---

[1] ترجمہ: حاسدوں کی بدبو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ میں تو ہر وقت یادِ خدا کے نافہ سے معطر رہتا ہوں۔

[2] ترجمہ: یعنی وہی خوش قسمت اس طاعون سے نجات پائے گا، جو لپک کر میری چار دیواری کے اندر پناہ لے گا۔

کے اندر (یعنی میری جماعت میں شامل ہو کر) میری پناہ میں آجائے۔ مگر جلدی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ فرماتے ہیں ''جست'' یعنی کود پڑے۔ غور کیجئے صرف ایک لفظ لا کر جلدی کی شدت کو کہاں تک پہنچا دیا۔

۳۔ سخن کو نمود ست درّ عدن ؎ بہ معنی رسانید لفظِ سخن[1]

(درثمین صفحہ ۳۱۵)

پہلے عدن کا لفظ لا کر موتی کا مرتبہ بہت بلند کیا۔ یعنی جس موتی سے سخن کو تشبیہ دی ہے، وہ ایسی جگہ کا موتی ہے، جہاں سے بہت اعلیٰ موتی نکلتے ہیں۔ موتی کی شان بڑھنے سے سخن کی شان بھی بڑھ گئی اور اس کی شان میں مزید رفعت یہ کہہ کر پیدا کر دی کہ جس معنی اور غرض کے لئے سخن کا لفظ وضع کیا گیا تھا، اس سخن نے اس غرض کو پورا کر دیا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی تعریف کی جا سکتی ہے؟

۴۔ بگیسوئے رسُول اللہ کہ ہستم ؎ نثارِ روئے تابانِ محمدؐ[2] (درثمین صفحہ ۱۹۲)

گیسو خود بھی مظاہر حسن میں سے ہیں۔ لیکن انہیں حسن کی نمائش میں پردہ اور روک بھی قرار دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں چاند بادلوں میں چھپ گیا۔ یعنی بالوں نے محبوب کے رُخ روشن پر بکھر کر اُسے نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ میں نے ان رکاوٹوں کو عبور کر کے آپ کا چہرہ دیکھ لیا ہے اور اس پر نثار ہو چکا ہوں، اور اس قول کی صداقت کے لئے میں انہی گیسوؤں کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔

---

[1] ترجمہ:۔ یہ سخن جو درّ عدن کی طرح دکھائی دیتا ہے، اس نے سخن کے لفظ کو اس کے حقیقی معنی تک پہنچا دیا ہے۔

[2] ترجمہ: رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں کی قسم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی چہرہ پر فدا ہوں۔

۵۔ گر برآرند شعلہ ہائے دروں ❊ دود خیزد ز تربتِ مجنوں[1]

(درثمین صـــ ۴۳)

مجنوں کو عاشقوں کا سردار سمجھا جاتا ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کے عاشق اس محبّت کی گرمی کو جو اپنی شدّت کی وجہ سے آگ کی شکل اختیار کر چکی ہے، ظاہر ہونے دیں تو حسد اور رشک کے مارے مجنوں کے سینہ میں بھی آگ بھڑک اُٹھے اور اس کا دھواں قبر سے باہر نکلنے لگے۔ یہ بات بظاہر مبالغہ معلوم ہوتی ہے لیکن اصل میں حقیقت ہے۔ بھلا عشق حقیقی سے عشق مجازی کو کیا نسبت؟

۶۔ حضرت اقدس کے کلام کی خصوصیات میں یہ ذکر بھی کیا گیا تھا کہ آپ مشکل سے مشکل مسائل تصوف کو آسان فہم الفاظ میں بیان کر دیتے تھے، وہاں صرف ایک دو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ چند مزید مثالیں دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

ناتواں نیست قوّتِ اینجا ❊ ایں چنیں قوّتے بیار و بیا
پردۂ نیست بر رُخِ دلدار ❊ تو ز خود پردۂ خودی بردار

(درثمین صـــ ۹۴)

بر وجودش ز صنعت استدلال ❊ ایں مجاز است نے چو اصل وصال[2]

(درثمین صـــ ۱۹۲)

یک دم از خود دُور شو بہرِ خُدا ❊ تا مگر نوشی تو کاساتِ لقا

(درثمین صـــ ۱۴۴)

---

[1] ترجمہ:۔ اگر اپنے اندرونی شعلوں کو ظاہر کردیں، تو مجنوں کی قبر سے بھی دھواں نکلنے لگے۔

[2] ترجمہ:۔ اس جگہ کی طاقت عاجزی ہے، یہاں آنا ہو تو ایسی طاقت لیکر آنا۔ دلدار کے مُنہ پر کوئی نقاب نہیں، تو اپنے اُوپر سے انانیت کا پردہ اٹھا دے۔ خُدا کے وجود پر صرف اسکی صنعتوں سے استدلال کرنا مجاز ہے نہ کہ سچا وصل۔

[3] ترجمہ:۔ خدا کے لئے اپنے نفس سے بکلی کنارہ کشی کرلے، تاکہ تو وصل کے جام نوش کرسے۔

پا فشردہ در وفائے دلبرے ؎ وازسرش برخاک افتادہ سرے

(درثمین ص ۱۳۸)

کوری خود ترک کن ماہے بہ بیں ؎ اے گدا برخیز د آں شاہے بہ بیں

(درثمین ص ۱۴۴)

میوہ از روضۂ فنا خوردند ؎ واز خود و آرزوئے خود مردند

(درثمین ص ۵۸)

بہ قرآں چرا بر سرِ کیں دوی ؎ ندیدی ز قرآں مگر نیکوئی[1]

(درثمین ص ۱۷)

---

[1] ترجمہ: وہ دلبر کی وفاداری میں ثابت قدم رہے، اور اس کے عشق میں ان کا سر خاک میں پڑا ہے۔

(پا فشردن کے معنوں کے لئے نظامی گنجوی کا یہ شعر دیکھئے: ؎

سکندر دراں داوریگاہِ سخت ؎ پے افشرد مانند بیخ درخت

یعنی اس سخت میدان جنگ میں سکندر نے درخت کی جڑوں کی طرح اپنے پَیر جمائے رکھے۔

اسی طرح محمودؒ غزنوی کہتا ہے: ؎

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست ؎ بسے مصاف شکستم بیک فشردن پا

یعنی مَیں نے ہزاروں قلعے ہاتھ کے ایک اشارے سے فتح کر لئے اور کئی جنگوں میں صرف پَیر جمانے سے دشمنوں کو شکست دی۔

اپنی نابینائی کو چھوڑ اور اس چاند کو دیکھ، اے فقیر اُٹھ اور اس بادشاہ پر نظر ڈال۔ انہوں نے باغ فنا کا پھل کھایا اور اپنی نفسانیت اور خواہشات سے مر گئے۔ تُو قرآن پر دشمنی سے کیوں حملہ کرتا ہے، تُو نے شاید قُرآن کی کوئی خوبی نہیں دیکھی۔ (فارسی زبان میں نیکوئی کے معنی خوبصورتی ہیں)۔

جُز بپا بندئ حق بندِ دگر ؛ در نہ گیرد با خُدائے اکبرے

(درثمین صفحہ ۲۸)

آں یکے از دہانِ دلدارے ؛ نکتہ ہائے شنید و اسرارے
وآں دگر از خیالِ خود بگماں ؛ پس کُجا باشد ایں دوکس یکساں[1]

(درثمین صفحہ ۱۱۳)

۷۔ تا بردلم نظر شد از مہر ماہ مارا ؛ کردست سیم خالص قلبِ سیاہِ مارا[2]

(درثمین صفحہ ۱۵۱)

یہ ہے تو صنعت طباق بطور کنایہ کی مثال کیونکہ سیاہ کا تقابل سفید رنگ سے ہے۔ جو سیم خالص کو لازم ہے۔ لیکن اس شعر میں مزید خوبی یہ ہے کہ اس میں سختی کا تقابل (جو قلب سیاہ کو لازم ہے) نرمی سے بھی ہے۔ (جو سیم خالص کا ایک خاصہ ہے) اور قلب سیہ یعنی ایک ردی چیز کا تقابل ایک قابل قدر چیز یعنی خالص چاندی سے بھی کیا گیا ہے۔

۸۔ اسی طرح حسب ذیل شعر میں "دور" کے لفظ کے دونوں جگہ دو دو معنی ہیں:

دَور موت آمد قریب اے غافلاں فکرش کنید ؛ دَورِ مے تا کے بخُوبانِ لطیف و مہ جبیں[3]

(درثمین صفحہ ۱۵۵)

---

[1] ترجمہ: سچائی کی پابندی کے سوا کوئی دوسرا بندھن اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں (درگرفتن کے معنی ہیں) ایک تو وہ ہے، جو محبُوب کے اپنے منہ سے نکتے اور اسرار سنتا ہے اور دوسرا وہ جو خود ہی خیالی پلاؤ پکا رہا ہے، یہ دونوں شخص کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔

[2] ترجمہ: جب میرے چاند نے میرے دل پر محبت کی نظر ڈالی تو میرے سیاہ دل کو خالص چاندی بنا دیا۔

[3] ترجمہ: اے غافلو! موت کا وقت قریب آگیا ہے اس کی کچھ فکر کرو، حسین اور چاند جیسی پیشانی والے معشوقوں کے ساتھ شراب کا دَور کب تک چلے گا؟

دَور کے ایک معنی مطلق وقت کے ہیں یعنی موت کا وقت قریب آرہا ہے۔ اس کی فکر کرو۔ معشوقوں کے ساتھ مل کر شراب پینے کا زمانہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ دَور کے دوسرے معنی چکر یعنی بار بار آنے کے ہیں، یعنی تم دیکھتے نہیں کہ موت کا دَور قریب آگیا ہے۔ کبھی ایک کو لے جاتی ہے، کبھی دوسرے کو۔ پس اے مخاطب آپ کی باری بھی دُور نہیں۔ تو کب تک معشوقوں کے ساتھ بار بار یعنی لگاتار شراب پیتا رہے گا۔ اس دَور کے لفظ نے معانی کو وسعت دیکر شعر کے مفہوم کو بہت ہی قابل توجہ بنا دیا اور غفلت کی شدّت کو خوب نمایاں کیا۔

۹۔ آں خردمند یکہ اُو دیوانہ راہش بود ٭ ہوشیارے آنکہ مستِ رُوئے آں یارِ حسین[1]

(درثمین صفحہ ۱۵۵)

یہاں دوہری صنعت طباق ہے۔ ایک خردمند اور دیوانہ ہیں، اور ایک ہوشیار اور مست ہیں۔ اس طرح یہ شعر زیادہ جاذب توجہ بن گیا۔ غرض اس نظم میں ان دو شعروں کے علاوہ بھی بار بار مختلف رنگوں میں اچھی اور بُری حالتوں کا تقابل پیش کرکے وعظ و نصیحت کو کمال تک پہنچایا گیا ہے۔

۱۰۔ حضرت اقدس نے پنجابی اور ہندی کے بعض الفاظ بھی بڑی خوبصورتی سے استعمال فرمائے ہیں۔ جیسے ؎

ایں نہ از خود ہست جوشِ جانِ شاں ٭ دستِ کھڑپنچاں کشد دامانِ شاں[2]

(درثمین صفحہ ۱۵۳)

---

[1] : عقلمند وہ ہے جو اس کی راہ کا دیوانہ ہو۔ ہوشیار وہ ہے، جو اس حسین محبُوب کے چہرہ پرست ہو۔

[2] : ان کے دلوں میں مخالفت کا یہ جوش اپنے آپ نہیں، کھڑپنچوں کا ہاتھ ان کے دامن کو کھینچ رہا ہے۔

ویدزاں راہِ معارف دُور تر ٭ سادھ کی مہما نجا نے بے ہُنر

(درثمین ص۲۱۷)

آنکہ جانِ ما بجانش ہمسر است ٭ جائے ننگ و عار نے پرمیشر است[1]

(درثمین ص۲۱۶)

---

[1]: ویدان معرفت کے طریقوں سے بے خبر ہے، اس بے ہنر کو باری تعالیٰ کی حمد کا کچھ بھی تو سلیقہ نہیں۔
وہ جس کی جان ہماری جان سے برابر ہو، وہ پرمیشر نہیں بلکہ ایک قابلِ شرم وجود ہے۔

نقل اشعار شعرائے دیگر

عام دستور ہے کہ مصنف اور مقرر استدلال یا استشہاد کی خاطر دوسرے شعراء کے شعر اپنی تحریر یا تقریر میں لے آتے ہیں۔ چونکہ ایسے اشعار عموماً زبان زدِ خلائق ہوتے ہیں یا کم از کم علماء میں رائج ہوتے ہیں۔ اس لئے تحریر یا تقریر میں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ کس کے شعر ہیں ؟ البتہ اگر کوئی شعر یا مصرع کسی نظم میں شامل کیا جائے، خواہ درمیان یا کسی نظم کے آخر میں تو اسے تضمین کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس نظم میں متعلقہ شاعر کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ایسا اشارہ نہیں بھی کرتے۔ خصوصاً جب وہ شعر کافی مشہور و معروف ہو۔ مثلاً مولانا جامیؒ کی ایک غزل کے یہ دُو[۲] شعر ہیں:

دُور از لب جاں یکے نالاں نی است ؛ بشنو از نی چوں حکایت میکند
زاں لب ہمچوں شکر مانده جُدا ؛ از جدائی ہا شکایت میکند[۱]

آخری دونوں مصرعے مثنوی مولانا رومؒ کا پہلا شعر ہے۔ لیکن مذکورہ غزل میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی مشہور شعر ہے۔

چنانچہ احمد ہاشمی نے جواہر البلاغت میں لکھا ہے: "التضمن ویسمی الایداع وھو ان یضمن الشعر شیئاً من شعر اٰخر مع التّنبیه علیه ان لم یشتھر۔ یعنی تضمین

---

[۱]: ان لبوں سے دُور جان ایک روتی ہوئی بانسری ہے، سنو یہ بانسری کیا حکایت بیان کر رہی ہے۔
ان شکر جیسے (میٹھے) لبوں سے جدا ہو کر، جدائیوں کی شکایت کر رہی ہے۔

جس کا دوسرا نام ایداع ہے، اسے کہتے ہیں کہ ایک شعر میں کسی دوسرے شعر کا کوئی حصہ رکھ دیا جائے اور اگر وہ دوسرا شعر غیر معروف ہو تو ساتھ ہی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کو ظاہر کر دیا جائے کہ اس میں کسی اور شاعر کے شعر کا کوئی (بڑا یا چھوٹا) حصہ داخل کیا گیا ہے۔" (تنویر الابصار صٓ۲۶)

پس دوسرے شاعر کا حوالہ دینا اسی صورت میں ضروری ہے، جب وہ شعر اپنی نظم میں شامل کیا جائے اور وہ ہو بھی غیر مشہور۔ لیکن اگر نظم میں شامل نہ کیا جائے۔ بلکہ ویسے ہی کسی تحریر یا تقریر میں نقل کیا جائے، تو پھر ماخذ کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں خواہ وہ شعر مشہور ہو یا نہ ہو۔

حضرت اقدس نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں دوسرے اساتذہ کے قریباً دو اڑھائی سَو شعر نقل کئے ہیں (دیکھئے ضمیمہ ہٰذا نمبر ۲) اور حسب دستور عموماً ان کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ ہاں بعض جگہ متعلقہ شاعر کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

حضرت اقدس نے سب سے زیادہ (یعنی نوّے سے اُوپر) جس بزرگ کے شعر نقل کئے ہیں وہ شیخ سعدیؒ ہیں۔ ان کے بعد مولانا رومؒ اور حافظ شیرازیؒ کے پچیس پچیس شعر۔ اسی طرح مولانا جامی کے چھ شعر نقل کئے ہیں۔ مولانا نظامی گنجوی کے پانچ۔ امیر خسرو کے چار۔ عمر خیام اور سرمد کے تین تین۔ عبداللہ انصاری کے دو اور بعض شعراء کا ایک ایک۔ ان کے علاوہ کچھ شعر ضرب المثل ہیں اور باقی چند شعروں کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا، کہ وہ کس کے شعر ہیں۔

بعض بزرگوں کے شعر اور مصرعے حضرت اقدس کو الہام بھی ہُوئے، چنانچہ شیخ سعدیؒ کے آٹھ۔ حافظ شیرازیؒ کے تین، نظامی گنجوی کے دو اور ناصر علی سرہندی، عمر خیام اور امیر خسرو کا ایک ایک شعر۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت اقدس نے دوسرے بزرگوں کے جو شعر نقل کئے

ہیں۔ ان میں سے بعض کے الفاظ میں اور ان بزرگوں کی کتب کے مروجہ نسخوں میں مندرج ان اشعار کے الفاظ میں کہیں کہیں کچھ فرق ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ نقل در نقل ہوتے ہوئے ان کتب کے مختلف نسخوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ جس نسخہ میں حضرت اقدس نے کوئی شعر ملاحظہ فرمایا ہو۔ اس میں اسی طرح لکھا ہو، جیسے حضرت اقدس نے نقل کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اس میں خود تبدیلی کرلی ہو۔ مثلاً مثنوی مولانا روم کا جو نسخہ خاکسار کے پاس ہے اس میں ایک شعر یوں لکھا ہے:

؎ تا دلِ مردِ خُدا ناید بدرد ✤ ہیچ قومے را خُدا رُسوا نکرد[1]

ظاہر ہے کہ مصرع اول میں "ناید" کا لفظ سہو کاتب ہے۔ کیونکہ دوسرے مصرع میں فعل ماضی ہے۔ لہٰذا پہلے مصرع میں بھی ماضی ہونا چاہیئے نہ کہ مضارع۔ چنانچہ حضرت اقدس نے نقل کرتے وقت ناید کو نامد سے بدل لیا۔ ایسی تصحیح اہلِ فن کے نزدیک مستحسن ہے۔

---

[1] ترجمہ: جب تک کسی مردِ خدا کے دل میں درد پیدا نہیں ہوتا، خدا کسی قوم کو ذلیل نہیں کرتا۔

تضمین

اب حضرت اقدس کے کلام میں تضمین کے نمونے ملاحظہ فرمائیے۔ بعض جگہ آپ نے مستعار شعر کے ماخذ کا ذکر کر دیا ہے، اور بعض جگہ ایسا ذکر نہیں کیا۔ دنیائے سخن میں یہ دونوں صورتیں رائج ہیں۔ خصوصاً جب مستعار شعر نظم کے آخر میں ہو تو عموماً اس کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا جاتا۔

۱۔ مے نماید بطالبان رہِ راست ✽ راستی موجب رضائے خداست[۱]

(درثمین ص۴۷)

دوسرا مصرع شیخ سعدیؒ کا ہے۔ لیکن یہ ضرب المثل بن چکا ہے۔ اس لئے ماخذ کا حوالہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ وہ چہ خوب ست ایں اصولِ رہبری ✽ یادگارِ مولویؒ در مثنوی!

زیرکی ضد شکست ست و نیاز ✽ زیرکی بگذار و باگولی بساز

زانکہ طفلِ خورد را مادرِ نہار ✽ دست و پا باشد نہادہ درکنار[۲]

(درثمین ص۶۶)

---

[۱] ترجمہ: طالبوں کو راہ راست دکھاتا ہے، اور راستی خدا کی رضا کی موجب ہے۔

[۲] ترجمہ: واہ وا! سلوک کا یہ اصول کیسا عمدہ ہے، جو مثنوی میں مولوی رومی کی یادگار ہے۔ عقلمندی کمزوری اور عاجزی کی ضد ہے، پس تو چالاکی چھوڑ اور سادگی اختیار کر، کیونکہ چھوٹے بچے کے ہاتھ پاؤں کو ماں دن بھر گود میں لئے پھرتی ہے۔ (اسی طرح تجھے خدا گود میں لے لے گا)

آخری دونوں شعر مولانا روم کے ہیں اور ان سے پہلے شعر میں اس امر کا ذکر موجود ہے۔

۳۔ جان شود اندر رہِ پاکش فدا ٭ مژدہ ہمیں است گر آید بگوش
سر کہ نہ در پائے عزیزش رَود ٭ بارِ گراں است کشیدن بدوش[1]

(درثمین ص۲۰۱)

دوسرا شعر شیخ سعدیؒ کا ہے۔ لیکن وہاں عزیزش کی بجائے عزیزاں ہے۔ حضرت اقدس نے عزیزش کا لفظ لاکر اس کا رُخ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیا جس سے شعر کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا۔ ایسا تصرف معیوب نہیں بلکہ بہت مستحسن ہے۔ جیسا کہ آگے زیرِ عنوان "اخذ" واضح کیا جائے گا۔

حضرت اقدس کو جہاں کہیں کوئی عمدہ بات نظر آتی ہے، تو شدید محبت کی وجہ سے یا تو اسے اپنے محبُوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر لیتے ہیں، یا ذات باری تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ ؎

عاشق زار در ہمہ گفتار ٭ سخن خود کشد بجانبِ یار[2]

(تشحیذ الاذہان جنوری ۱۹۱۰ء)

اسی طرح یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ حضرت اقدس کو اگر کسی بزرگ کا کوئی تخیّل پسند آگیا تو اسے پہلے تو قریب قریب اسی کے الفاظ میں نقل کرکے اس بزرگ کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ اور پھر بعض دفعہ اسی مضمون کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ شعر کا حُسن دوبالا

---

[1] ترجمہ: اس کی پاک راہ میں ہماری جان فدا ہو، مبُارک بات یہی ہے اگر سُننے میں آجائے کہ وہ سر جو اس کے مبارک قدموں میں کٹ کر نہ گرے، اسے کندھوں پر اٹھائے پھرنا ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔

[2] ترجمہ: عاشق زار ہر بات میں کلام کا رُخ اپنے محبُوب کی طرف پھیر لیتا ہے۔

ہو جاتا ہے ۔مثلاً آپ نے شیخ سعدی کے مذکورہ بالا شعر کے مفہوم کو یوں اپنایا :۔

یا نبی اللہ نثارِ روئے محبوبِ توام ٭ وقفِ راہت کردہ ایں سر کہ بردوش است بار[1]

(درثمین ص۱۸۰)

۴۔ ہم دریں معنی ست گر تو بشنوی ٭ یادگارِ مولوی در مثنوی

گندم از گندم بروید جَو ز جَو ٭ از مکافاتِ عمل غافل مشو[2]

(درثمین ص۲۱۲،۲۱۳)

آخری شعر مولانا روم کا ہے۔ اور اس سے پہلے شعر میں اس طرف اشارہ موجود ہے ۔

۵۔ خواجہ عبداللہ انصاری کی ایک رباعی ہے :۔

آں کس کہ ترا شناخت جان را چہ کند؟ ٭ فرزند و عیال و خانماں را چہ کند؟

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ٭ دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند[3]؟

اسے حضرت اقدس نے اپنی ایک تقریر میں نقل کیا ہے (الحکم ۷، مارچ ۱۹۰۳ء) اور ایک جگہ اس کے دوسرے شعر پر تضمین کی ہے ۔ فرمایا :۔

آں کس کہ بتو رسد شہاں را چہ کند؟ ٭ با فرِّ تو فرِّ خسرواں را چہ کند[4]؟

---

[1] ترجمہ : اے نبی اللہ مَیں تیرے پیارے مکھڑے پر نثار ہوں، اور اس سر کو جو کندھوں پر بار ہے مَیں نے تیری راہ میں وقف کر دیا ہے۔

[2] ترجمہ : اگر تو سنے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے، جو مثنوی میں مولانا رومی کی یادگار ہے، یعنی گیہوں سے گیہوں پیدا ہوتا ہے اور جَو سے جَو، پس تو اپنے عمل کے بدلہ سے غافل نہ ہو۔

[3] ترجمہ : جس شخص نے تجھے پہچان لیا وہ جان کو کیا کرے گا، اولاد، عیال اور گھر بار کو کیا کرے گا۔ تو اپنا دیوانہ بنا کر دونوں جہان بخش دیتا ہے، لیکن تیرا دیوانہ دونوں جہانوں کو کیا کرے۔

[4] ترجمہ : جو شخص تجھ تک پہنچ جائے وہ بادشاہوں کو کیا سمجھتا ہے، تیری شان کے مقابلہ میں بادشاہوں کی شان کی کیا وقعت ہے۔

چوں بندہ شناختت بداں عزّ و جلال ٭ بعد از تو جلالِ دیگراں را چہ کند؟
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ٭ دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند؟[1]

(درِثمین ص۲۴۴)

پھر اسی شعر کے مضمون کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ؎

عاشقانِ رُوئے خود را ہر دو عالم میدہی ٭ ہر دو عالم ہیچ پیشِ دیدۂ غلمانِ تو[2]

(درِثمین ص۲۹۶)

ظاہر ہے کہ یہ شعر خواجہ موصوف کے شعر سے بہت فائق ہے۔ عاشقان رُوئے خود اور "ہر دو عالم ہیچ" نے اسے چار چاند لگا دئے ہیں۔ اور "دیدۂ غلمانِ تو" کے الفاظ اسے اور بھی اُونچا لے گئے۔ سُبحان اللہ!

۶۔ یوسف زلیخا جامی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

ترا با ہر کہ رُو در آشنائیست ٭ قرار کارت آخر بر جدائیست[3]

اس پر حضرت اقدس نے قدرے تصرف کے بعد یوں تضمین فرمائی: ؎

ترا با ہر کہ رُوئے آشنائی است ٭ قرارِ کارت آخر بر جدائی است
زفرقت بر دلے بارے نباشد ٭ کہ یا میرندہ اش کارے نباشد[4]

---

[1] ترجمہ: جس نے تیری شان وشوکت کو پہچان لیا پھر تجھے چھوڑ کر وہ دوسروں کی شان وشوکت کی کیا پروا کرتا ہے؟ اپنا دیوانہ بنا کر تُو اُسے دونوں جہان بخش دیتا ہے، مگر تیرا دیوانہ دونوں جہانوں کو کیا کرے۔

[2] ترجمہ: اپنے مکھڑے کے عاشقوں کو تو دونوں جہان دیتا ہے، لیکن تیرے غلاموں کی آنکھوں کے آگے دونوں جہان ہیچ ہیں۔

[3] ترجمہ: خواہ کسی سے بھی تیری آشنائی ہو، اس کا انجام آخر جُدائی ہی ہوگا۔

[4] ترجمہ: اس شخص کے دل کو مرنے والے کی جدائی سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا، جسے اس مرنے والے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اگرچہ رو کے لئے در کا صلہ آتا ہے، لیکن با کے آجانے سے اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لٰہذا حضرت اقدس نے اس کی جگہ اضافت لاکر وزن پورا کر دیا۔ جس سے الفاظ محاورہ کے مطابق ہو گئے اور شعر زیادہ فصیح ہو گیا۔

۷۔ بر و! فکرِ انجام کن اے غوی ٭ ز سعدی شنو گر ز من نشنوی
عروسی بود نوبتِ ماتمت ٭ اگر بر نکوئی بود خاتمت[1]

(درثمین صفحہ ۲۹۵)

دوسرا شعر شیخ سعدی کا ہے۔ اور اس سے پہلے شعر میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔
خاکسار کے پاس بوستان کا جو نسخہ ہے، اس میں یہ شعر یوں لکھا ہے :۔
عروسی بود نوبتِ ماتمت ٭ گرت نیک روزے بود خاتمت[2]

یا تو بوستاں کے اس نسخہ میں سہو کتابت سے "اگر بر نکوئی" کی جگہ "گرت نیک روزے" لکھا گیا ہو۔ اور حضرت اقدس نے جس نسخہ میں یہ شعر ملاحظہ فرمایا ہو۔ اس میں اسی طرح لکھا ہو گا جیسے آپ نے نقل کیا ہے۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے۔ کہ آپ نے خود اس شعر میں تصرّف کیا ہو۔ کیونکہ کسی خوش قسمت یعنی مبارک دن میں مرنے سے نیکی پر خاتمہ ہونا بہت بہتر ہے۔ خاتمہ بالخیر کے معنی خاتمہ بر نکوئی ہی ہوتے ہیں۔ اور عروسی بود خاتمت سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ نیک روزے بود خاتمت کا کنایہ خاتمہ بالخیر کی طرف ہی ہے، تو الفاظ اس کے متحمل نہیں۔ کیونکہ مبارک دن عموماً جمعہ کو کہتے ہیں اور

---

[1] ترجمہ : اے گمراہ شخص جا اور اپنی عاقبت کی فکر کر، اگر تو میری بات نہیں سنتا تو سعدی کی بات ہی سُن لے، کہ تیرے ماتم کا وقت شادی بن جائے، اگر تیرا خاتمہ نیکی پر ہو ٭

[2] ترجمہ : تیرے ماتم کا وقت شادی بن جائے، اگر تیرا خاتمہ کسی مبارک دن میں ہو ٭

اس دن کی موت کو بھی مبارک سمجھتے ہیں۔ لیکن مبارک دن کو واقع ہونے والی موت اگر نیکی پر نہ ہو تو کیا فائدہ؟ پس حضرت اقدس کے تصرّف نے شعر کا پایہ بہت بلند کر دیا۔

۸۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۴ پر حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ:۔

"میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر کو حضرت عزّت میں پڑھنا اپنے مناسب حال پاتا ہوں:۔

"پسندیدگانے بجائے رسند ٭ زما کہتر انت چہ آمد پسند"[۱]؟

بوستان میں یہ شعر یُوں ہے:۔

پسندیدگان در بزرگی رسند ٭ زما بندگانت چہ آمد پسند[۲]؟

ظاہر ہے کہ بزرگی تک محدود رکھنے کی نسبت "بجائے" کے لفظ کی عمومیت سے (جس میں بزرگی بھی شامل ہے) یہ شعر زیادہ بلیغ ہو گیا۔ اسی طرح بندگانِ خُدا تو بڑے سے بڑے ہو سکتے ہیں۔ پسندیدگان کا تقابل کہتران سے پیدا ہوتا ہے۔ دوسری جگہ حضرت اقدس اس شعر کو اپنے دو شعروں کے درمیان لائے ہیں:۔

عجب دارم از لطفت اے کردگار ٭ پذیرفتۂ چوں منِ خاکسار

پسندیدگانے بجائے رسند ٭ زما کہتر انت چہ آمد پسند؟

چو از قطرۂ خلق پیدا کنی ٭ ہمیں عادت اینجا ہویدا کُنی (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۲)

---

[۱] ترجمہ: پسندیدہ لوگ تو کسی مرتبہ تک پہنچ سکتے ہیں، ہم جیسے حقیروں کی کونسی بات تجھے پسند آ گئی۔

[۲] ترجمہ: پسندیدہ لوگ تو کسی عظمت کو پہنچ سکتے ہیں، ہم جیسے غلاموں کی تجھے کونسی چیز پسند آ گئی۔

[۳] ترجمہ: اے خداوند مجھے تیری مہربانیوں پر تعجب ہے، کہ مجھ جیسے عاجز کو تو نے پسند کر لیا ہے۔ پسندیدہ لوگ تو کسی مقام کو حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے جیسے حقیروں کی کونسی چیز تجھے پسند آ گئی، جب تو ایک قطرہ سے ایک جہان پیدا کر لیتا ہے، تو یہی عادت یہاں (یعنی میری نسبت) بھی دکھاتا ہے۔

تو مردانِ آں راہ چوں بنگری ٭ کہ از کینہ و بُغض کور و کری

چہ دانی کہ ایشاں چساں مے زیند ٭ زِ دُنیا نہاں در نہاں مے زیند

فدا گشتہ در راہِ آں جان پناہ ٭ زِ کف دِل زِ سر اوفتادہ کلُاہ

دل ریش رفتہ بکوئے دِگر ٭ زِ تحسین و لعنِ جہان بے خبر

"چو بیتُ المقدس، دروں پُر زِ تاب ٭ رہا کردہ، دیوارِ بیروں، خراب[۱]"

(درِ ثمین ص۳۰۷)

آخری شعر شیخ سعدیؒ کا ہے۔ اور واوین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر حضرت اقدس کا نہیں۔

۱۰۔ اے بے خبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند ٭ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند[۲]

(درِ ثمین ص۳۸۳)

دوسرا مصرع شیخ سعدی کے ایک مشہور شعر کا ہے۔

---

[۱] ترجمہ: تو اس راہ کے جوانمردوں کو کس طرح پہچان سکتا ہے، کیونکہ تو کینہ و بُغض کے مارے اندھا اور بہرا ہو گیا ہے۔ تجھے کیا خبر کہ وہ لوگ کیسے جیتے ہیں، وہ تو دنیا سے پوشیدہ در پوشیدہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اس جان کی پناہ کی راہ میں قربان ہو چکے ہیں، ان کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور کلاہ سر سے (گر گیا ہے)۔ ان کا زخمی دل کسی اور ہی کوچہ میں گیا ہوا ہے، وہ دنیا کی آفریں اور نفریں دونوں سے بے خبر ہیں۔ بیت المقدس کی طرح ان کا اندرونہ روشن ہے، مگر باہر کی دیوار خراب اور خستہ ہی رہنے دی ہے۔

[۲] ترجمہ: اے بیخبر قرآن کی خدمت کرنے کے لئے کمر باندھ لے، اس سے پہلے کہ آواز آئے کہ فلاں شخص مر گیا ہے۔

اخذ

اب رہا "اخذ" جسے اقتباس بھی کہتے ہیں یعنی "کسی کے کلام کو بغیر اس کے ذکر کے اپنے کلام میں داخل کرنا"۔ یہ بہت نازک معاملہ ہے۔ کیونکہ الفاظ یا خیالات پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ عین ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں کوئی عمدہ مضمون آئے اور وہ اسے بے خبری میں انہی الفاظ میں باندھ لے، جن میں وہی مضمون کوئی پہلا شاعر ادا کر چکا ہو۔ اور پچھلے شاعر کو اس امر کا کوئی علم نہ ہو۔ کیونکہ کسی شخص کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ شعر کہنے سے پہلے اپنے پیش رؤں کا تمام کلام مطالعہ کر کے اسے اپنے ذہن میں محفوظ کرلے۔ چنانچہ منصف مزاج اہل فن ایسے کلام کو توارد کہتے ہیں اور اسے سرقہ پر محمول نہیں کرتے۔ خصوصًا اس صورت میں جبکہ دوسرا شاعر بھی فن شاعری میں ماہر ہو۔ ہاں کوئی نا اہل شخص جو چاہے کہتا پھرے۔ یا حسد اور تعصّب کی بنا پر کوئی شاعر کسی دوسرے شاعر پر زبان طعن دراز کرے۔ جیسے عبید زاکانی نے امیر خسرو کے متعلق کہا :-

غلط افتاد خسرو را زخامی ؛ کہ سکبا پخت در دیگ نظامی[1]

حالانکہ امیر خسرو وہ قادر الکلام شاعر ہے جس کے کمال فن کا اعتراف ایران اور ہندوستان کے اکثر نقاد اور تذکرہ نویس کرتے آئے ہیں۔ مولانا نظامی کے بعد سَو سال تک کسی کو مولانا کے خمسہ (پانچ مثنویوں) کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہُوئی۔ اس بات کا بیڑا امیر خسرو نے اٹھایا۔ اور

---

[1] ترجمہ : نادانی کی بنا پر خسرو سے یہ غلطی سرزد ہُوئی کہ اس نے نظامی کی دیگ میں ملغوبہ پکایا۔

اسے خوب نبھایا۔ متعدد نقادوں نے امیر خسرو کے خمسہ کو نظامی کے خمسہ سے فائق قرار دیا ہے۔ یا کم از کم کسی نے اس کو گرایا نہیں۔ لیکن عبید کو اس میں بھی کیڑے نظر آگئے۔ محض اس لئے کہ امیر خسرو ایرانی نہیں تھے۔

چونکہ بعض ناسمجھوں نے حضرت اقدس پر بھی سرقہ کا اعتراض کیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اخذ اور سرقہ کے تمام پہلوؤں کی وضاحت ہو جائے۔ علم بیان کی کتب اور شعراء کے تذکروں میں اس بارہ میں سیر کن بحثیں موجود ہیں۔ خاکسار صرف چند اقتباسات پیش کرتا ہے۔ چنانچہ مولوی امام بخش صاحب صہبائی اس فن کی مشہور کتاب حدائق البلاغت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :۔

"شعر کی چوری یہ ہے کہ دوسرے شاعر کے شعر کا مضمون فقط لے کر شعر میں باندھ لیں۔ یا اس کا شعر اپنی طرف منسوب کر لیں۔ اور یہ کئی طرح پر ہے۔ اس کا حال بتفصیل آوے گا، معلوم کیا چاہیئے کہ بیان کرنا اغراض مختلفہ کا درمیان شعرا کے شائع ہے۔ مثلاً کسی کی مدح، سخاوت یا شجاعت کی یا ہجو بخل یا نامردی کی۔ یہ چوری میں داخل نہیں۔ یعنی اگر کسی نے کسی کی سخاوت یا شجاعت کی مدح کی۔ پھر دوسرے نے بھی انہیں میں سے کسی چیز کی مدح کی، تو یہ نہیں کہیں کے کہ اُس نے اس پہلے شاعر کا مضمون چُرا لیا۔ کس واسطے کہ یہ امر عادت میں داخل ہو گیا ہے۔ انہیں چیزوں کی مدح بیان کریں گے۔ فصیح اور غیر فصیح اس میں شریک ہے۔ لیکن وہ امور جو ان اغراض پر دلالت کریں، مثل استعارہ اور تشبیہ اور کنایہ۔ البتہ ان کا سرقہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر ایک شخص نے ایک تشبیہ یا استعارہ اختراع کیا اور دوسرے نے بھی اسی کو استعمال کیا تو کہہ سکتے ہیں کہ اس نے پہلے شاعر کی تشبیہ یا استعارہ کو چُرا لیا۔ مگر بعض تشبیہیں یا استعارے ایسے ہیں کہ سب شعرا میں شائع ہو گئے۔ مثلاً

آنکھ کی تشبیہ نرگس یا زبان کی سوسن یا رخسار کی گل یا ماہ سے اور بہادر کی تشبیہ شیر سے یا سخی کی حاتم سے اور علی ہذا القیاس۔ اس قسم کی تشبیہات کا استعمال سرقہ میں داخل نہیں۔ جب یہ معلوم ہو چکا، اب جاننا چاہیئے کہ شعر میں سرقہ دو قسم پر ہے۔ ایک ظاہر اور دوسرا غیر حاضر۔ اور سرقہ ظاہر کئی قسم پر ہے۔ قسم اوّل کہ دوسرے کے شعر کو بغیر تغیّر کے اپنا ٹھہرالیں۔ اسے نسخ اور انتحال کہتے ہیں۔ یہ سرقہ کمال معیوب ہے۔ اور اگر کوئی ایسا موزوں کرے کہ وہی بعینہٖ دوسرے کے دیوان میں نکل آوے۔ اور اس کہنے والے کو اصلاً اس پر اطلاع نہ ہو۔ تو اس کو توارد کہتے ہیں۔ نہ سرقہ اور یہ کمال تیزی فکر پر دلالت کرتا ہے۔ قسم دوسری یہ ہے کہ کسی مضمون کو تمام الفاظ یا بعضے الفاظ کو لے کر اس کی ترتیب بدل دیں۔ اگر اوّل سے اس کی ترتیب بہتر ہوگی، البتہ طبائع کے مقبول ہو جاوے گی جیسے (مثالیں حذف کر دی گئی ہیں، کیونکہ وہ اُردو زبان میں ہیں۔ ناقل) قسم تیسری یہ ہے کہ دوسرے کا مضمون لے کر اور الفاظ میں باندھ لیں۔ جیسے ......

اور سرقہ غیر ظاہر بھی کئی قسم پر ہے۔ اوّل یہ ہے کہ معنے دو شعر کے آپس میں مشابہت رکھتے ہوں۔ جیسے ...... قسم دوسری یہ ہے کہ شعر اوّل میں ادعا خاص ہو اور دوسرے میں عام، جیسے ..... قسم تیسری یہ ہے کہ مضمون ایک جائے سے دوسری جائے میں منتقل کریں، جیسے .... قسم چوتھی یہ ہے کہ دوسرے شعر کے معنے پہلے شعر کے معنے کے ضد ہوں، جیسے ..... قسم پانچویں یہ ہے کہ کسی اور مضمون سے کچھ لے کر اور چیزیں ایسی بڑھا دیں کہ بہ نسبت اوّل کے زیادہ لطیف ہو جاوے جیسے .....

جاننا چاہیئے کہ جب یہ معلوم ہو جاوے کہ دوسرے شخص نے پہلے شعر میں اس مضمون کو چُرا لیا ہے، اس وقت اس پر سرقہ کا حکم کریں گے۔ والّا ہو سکتا ہے کہ وہ بطریقِ توارد کے ہو۔ اور ان مثالوں کے اشعار کا بھی یہی حال ہے۔ اور اسی بحث کی

ملحقات میں سے تضمین اور اقتباس ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دوسرے کے کلام کو
ایسی طرح سے اپنے کلام میں لے آوے کہ سیاق کلام سے یہ معلوم ہو کہ یہ بھی اسی کا کلام
ہے، چنانچہ اکثر کلام اللہ کی آیت یا حدیثوں کو اپنے کلام میں مذکور کرتے ہیں اور فارسی
اور اُردو کہنے والے اکثر اس پر اشارات بھی کر دیتے ہیں۔ تاکہ سرقہ کے احتمال سے
کلام مبرّا ہو جائے۔"

(ترجمہ حدائق البلاغت ص۱۵۷ تا ص۱۶۰)

یہ خیال رہے کہ علم بلاغت کی بعض کتب میں نقل، تضمین اور اخذ کے الفاظ قریب قریب
ہم معنی استعمال ہوئے ہیں اور بعض مصنّف اخذ قبیح کو سرقہ اور اخذ ملیح کو تضمین کہتے ہیں۔
ایک اور صاحب لکھتے ہیں: ۔

"اساتذہ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے، ان سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی
مضمون ہوتا ہے جسے ہر ایک شاعر کہتا ہے۔ لیکن ہر ایک کا انداز جُدا، ہر ایک کی
بندش الگ، کہیں اگلوں کے کلام میں لطائف ہوتی ہے اور کہیں پچھلے اس مضمون کو
زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ مثلاً سعدی کا ایک شعر ہے (مثال اوّل): ۔

بجز این گنہ ندارم کہ محب و مہربانم ؛ بچہ جرم دیگر از من سر انتقام داری؟[۱]

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں: ؎

گفتم کہ ہمیں تُرا غُلامم ؛ گر ہست گناہ من ہمیں ست[۲]

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہے۔ صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کر دی

---

۱ ترجمہ: ۔ سوائے اس کے میرا کوئی گناہ نہیں کہ مَیں محب اور مہربان ہُوں تو اور کس جرم کی وجہ مجھ سے انتقام لینے کے درپے ہے؟

۲ ترجمہ: ۔ مَیں نے کہا یہی کہ مَیں تیرا غلام ہُوں، اگر میرا کوئی گناہ ہے تو یہی ہے۔

جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس پر گناہ کا اقرار حرفِ شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہے۔ کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جب سعدی کا شعر موجود تھا، تو پھر اسی مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔ (دوسری مثال) خسرو کا ایک اور شعر ہے :۔

گفتا بودے خسرو درخواب رخ بنمایمت ٭ ایں سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست[1]

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :۔

گفتی شبے بخواب تو آیم وے چہ سود ٭ چون من بعمر خویش ندانم کہ خواب چیست[2]؟

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت بیشتر ہے، جبکہ ان کا ایسا پُر لطف شعر موجود تھا، تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہے، کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول اور لایعنی اعتراض نہیں"۔

(مقدمہ ہشت بہشت ص ۱۶۰، ۱۶۱)

آقائے وحید دستگیری گنجینۂ گنجوی کے دیباچہ (صفحہ صفر اصح) میں کس فخر سے بیان کرتے ہیں کہ مولانا روم نے مولانا گنجوی کے کلام سے بکثرت اقتباس کئے ہیں۔ لیکن کسی کو موردالزام نہیں ٹھہرایا۔ لکھتے ہیں :۔

جلال الدین مولوی بزرگ ترین خدیو ملک عرفان وسخن اقتباسات زیاد از اشعارِ حکیم نظامی دارد۔۔۔۔ دیوانِ نظامی را مولوی ہمیشہ نصب العین داشتہ و ازاں اقتباسات

---

[1] ترجمہ: تُو نے کہا تھا کہ اے خسرو! میں تجھے خواب میں چہرہ دکھاؤں گا، یہ بات کسی اجنبی سے کہیئے، آشنا کو بھلا نیند کیسے آسکتی ہے (کہ خواب دیکھے)۔

[2] ترجمہ: تُو نے کہا ہے کہ میں کسی رات تیری خواب میں آؤنگا مگر کیا فائدہ؟ جبکہ میں نے اپنی تمام عمر میں نہیں دیکھا کہ خواب (نیند) کیا ہوتی ہے۔

لفظی و معنوی فراوان کردہ، درصورتیکہ از دیوان حکیم سنائی غزنوی باہمہ ارادتی کہ باو دارد چنیں اقتباسے نکردہ است۔ و ایں اقتباسات دلیل بر عظمت فکر نظامی و شیوائی سخن اُوست تا حدیکہ کہ عارف و سخنور بزرگی مانند مولوی را مجذوب داشتہ"۔ یعنی جلال الدین مولوی (مولانا روم) جو معرفت اور شاعری کے ملک کے عظیم فرمانروا تھے انہوں نے حکیم نظامی کے اشعار سے بہت اقتباس (اخذ) کیئے۔ مولانا روم نے دیوان نظامی کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا۔ اور اس سے بڑی کثرت سے لفظی اور معنوی اقتباسات کیئے۔ جبکہ آپ نے باوجودیکہ آپ کو حکیم سنائی غزنوی سے بڑی عقیدت تھی۔ ان (حکیم سنائی) سے اتنے اقتباس نہیں کیئے۔ یہ اقتباس نظامی کی عظمت فکر اور اس کے کلام کی عمدہ روش پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک عارف باللہ اور عظیم سخنور مانند مولانا روم کو اپنا گرویدہ بنالیا"۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوری نے "تنویر الابصار" میں سرقہ اور اخذ کی خوب وضاحت کی ہے، خاکسار اس قابل قدر کتاب سے ایک لمبا اقتباس لانے پر معذرت خواہ ہے، کیونکہ موضوع بہت اہم ہے اس لئے اس کی پوری وضاحت بہت ضروری ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں:۔

"مَیں اس موقعہ پر مکرّر اس بات کو واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی کلام کو سرقہ پر محمول کرنے سے قبل کم از کم مندرجہ ذیل امور پر پوری طرح نظر ہونی چاہیئے:۔

(۱) جس معنے یا کلام کو مسروق قرار دیا گیا ہے، وہ شعراء میں ایسا مشہور و معروف تو نہیں کہ اسے اپنے کلام میں داخل کرنا، سرقہ (چوری) کہہ ہی نہ سکیں۔ کیونکہ سرقہ (چوری) بغیر پردہ اور اخفاء کے ممکن ہی نہیں اور چوری کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ لوگوں کو کسی چیز سے غفلت میں پاکر اس غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہُوئے ناجائز طور پر اس چیز کو اپنے قبضہ و تصرّف میں لایا جائے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ

کلام یا معنی کے سرقہ کے سوال پر جن لوگوں کی غفلت دیکھی جاتی ہے وہ عام پبلک نہیں بلکہ ادباء اور بلغاء کا طبقہ ہے)۔

(۲) وہ کلام یا معنی شاملات کی طرح ایسا تو نہیں کہ اس کو استعمال کرنے کا حق پبلک کو حاصل ہو اور وہ کسی شخص کی مملوکہ چیز کی طرح نہ ہو بلکہ وہ عام معنی یا مشہور لفظ یا محاورہ ہو جس کے متعلق کسی شخص کا یہ دعویٰ نہ چل سکے کہ وہ میری ہی ایجاد ہے یا یہ کہ میں نے اس میں فلاں فلاں جدّت پیدا کر دی ہے جس کے باعث وہ میرا ملک ہو گیا۔ بلکہ عام متداول لفظ یا ترکیب یا معنی ہو، کیونکہ ملک عام چیز کو اپنے استعمال میں لانے والا شخص صادق نہیں کہلا سکتا۔ چنانچہ ابن رشیق اس بارہ میں لکھتا ہے:

والسرق ایضاً إنما هو فی البدیع المخترع الّذی یختصّ به الشاعر لا فی المعانی المشترکة الّتی هی جاریة فی عاداتهم ومستعملة فی امثالهم ومحاوراتهم فما ترتفع به الظِّنّة فیه عن الذی یُورِده ان یقال إنهٗ اخذهٗ من غیرهٖ۔[1] (العمدة جلد ثانی ص۲۱۶)

(۳) اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کلام یا معنی اس کا اپنا طبعزاد نہیں ہے بلکہ اس نے اسے کسی دوسرے کے کلام سے اخذ کیا ہے اور جب کسی معنی یا کلام کا مسروق ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اسے محل اعتراض قرار دینے سے قبل اس بات پر غور کر لینا ضروری ہوتا ہے کہ (۱) جس شخص کو دوسرے کے کلام کا آخذ قرار دیا گیا ہے

---

[1] ترجمہ: اور سرقہ بھی صرف ایسی نئی ایجادات میں ہو سکتا ہے، جو کسی شاعر سے مخصوص ہوں۔ نہ کہ ایسے مشترکہ معنوں میں جو ان (یعنی اہل زبان) کے معمولات میں شامل ہوں اور ان کی کہاوتوں اور محاوروں میں مستعمل ہوں اور جو شخص انہیں اپنے کلام میں لائے اس کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے انہیں کسی دوسرے شاعر سے اخذ (سرقہ) کیا ہے۔

اس کے اپنے کلام پر نظر کرنے سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود ویسا ہی کلام یا اس سے بھی بڑھ کر کہہ سکتا ہے کیونکہ ایسا ثابت ہو جانے کی صورت میں اس کے اخذ کو قابل گرفت یا عیب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ چنانچہ ابن رشیق عمدہ (جلد ثانی ص۲۲) میں لکھتا ہے: والشاعر یستوھب البیت والبیتین والثلثة وأكثر من ذالكَ إذا كانت شبيهةً بطريقة ولا بعد ذالكَ عيبا لأنه بقدر على عمل مثلها ولا يجوز ذالك الا للحاذق المبرز۔[1] (۲) اخذ کا قول (جس میں اس نے کچھ تصرف بھی کر لیا ہے) رتبہ میں ماخوذ عنہ کے قول سے بڑھ کر یا اس کے برابر تو تو نہیں ہے کیونکہ اگر اس سے بڑھ کر ہو یا اس کے مساوی ہو تو اس پر نہ صرف اعتراض (نہیں) ہو سکتا بلکہ وہ مستحق تعریف ہے۔ افضلیت کی صورت میں تو اس لئے کہ وہ اسے پہلے سے بھی بہتر بنا دینے کی وجہ سے خود بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہو گیا ہے۔ اور مساوات کی صورت میں اس لئے کہ اس نے پہلے کلام کو عمدگی سے اپنے کلام میں ملا لیا اور ٹھیک طور پر حسب موقعہ و محل اسے اپنے استعمال میں لا سکا اور لا لایا۔ چنانچہ العمدۃ میں ہے: ان المتبع اذا تناول معنىً فأجادهُ بان يختصره إن كان طويلاً او يبسطه ان كان كزّا او يبيّنه إن كانَ غامضًا او يختار لهُ حَسَنَ الكلام إن كانَ سَفسَافًا أو رشيق الوزن إن كانَ جافيًا هو أولىٰ بِهِ من مبتدعه[2]

---

[1] : اور کبھی کبھی کوئی شاعر ایک یا دو یا تین شعر یا اس سے زیادہ شعر (کسی دوسرے شاعر کے کلام سے) لے لیتا ہے جبکہ وہ اس کے اپنے طرز کلام کے مشابہ ہوں۔ اور یہ عیب نہیں سمجھا جاتا کیونکہ وہ ایسے شعر کہنے پر قادر ہوتا ہے لیکن یہ امر کسی تیز فہم اور ماہر فن شخص کے سوا کسی اور کے لئے) جائز نہیں ہے۔

[2] : کوئی شاعر (اپنے سے پہلے کسی شاعر کے کلام سے) کوئی معنی اخذ کرے، تو اگر وہ کلام زیادہ طویل ہو اور

وکذالك ان قلبه اوصرفه عن وجه إلیٰ وجه اٰخر۔ فأما إن لا ساوی المبتدی فله فضیلة حسن الاقتداء ولا غیرھا۔[1] (جلد ثانی ص۲۲۳)
غرض کسی کلام پر اخذ یا کسی اخذ پر عیب لگانے سے قبل بہت سے پہلو دیکھنے ضروری ہوتے ہیں۔" (تنویر الابصار ص۲۳-۲۴)
علامہ ابن رشیق العمدہ (جلد دوم ص۲۱۵) میں لکھتے ہیں لست تعدّ من جھابذة الکلام ولا من نُقّادِ الشعر حتی تمیز بین أصنافه وأقسامه و تحیط علما برتبه ومنازله یعنی کوئی شخص منقد شعر نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اسے اخذ کے تمام اقسام و اصناف اور اس کے مراتب و ملارخ کے متعلق وسیع علم اور گہری واقفیت نہ ہو۔ پھر لکھتے ہیں کہ اتکال الشاعر علی السرقه بلادة وعجز وترکه کل معنی سُبِقَ إلیه جَھْلٌ ولکن المختارله عندی اوسط الحالات (جلد ثانی ص۲۱۶) یعنی اگر کسی شخص کی شعرگوئی کا سارا دارومدار اخذ و سرقہ پر ہو تو اسے شاعر مت سمجھو، بلکہ وہ شعر کہنے سے عاجز اور کوڑمغز ہے۔ اور ایک شخص اس پہلو کو بالکل ہی چھوڑے ہوئے ہے اور پہلے نامی شعراء کے کلام سے کہیں بھی اخذ نہیں کرتا تو وہ فن شعر سے بالکل بے خبر اور جاہل ہے۔ نیز علامہ موصوف لکھتے ہیں: ھذا باب

---

[1] (بقیہ ترجمہ صفحہ ۲۵۶): وہ اسے مختصر کرے مجمل ہو تو اسے کھول دے، ناقابلِ فہم ہو تو اسے واضح کردے۔ پھسپھسا ہو تو اسے عمدہ کلام کی شکل میں لے آئے۔ وزن خراب ہو تو اسے درست کرے تو وہ پہلے شاعر کی نسبت اس کلام کا زیادہ مستحق بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اس میں کچھ تبدیلی کرے یا اسکا رُخ ایک طرف سے دوسری طرف پھیرلے (تب بھی وہ زیادہ مستحق ہوگا) اور اگر اسکا کلام پہلے شاعر کے کلام سے برابر ہو تو اس کے لئے عمدگی سے پیروی کرنے کی فضیلت ہے نہ کہ کچھ اور (یعنی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا)۔

تسع جداً لا يقدر أحدٌ من الشعراء ان يدّعى السلامة منه (ص۲۱۵) ۔

یعنی سرقات شعریہ کا باب (دروازہ)۔ ایک ایسا باب ہے جس سے ہر ایک شاعر کو گذرنا پڑتا ہے۔ اور کوئی شاعر ایسا نہیں جو اس سے کبھی نہ گذرنے کا دعویٰ کرسکے اور اپنے کلام کو بکلّی اس سے خالی کر سکے ۔" (تنویر الابصار ص۳۲)

یہی وجہ ہے کہ شعرا کے تذکروں کی کتابیں ان کے کلام کا آپس میں مقابلہ کرنے سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن کوئی کسی پر سرقہ کا الزام نہیں لگاتا۔ حالانکہ بعض شعرائکے کلام میں دوسرے شعراء کے پورے مصرعے بلکہ بعض دفعہ تو پورے شعر تک پائے جاتے ہیں اور تبصرہ ان کے کلام کے حسن و قبح کے پرکھنے تک محدود رکھا جاتا ہے۔ الا کہ کبھی حسد یا تعصّب کسی کے دل میں راہ پالے۔

خاکسار بغرض اختصار ایسے توارد یا اخذ کی چند مثالوں پر اکتفا کرے گا :۔

(۱) مولانا روم فرماتے ہیں :ؔ

نہ آں شیرم کہ با دشمن برآیم ؂ مرا آں بہ کہ من با خود برآیم[1]

پہلا پورا مصرع نظامی گنجوی کا ہے۔

(۲) مولانا نظامی کی ایک غزل یوں شروع ہوتی ہے :ؔ

مرا پرسی کہ چونی چونم ایدوست ؂ جگر پُر درد و دل پُر خونم ایدوست[2]

مولانا روم کہتے ہیں :ؔ

مرا پرسی کہ چونی بین کہ چونم ؂ خرابم بے خودم مست جنونم[3]

---

[1] ترجمہ : مَیں ایسا شیر نہیں ہُوں کہ دشمن پر غالب آؤں، میرے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنے آپ پر غالب آجاؤں۔

[2] ترجمہ : تُو مجھ سے پوچھتا ہے کہ اے دوست تو کیسا ہے، میرا یہ حال ہے کہ جگر درد سے اور دل خون سے بھرا ہوا ہے۔

[3] ترجمہ : تُو مجھ سے پوچھتا ہے کہ تُو کیسا ہے، دیکھ کیسا ہُوں، مدہوش ہوں، بیہوش ہوں، دیوانہ مست ہوں۔

دیکھئے مولانا روم نے اپنی غزل کے ہم قافیہ بنانے کے لئے پہلے مصرع میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی ہے۔

(۳) فغانی کا مشہور شعر ہے:

بوئیت صبحدم گریاں بگلگشت چمن رفتم ÷ نہادم روئے بر روئے گل واز خویشتن رفتم[1]

میرزا صائب نے اسے یوں بدل لیا:

بوئیت صبحدم گریاں چو شبنم در چمن رفتم ÷ نہادم روئے بر روئے گل واز خویشتن رفتم[2]

یہاں صرف پہلے مصرع میں تھوڑی سے تبدیلی کر کے یعنی شبنم کی تشبیہ لا کر شعر میں جان ڈال دی اور دعویٰ یعنی پہلے مصرع کے مفہوم کو پُورا کر دیا۔

(۴) خواجہ حافظ کی ایک غزل کا مطلع ہے:

زباغ وصل تو یابد ریاضِ رضوان آب ÷ زتاب ہجرِ تو دارد شرار دوزخ تاب[3]

یہ شعر بغیر کسی تفاوت کے لفظ بلفظ سلمان ساوجی کے دیوان میں موجود ہے۔ اور یہ دونوں بزرگ ہمعصر تھے۔

پس اخذ و اقتباس بڑے سے بڑے شاعروں کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ بلکہ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے، مستحسن اور لازمی ہے۔ حضرت اقدس کے کلام سے اس کی مثالیں اس لئے پیش کی جا رہی ہیں، تا آپ کے کلام کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور یہ دکھایا جائے کہ آپ نے گذشتہ اساتذہ کے کلام میں کس کس طرح اصلاح فرمائی اور ان کے کلام کے پسندیدہ ٹکڑوں کو اپنے کلام میں جگہ دیکر کس طرح ان کی عزّت افزائی کی ہے۔

---

[1] ترجمہ: صبح کے وقت تیری خوشبو (کی تلاش) کے لئے روتا ہوا میں باغ کی سیر کو گیا میں نے پھول کے منہ پر اپنا منہ رکھا اور بیخود ہو گیا۔

[2] ترجمہ: صبح کے وقت تیری خوشبو (کی تلاش) کیلئے روتا ہوا میں شبنم کی طرح باغ میں گیا پھول کے منہ پر اپنا منہ رکھا اور بیخود ہو گیا۔

[3] ترجمہ: تیرے وصل کے باغ سے بہشت کا چمن پانی حاصل کرتا ہے، اور تیری جدائی کی جلن کی وجہ سے دوزخ کی چنگاریوں میں اتنی گرمی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ آگے جو مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ سب اخذ ہی ہوں بلکہ عین ممکن ہے کہ ان میں سے بعض محض توارد ہوں اور حضرت اقدس کو کسی پہلے شاعر کے ایسے کلام کا علم ہی نہ ہو۔ بہر حال ان مثالوں سے یہ تو واضح ہو جائے گا کہ کسی پہلے شاعر کے کسی خیال کو جب حضرت اقدس نے بیان کیا تو وہ پہلے شعر سے کس قدر بلند پایہ ہو گیا۔ ان اشعار کو یہاں درج کرنے کی غرض کسی قسم کی صفائی پیش کرنا نہیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت اقدس کے کلام کی خوبیاں بیان کی جائیں۔

(۱) بوستان سعدی میں ہے :۔

نپندار سعدی کہ راہِ صفا ⁂ تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے[1]

حضرت اقدس فرماتے ہیں ؎

خدائیکہ جان براہِ او فدا ⁂ نیابی رہش جز پئے مصطفٰے[2]

(درثمین صفحہ ۶۸)

دیکھئے حضرت اقدس نے ایک تو راہ صفا کی جگہ راہ خُدا کے الفاظ لاکر شعر کے مضمون کو کس قدر بلند کر دیا ہے۔ دوم تلاش کو براہ راست ذات باری تعالیٰ سے مخصوص کر کے شعر کا رتبہ اور بڑھا دیا ہے۔ اور سوم رفتن کی جگہ یافتن لاکر شعر کو حقیقت کے زیادہ قریب کر دیا ہے شعر کی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کی پیروی میں فرق ظاہر کرنا ہے۔ یہ فرق جتنا زیادہ ہوگا، شعر اتنا ہی زیادہ بلیغ ہوتا جائے گا۔ رفتن کی بجائے یافتن میں مقصد سے زیادہ دُوری پائی جاتی ہے۔ رفتن سے معلوم ہوتا ہے کہ راستہ مل چکا ہے، لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی

---

[1] ترجمہ: اے سعدی تو یہ مت سمجھ کہ راہ راست پر مصطفٰی کی پیروی کے بغیر چلا جا سکتا ہے۔

[2] ترجمہ: وہ خُدا جس پر ہماری جان قربان ہے، اس کا راستہ مصطفٰے کی پیروی کے بغیر نہیں پا سکتا۔

کے بغیر کوئی اس پر چل نہیں سکتا۔ لیکن نہ یافتن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر صحیح راستہ مل ہی نہیں سکتا۔

دوسری جگہ حضرت اقدس نے اپنے الفاظ میں اسی مضمون کو اور زیادہ پُر اثر طریق پر یوں بیان فرمایا ہے :ے

ہر کہ بے او زد قدم در بحرِ دین ٭ کرد در اوّل قدم گم معبرے[1]

(درثمین صـ۱۸)

یعنی صرف یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر راستہ نہیں ملے گا۔ بلکہ کسی دوسرے مذہب پر عمل شروع کرنے والا پہلے قدم پر ہی گمراہی کے گڑھے میں جا گرے گا۔

(۲) شیخ سعدیؒ کا ایک اور شعر ہے :ے

پائے در زنجیر پیش دوستاں ٭ بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں[2]

حضرت اقدس فرماتے ہیں :ے

پا بہ زنجیر پیش دلدارے ٭ بہ ز ہجراں و سیرِ گلزارے[3]

(درثمین صـ۴۲)

شیخ سعدی نے ایک عام بات کہی تھی۔ حضرت اقدس اس پسندیدہ مضمون کو بھی اپنے محبوب کی طرف لے گئے۔ جیساکہ دوسری جگہ فرمایا ہے :ے

---

[1] ترجمہ : جس کسی نے اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بغیر دین کے دریا میں قدم رکھا تو (معلوم ہوگیا کہ) اس نے پہلے قدم پر ہی گھاٹ کھو دیا ہے۔

[2] ترجمہ : دوستوں کے پاس پابند زنجیر رہنا غیروں کے ساتھ باغ میں ہونے سے بہتر ہے۔

[3] ترجمہ : محبوب کے سامنے پا بہ زنجیر رہنا اس کی جدائی میں باغ کی سیر سے بہتر ہے۔

عاشق زار در ہمہ گفتار ؛ سخن خود کشد بجانب یار[1]

(تشحیذ الاذہان جنوری ۱۹۱۰ء)

اور جیسا کہ شرف جہان نے کہا ہے :-

بہر جا ہر دم اول حدیث نیکواں پرسم ؛ کہ حرفِ آں مہِ نا مہرباں را در میاں آرم[2]

سچ ہے جسے کسی سے محبت ہو وہ گھما پھرا کر بات کا رُخ اسی کی طرف موڑ لیتا ہے۔

۳- شیخ سعدی کہتے ہیں :-

یوسف شنیدہ ام کہ بچاہے اسیر بود ؛ ویں یوسفے کہ بر زنخ آوردہ چاہ را[3]

اس شعر سے شیخ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا کہ معشوق کے چاہ زنخ کا ذکر کیا جائے۔ پہلے مصرع والی تلمیح سے بھی کوئی مفید مطلب حاصل نہیں کیا گیا۔ ٹھوڑی پر چاہ زنخ پیدا کرنا یا لئے پھرنا بھی ایک متبذل تخیل ہے۔ اس کے بالمقابل حضرت اقدس نے ان نقائص کو بھی دُور کیا اور اسی چاہ اور یوسف کی تلمیح سے قرآن کریم کی عظمت بیان کرنے کا کام لیا۔ فرماتے ہیں :-

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا ؛ واں یوسفے کہ تن ہا از چاہ برکشیدہ[4]

(درثمین ص۱۱۳)

پہلے مصرع کا کوئی لفظ زائد نہیں۔ اس کی عبارت بھی دوسرے مصرع سے خوب مربوط ہے یوسف

---

[1] ترجمہ: عاشق زار ہر بات کا رُخ اپنے محبوب کی طرف پھیر لیتا ہے۔

[2] ترجمہ: مَیں جہاں جاتا ہوں پہلے حسینوں کے متعلق پوچھتا ہُوں، تاکہ باتوں باتوں میں (اپنے معشوق) اس نامہربان چاند کا ذکر چھیڑ دوں۔

[3] ترجمہ: مَیں نے سنا ہے کہ یوسف کسی کنوئیں کی تہ میں قید تھا۔ یہ ایسا یوسف ہے جس کی ٹھوڑی پر کنواں ہے۔

[4] ترجمہ: یوسف تو ایک کنوئیں کی تہ میں قید رہا۔ اور یہ یوسف (قرآن مجید) بیشمار انسانوں کو (گمراہی کے) کنوئیں سے باہر کھینچ لایا۔

کے لفظ سے قرآن کریم کے حسن کو نمایاں کیا اور حسن بھی ایسا جو حقیقت پر مبنی ہے۔ کیا قرآن کریم نے بے شمار انسانوں (تنہا) کو گمراہی کے گڑھے سے نہیں نکالا؟ تنہا اور تن ہا کے الفاظ میں تجنیسِ مرکب مشابہ بھی پیدا ہو گئی ہے۔

اسی طرح حضرت اقدس ایک اور مقام پر بھی اس تلمیح کو اپنے کام میں لائے۔ فرمایا: ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن ٭ واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بیشمار[1]

(درثمین صفحہ ۱۸۱)

اختصار دیکھئے حضرت اقدس نے اس تلمیح کو جو شیخ کے پورے شعر پر پھیلی ہوئی تھی، صرف ایک ہی مصراع میں سمو دیا۔ اور دوسرے مصرع میں ایک اور تلمیح لا کر ایک اور معجزانہ حقیقت کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا۔

۴۔ مثنوی مولانا روم میں ہے: ؎

اے دریغ آں دیدۂ کور و کبود ٭ کافتابے اندرو ذرّہ نمود[2]

حضرت اقدس نے سادہ حسرت کو استفہام تعجب میں بدل کر شعر کی بلاغت میں نمایاں ایزادی کر دی اور فرمایا: ؎

ایں چہ چشمے ست کور و سخت کبود ٭ کافتابے درو چو ذرّہ نمود![3]

(درثمین صفحہ ۷۶)

(۵) حسب ذیل اشعار شیخ سعدیؒ کے ایک مشہور قصیدہ کے ہیں: ؎

---

[1] ترجمہ: اس یعنی آنحضرتؐ کے چاہ ذقن میں لاکھوں یوسف مجھے نظر آ رہے ہیں اور آپؐ کے دم کی برکت سے بیشمار مسیح ناصری پیدا ہو چکے ہیں۔

[2] ترجمہ: افسوس ہے اس اندھی اور تاریک آنکھ پر، جس میں سورج بھی ایک ذرّہ کی طرح دکھائی دیا۔

[3] ترجمہ: وہ آنکھ کیسی اندھی اور تاریک ہے، جس میں سورج بھی ایک ذرّہ کی طرح دکھائی دیا۔

ابر آب داد بیخ درختاں تشنہ مرا ؛ شاخ برہنہ پیرہن از نوبہار کرد
چند استخواں کہ ہاون دوران روزگار ؛ خرد کش چناں بکوفت کہ خاکش غبار کرد
قارون ز دین برآمد و دنیا برو نماند ؛ بازی رکیک بود کہ موشی شکار کرد
بعد از خدائی ہر چہ پسندند ہیچ نیست ؛ بے دولت آنکہ بر ہمہ ہیچ اختیار کرد[۱]

یہ اشعار قصیدہ میں ایک ہی جگہ نہیں، بلکہ مختلف مقامات پر ہیں۔ قصیدہ کا موضوع حمد و شکر باری تعالیٰ ہے جس کے بعد دنیا کی بے وقعتی کی طرف گریز کیا ہے۔ حضرت اقدس نے اس قصیدہ کی بحر اور اس کے قوافی کو ایک دریدہ دہن مخالفِ حق کے رد میں استعمال فرمایا ہے اور کس خوبصورتی سے استعمال فرمایا ہے:؎

آں صید تیرہ بخت کہ بند ہے بپائے اوست ؛ شپرّ مثال بغض خورے اختیار کرد
فرعون شد و عناد کلیمے بدل نشاند ؛ یکسر خزاں شد و گلہ ہا از بہار کرد
چوں شحنۂ حق از پئے تعزیر او نخاست ؛ چنداں بکوفتش کہ تنش چوں غبار کرد
تاریخ ردّ آں ہذیانش چہ حاجت است ؛ صیدِ رکیک بود کہ موسیٰ شکار کرد[۲]

(درثمین ص۱۵۲)

---

[۱] ترجمہ: بادل نے پیاسے درختوں کی جڑوں کو پانی دیا، اور ننگی شاخ کو نئی بہار کا لباس پہنایا۔ چند ہڈیاں تھیں جنہیں زمانہ کے ہاون (چٹو) نے اتنا باریک کوٹا کہ ان کی مٹی کو غبار بنا دیا۔ قارون دین سے نکل گیا، لیکن دنیا بھی اس کے پاس نہ رہی، وہ ایک ذلیل باز تھا جس نے ایک چوہا شکار کیا۔ خدا کے بعد انہوں نے جو کچھ بھی پسند کیا وہ بے حقیقت تھا، بدقسمت ہے وہ جو دوسری سب چیزوں پر کسی بے حقیقت چیز کو ترجیح دے۔

[۲] ترجمہ: اس بدبخت شکار نے جس کے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے، چمگادڑ کی طرح (سورج سے) دشمنی اختیار کی۔ اس نے فرعون بن کر ایک کلیم اللہ کی عداوت دل میں بٹھالی۔ وہ بالکل خزاں بن گیا، اور لگا موسم بہار کا گلہ کرنے۔ جب راستی کا کوتوال اسے سزا دینے کے لئے اُٹھا، تو اس نے اسے اتنا کوٹا کہ اس کا بدن غبار کی طرح کر دیا۔ اس کے بکواس کے رد کی تاریخ لکھنے کی کیا ضرورت ہے، وہ ایک حقیر شکار تھا جسے موسیٰؑ نے مار گرایا۔

یہ خیال رہے کہ شیخ کے ایک شعر میں شکار کرد کا فاعل باز کیک اور مفعول موشی ہے لیکن حضرت اقدس کے ایک شعر میں صیدِ کیک مفعول اور موسیٰ فاعل ہے۔ اور موسیٰؑ سے مراد حضرت اقدس کی اپنی ذات ہے۔

۶۔ ایک اور جگہ شیخ سعدی فرماتے ہیں: ؎

گر تیغ بر کشد کہ محبان ہمے زنم ٭ اوّل کسے کہ لاف محبت زند منم[1]

اس شعر کو بھی حضرت اقدس محبوبِ حقیقی کی طرف لے گئے اور فرمایا: ؎

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند ٭ اوّل کسے کہ لافِ تعشق زند منم[2]

(درثمین ص۱۹۵)

شیخ سعدی کے شعر کے پہلے مصرع کے الفاظ مجازی معشوق کے لئے تو بے شک مناسب ہیں لیکن محبوبِ حقیقی کے لئے ہرگز موزوں نہیں۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ تلوار لے کر اپنے محبوب کے سر کاٹتا پھرے۔ البتہ دوسرے لوگ ضرور عاشقان صادق، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السّلام کو بھی قتل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا اسی کے مطابق حضرت اقدس نے پہلے مصرع کے الفاظ تبدیل کر لئے۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ حضرت اقدس نے یوں بیان فرمایا ہے: ؎

تیغ گر بارد بکوئے آں نگار ٭ آں منم کاوّل کند جاں را نثار[3]

(درثمین ص۲۲۹)

---

[1] ترجمہ: اگر وہ تلوار کھینچ لے کہ مَیں اپنے محبوب کو قتل کروں گا، تو سب سے پہلے جو محبت کا دعویٰ کرے وہ مَیں ہوں گا۔

[2] ترجمہ: اگر تیری گلی میں عاشقوں کے سر کاٹے جاتے ہوں، تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ مَیں ہوں گا۔

[3] ترجمہ: اگر اس محبوب کی گلی میں تلوار برسے تو مَیں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کرے۔

کیا فصاحت وبلاغت ہے، ایک ایک لفظ جوش سے بھرا ہوا ہے سُبحان اللہ وبحمدہٖ۔

۷۔ لیکن چو ز غور و فکر بینم ٭ از ماست مصیبتے کہ بر ماست[۱]

یہ بات ناصر خسرو نے بھی کہی ہے: ع

گفتا زکہ نالیم کہ از ماست کہ بر ماست[۲]

اوّل تو از ماست کہ بر ماست کے الفاظ ضرب المثل بن چکے ہیں، دوم یہ کہ غور و فکر کے الفاظ لاکر مفہوم کو زیادہ مؤثر بنا دیا گیا ہے۔

۸۔ حافظ شیرازی کا ایک مشہور شعر حضرت اقدس کو الہام ہُوا تھا (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۳۴ء)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما[۳]

حضرت اقدس اس شعر کے دونوں مصرعوں کو الگ الگ اپنے دو شعروں میں لے آئے:

آنانکہ گشت، کوچۂ جاناں مقام شان ٭ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ شان

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ میرد کسے کہ نیست مرامش مرامِ شان[۴]

(درثمین ص۲۱۵)

۹۔ شیخ سعدی نے ایک بہادر شہزادے کے منہ سے کہلوایا تھا:

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشت من ٭ آں منم کاندر میاں خاک و خوں بینی سرے[۵]

۱؎ ترجمہ: لیکن جب مَیں غور و فکر سے دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ) جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ ہمارے اپنے ہی ہاتھوں سے پڑی ہے۔

۲؎ ترجمہ: اس نے کہا کہ کس کا رونا روئیں، کیونکہ جو کچھ ہم پر وارد ہُوا ہے وہ ہماری اپنی وجہ سے ہی ہے۔

۳؎ ترجمہ: وہ شخص ہرگز نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہوگیا، کیونکہ ہمارا نام ہمیشہ کے لئے اس دنیا کے دفتر میں لکھا جا چکا ہے۔

۴؎ ترجمہ: وہ لوگ جن کا ٹھکانا محبوب کی گلی بن گئی ہے، ان کا نام اس دنیا کے دفتر میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہے۔ وہ شخص ہرگز نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہوگیا، مرتا وہی ہے جس کا مقصد ان (عاشقوں) کا مقصد نہ ہو۔

۵؎ ترجمہ: مَیں ایسا نہیں کہ لڑائی کے دن تو میری پیٹھ دیکھ سکے، مَیں وہ ہوں کہ مٹی اور خون کے اندر تجھے ایک سر نظر آئے گا۔

حضرت اقدس اسے بھی عشقِ رسُول کی طرف لے گئے۔ فرمایا:۔

آں منم کاندر رہِ آں سرورے ؎ درمیانِ خاک و خوں بینی سرے[1]

(درثمین ص ۲۲۹)

۱۰۔ حافظ شیرازیؒ کی ایک غزل کا مطلع ہے:۔

خیز تا از درِ میخانہ کشادے طلبیم ؎ بر درِ دوست نشینیم و مرادے طلبیم[2]

حضرت اقدس نے اس شعر میں ذرا سی تبدیلی کر دی ہے۔ فرمایا:۔

خیز تا از درِ آں یار مرادے طلبیم ؎ بر درِ دوست نشینیم و کشادے طلبیم (اشتہار ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

دیر گاہیست کہ بینیم زمیں پُر ز فساد ؎ بہ کہ با دستِ دُعا صدق و سدادے طلبیم[3]

(درثمین ص ۲۴۹)

دیکھئے الفاظ کی ذرا سی تبدیلی سے شعر کہاں تک جا پہنچا ہے۔ خیز کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوچنے والا کسی اور جگہ ہے اور وہ درِ میخانہ پر جانے کا ارادہ کر رہا ہے، اس وقت وہ دروازہ کھلنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ کہے گا۔ کہ چلو درِ میخانہ پر جا کر اپنی مراد مانگیں۔ ہاں جب وہاں پہنچ جائے تو دروازہ کھلنے کی خواہش کرے گا یعنی دُعا کی قبولیت کی۔ اس کے بعد دعا کیا مانگے گا اس کی وضاحت دوسرے شعر میں ہے۔

۱۱۔ حافظ شیرازی نے اپنے ایک قصیدہ میں اپنے ممدوح منصور بن محمد غازی کو مخاطب کر کے

---

[1] ترجمہ: مَیں تو وہ ہوں کہ اس سردار کی راہ میں تو ایک سر خاک اور خون میں لتھڑا ہوا دیکھے گا۔

[2] ترجمہ: اُٹھو تا میخانہ کے دروازہ پر (جا کر) کشایش مانگیں اور دوست کے دروازہ پر بیٹھ کر اپنی مراد مانگیں۔

[3] ترجمہ: اُٹھو دوست کے دروازہ پر جا کر اپنی مراد مانگیں، محبوب کے دروازہ پر بیٹھیں اور اس کے کھلنے کی درخواست کریں۔ مدتوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ زمین خرابیوں سے بھری ہوئی ہے، بہتر ہے کہ دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھا کہ صدق اور راستی مانگیں۔

کہا تھا ؂

گر برکنم دل از تو و بردارم از تو مہر ❊ آں مہر بر کہ افگنم آں دل کجا برم[1]

حضرت اقدس نے اسے یوں بدل دیا ؂

گر مہرِ خویش برکنم از روئے دلبرم ❊ آں مہر بر کہ افگنم آں دل کُجا برم[2]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کو یہ شعر پسند آیا لیکن افسوس ہوا کہ ایسے سچے موتی جھوٹے معبودوں پر نثار کئے جا رہے ہیں۔ لہٰذا آپ نے پہلے مصرع کو تبدیل کرکے یہ موتی محبوبِ حقیقی کے قدموں میں لا ڈالے۔ قبل ازیں وضاحت کی جا چکی ہے کہ اہلِ فن کے نزدیک کسی اچھے کلام کے رُخ کو پھیرنا (صرفہ من وجہ الیٰ وجہ آخر) معیوب نہیں بلکہ مستحسن ہے، بشرطیکہ کلام زیادہ فصیح و بلیغ ہو جائے اور اس سے پہلے شاعر کی تنقیص نہیں ہوتی، بلکہ عزّت افزائی ہوتی ہے کہ ایک غیر معمولی قادر الکلام شخص نے بھی اس کے کلام کو درخورِ اعتنا سمجھا۔

اسی مفہوم کو حضرت اقدس ایک جگہ یوں بیان فرماتے ہیں :؂

ایں خدا ہست ربِّ اربابم ❊ بکہ رُو آرم ار از و تابم[3]

(درثمین صـ۳۲۵)

ذرا ان الفاظ کا اختصار اور معانی کا حسن دیکھئے۔

۱۲۔ ایسا ہی ایک شعر شیخ سعدی کا ہے :؂

---

[1] ترجمہ : اگر مَیں اپنا دل تجھ سے اکھاڑوں اور اپنی محبت تجھ سے ہٹاوں، تو پھر مَیں اس محبت کو کہاں پھینکوں اور اس دل کو کہاں لے جاؤں۔

[2] ترجمہ : اگر مَیں اپنی محبت روئے محبوب سے پھیر لوں تو اس محبت کو کہاں پھینکوں اور اس دل کو کہاں لے جاؤں۔

[3] ترجمہ : یہ ہے میرا خدا جو پرورش کرنیوالوں کا پرورش کرنیوالا ہے، اگر مَیں اس سے رُخ پھیر لوں تو کس طرف رُخ کروں۔

زدیدنت نتوانم کہ دیدہ بربندم ؛ وگر مقابلہ بینم کہ تیر مے آید[1]

اس مفہوم کو حضرت اقدس یوں ادا فرماتے ہیں :

من آں نیم کہ چشم بربندم ز روئے دوست ؛ وربینم ایں کہ تیر بیاید برابرم[2]

(درثمین صـ۲۵۲)

دعویٰ تو پہلے دونوں مصرعوں کا خوبصورت ہے ۔ پھر بھی نتوانم کے لفظ سے ایک قسم کی کوتاہی کا شبہ پیدا ہوتا ہے ۔ اس کے برخلاف حضرت اقدس کے مصرع میں بلند ہمتی کی جھلک نظر آتی ہے ۔ پھر دیدنت کی بجائے روئے دوست کے الفاظ لانے سے حضرت اقدس کا مصرع اور نکھر گیا ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقابلہ کی بجائے برابر کا لفظ لانے سے حضرت اقدس کا شعر فصاحت میں اور بھی بڑھ گیا ہے اور محاورہ کے مطابق ہو گیا ہے ۔ مقابلہ کے لفظ کو کبھی سامنے کے معنوں میں استعمال کر لیتے ہیں ۔ لیکن اس کے اصل معنی روبرو (یعنی آمنے سامنے) کے ہیں اور یہ معنے نشانہ اور تیر پر صادق نہیں آتے ، کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف نہیں آتے ۔ بلکہ صرف تیر نشانہ کی طرف آتا ہے ۔ اس مفہوم کے لئے صحیح لفظ برابر ہے جس کے معنی ٹھیک سامنے کے ہیں (ABREAST) فارسی زبان میں ظروف کے ساتھ حرف جر نہیں لگایا جاتا ۔ ہم کہتے ہیں مَیں رات کو سویا لیکن وہ کہتے ہیں ، شب خفتم ۔ اسلئے مذکورہ بالا شعر میں در کا لفظ نہیں آیا ۔ ہاں کبھی حرف جر لے بھی آئے ہیں ۔ جیسے شیخ سعدی کہتے ہیں :

در برابر چو گوسفند سلیم ؛ در قفا ہمچو گرگ مردم در[3]

---

[1] ترجمہ : مَیں تیری طرف دیکھنے سے آنکھ بند نہیں کر سکتا ، خواہ سامنے دیکھوں کہ تیر آرہا ہے ۔

[2] ترجمہ : مَیں ایسا نہیں ہوں کہ محبوب کے مکھڑے کی طرف سے آنکھیں بند کر لوں ، خواہ مجھے نظر آرہا ہو کہ تیر سیدھا میری طرف آرہا ہے ۔

[3] ترجمہ : سامنے تو فرمانبردار بھیڑ کی طرح ہیں ، اور پیچھے لوگوں کو چیرنے والے بھیڑیئے ۔

اس شعر سے برابر کے لفظ کے معنوں کی بھی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ لفظ قفا یعنی پیچھے کا الٹ ہے۔ اس کی جگہ مقابلہ کا لفظ رکھ کر دیکھئے کتنا بھدا معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۔ حافظ شیرازیؒ کی ایک غزل میں آیا ہے:

خیال زلف تو پختن نہ کار خاماں است ٭ کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاریست[1]

حضرت اقدس نے اسی مفہوم کو یوں ادا فرمایا:

پناہِ روئے تو جستن نہ طورِ مستاں است ٭ کہ آمدن بہ پناہت کمالِ ہشیاری است[2]

(درثمین ص۱۷۵)

"خیال روئے تو بستن" سے مراد پناہ ڈھونڈنا ہی ہے، جسے حضرت اقدس نے کھول دیا۔ حافظ تقابل کے لئے خاماں اور عیاری کے الفاظ لائے ہیں۔ عیاری کا لفظ عشق مجازی کے لئے تو موزوں ہے جو دوسرے شاعروں کی طرح حافظؒ کا بھی موضوع ہے۔ لیکن حضرت اقدس کا موضوع ہمیشہ عشق حقیقی ہے جس کے لئے عیاری کا لفظ قطعاً ناموزوں ہے۔ پھر خاماں اور عیاری کے الفاظ میں پورا تضاد بھی نہیں اور مستاں اور ہوشیاری کے الفاظ میں مکمل تضاد ہے (صنعت طباق)

۱۴۔ مولانا رومؒ کی ایک غزل کا شعر ہے:

جملۂ بے قراریت از طلب قرار تست ٭ طالب بے قرار شو تا کہ قرار آیدت[3]

بظاہر مضمون نہایت شاندار ہے، اور الفاظ بھی بہت عمدہ دکھائی دیتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جائے

---

[1] ترجمہ: تیری زلفوں پر دھیان جانا کچے لوگوں کا کام نہیں، کیونکہ ان زنجیروں کے نیچے آجانا حد درجہ کی چالاکی ہے۔

[2] ترجمہ: تیرے چہرہ کی پناہ ڈھونڈنا مستوں (بیہوشوں) کا کام نہیں، کیونکہ تیری پناہ میں آنا تو کمال درجہ کی ہشیاری ہے۔

[3] ترجمہ: تیری تمام بیقراری تیرے قرار ڈھونڈنے کی وجہ سے ہے، تو طالب بیقرار بن تا تجھے قرار آئے۔

تو اس شعر میں ایک ناپسندیدہ ابہام ہے ، وہ یہ کہ طالب بیقرار میں قرار کا لفظ مصرع اوّل کے لفظ قرار کے مقابل پر آیا ہے۔ اس لئے اس کے معنے بیقراری ہونے چاہئیں۔ اسی طرح اس نظم کے دوسرے اشعار سے بھی یہی ترشح ہوتا ہے کہ یہاں بے قراری کا لفظ ہونا چاہیئے۔ لیکن طالب بیقرار کے الفاظ ان معنوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بے قراری اسم حاصل مصدر ہے اور بے قرار اسم صفت۔ اور اسم صفت مضاف الیہ نہیں بن سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ طالب بیقرار سے مراد بیقرار شخص لے لیا تا (صفت بجائے موصوف) لیکن اس قیاس میں بھی بعض قرائن روک ہیں۔ جو نیچے درج ہیں۔

بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کسی نہ کسی طرح طالب بیقرار کے معنی طالب بیقراری لئے جا سکتے ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو پہلے ہی بے قرار ہے (جملۂ بیقراریت) پھر اسے اور کونسی بے قراری تلاش کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دیکھئے، حضرت اقدس کس خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں : ؎

آنکس کہ ہست از پئے آں یار بیقرار ∴ رو صحبتش گزیں و قرارے دراں بجو[1]

(درثمین صفحہ ۳۰)

دیکھئے کہیں کوئی ابہام نہیں۔ مفہوم روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو شخص قرار کا متلاشی ہو اسے کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے، جو محبوب حقیقی کے لئے بیقرار ہو۔ یہاں قرار کے لفظ سے مراد بیقراری کے مقابل قرار نہیں۔ بلکہ بیقراری کی حالت پر سکون اور اطمینان مراد ہے جو اپنے سے بڑھ کر محبوب حقیقی کے لئے بیقرار شخص کی صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس شعر سے مولانا روم کی مراد بھی غالباً یہی تھی۔ (اگرچہ مناسب الفاظ نہ لائے جا سکے) ورنہ عاشق کو

---

[1] ترجمہ : جو شخص اس دوست کے لئے بیقرار ہے، جا اس کی صحبت اختیار کر تا تجھے تسکین حاصل ہو۔

قرار کہاں ؟

حضرت اقدس خود فرماتے ہیں :۔

نہ در فراق قرار آیدم نہ وقت وصال ٭ بحیرتم کہ من از عشق او چہ مے جویم؟[1]

شیخ سعدی کہتے ہیں :۔

قرار در کف آزادگان نگیرد مال ٭ نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال[2]

۱۵۔ شیخ سعدی کا ایک اور شعر ہے :۔ (شعر العجم حصہ پنجم صفحہ ۲۸)

اگر خدائے نباشد ز بندۂ خوشنود ٭ شفاعت ہمہ پیغمبراں ندارد سود[3]

اوّل تو اس شعر کا مفہوم ہی محل نظر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دُور کرنے کے لئے تو شفاعت کی ضرورت ہے ۔ اگر وہ اس حالت میں کارگر نہیں ہو سکتی تو شفاعت کا اعتقاد ہی بے معنی ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف حضرت اقدس اس تخیّل کو بالکل مناسب موقعہ پر کام لائے اور فرمایا :۔

گر خدا از بندۂ خوشنود نیست ٭ ہیچ حیوانے چو او مردود نیست[4]

(درثمین صفحہ ۱۷۰)

۱۶۔ شیخ سعدی نے مغول کے ہاتھوں بغداد کی تباہی پر ایک مرثیہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے :۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں ٭ بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنین[5]

---

[1] ترجمہ : مجھے نہ فراق میں چین آتا ہے نہ وصل میں ، حیران ہوں کہ مَیں اس کے عشق سے کیا چاہتا ہوں ؟

[2] ترجمہ : نہ آزاد منش لوگوں کی ہتھیلی میں مال قرار پکڑتا ہے ، نہ عاشق کے دل میں صبر اور نہ چھلنی میں پانی ۔

[3] ترجمہ : اگر خدا کسی بندہ سے خوش نہ ہو ، تو سب پیغمبروں کی سفارش سے بھی اُسے کوئی فائدہ نہیں ۔

[4] ترجمہ : اگر خدا کسی بندہ سے خوش نہ ہو ، تو کوئی حیوان بھی اس جیسا مردود نہیں ۔

[5] ترجمہ : آسمان کو حق ہے کہ زمین پر خون کے آنسو بہائے ، امیر المؤمنین مستعصم باللہ کی حکومت کے زوال پر ۔

حضرت اقدس نے اسی زمین میں مسلمانوں کی زبوں حالی پر نوحہ لکھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے:
(دیکھئے صــ ہذا) :ــــ

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں ÷ بر پریشان حالئ اسلام و قحط المسلمین[۱]

(درثمین ص۱۵۴)

۱۷۔ حضرت اقدس نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں زیادہ تر شیخ سعدی کے اشعار ہی نقل کئے ہیں۔ اور اخذ بھی زیادہ تر شیخ کے کلام سے ہی کیا ہے۔ اور اس سے بہتر فائدہ اٹھایا ہے مثلاً شیخ کا ایک شعر ہے :ــــ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ÷ تا تو نانے بکف آری و لغفلت نخوری[۲]

دیکھئے حضرت اقدس کس خوبصورتی سے اسے اپنے کام میں لائے ہیں :ــــ

آسمان و مہ و خورشید شہادت دادند ÷ تا تو تکذیب ز نادانی و غفلت نکنی[۳]

(درثمین ص۲۷۹)

۱۸۔ اسی طرح حافظؒ کی ایک غزل کا شعر ہے :ــــ

عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم ÷ با شیر در دروں شد و با جان بدر شود[۴]

جب "عشق تو در وجودم" کے الفاظ موجود ہیں، تو ساتھ ہی "مہر تو در دلم" کے الفاظ زائد ہیں۔ ایک ہی مفہوم کا بے جا تکرار ہے۔ حضرت اقدس نے الفاظ کو مختصر کر کے فصاحت کو بڑھا

---

[۱] ترجمہ: دیندار لوگوں کیلئے مناسب ہے کہ انکی آنکھیں اسلام کی پریشان حالی اور مسلمانوں کے قحط پر خون کے آنسو بہائیں۔

[۲] ترجمہ: بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سب کام میں لگے ہوئے ہیں، تا تو روٹی حاصل کر کے غفلت میں نہ کھائے۔

[۳] ترجمہ: آسمان، چاند اور سورج شہادت دے رہے ہیں، تا تو نادانی اور غفلت سے تکذیب نہ کرے۔

[۴] ترجمہ: تیرا عشق میرے وجود میں اور تیری محبت میرے دل میں، دودھ کے ساتھ داخل ہوئی تھی اور جان کے ساتھ نکلے گی۔

دیااور فرمایا : ؎

مہر او باشیر شد اندر بدن ؛ جان شد و باجاں بدر خواہد شدن[1]

حافظ نے صرف اتنا کہا تھا کہ تیری محبت دودھ کے ساتھ داخل ہوگئی تھی اور جان کے ساتھ نکلے گی۔ مگر کیوں؟ حافظ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی لیکن حضرت اقدس اس کی دلیل لائے کہ وہ جان کے ساتھ کیوں نکلے گی، اس لئے کہ وہ جان بن گئی ہے۔ اس لئے وہ جان کے ساتھ ہی نکلے گی۔ جان کے نکلنے سے پہلے اس کا جُدا ہونا ممکن نہیں۔

ایک اور شعر دیکھئے اور غور فرمائیے کہ حافظ کی وجود اور دل والی بات کو کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ فرمایا : ؎

تا وجودم ہست خواہد بود عشقت در دلم ؛ تا دلم دَورانِ خوں دارد بتو دارد مدار[2]

(درثمین صـــ۱۸۲)

۱۹۔ حافظ کے اس شعر کا ذکر قبل ازیں توارد کے ذکر میں ہو چکا ہے۔ (صـــ۱۹۱ ہذا)۔

ز باغِ وصل تو یابد ریاضِ رضواں آب ؛ ز تابِ ہجرِ تو دارد شرارِ دوزخ تاب

حضرت اقدس نے دوسرے مصرع کے مفہوم کو یوں ادا فرمایا : ؎

دوزخ کز عذاب پُر چوں خُم ؛ اصل آں ہست لَا یُکَلِّمُھُمْ[3]

(درثمین صـــ۳۲۵)

حافظؒ نے اپنے قول کی دلیل پیش نہیں کی حضرت اقدس قرآن شریف سے اس کی سند لائے

---

[1] ترجمہ: اس کی محبت جو دودھ کے ساتھ میرے جسم میں داخل ہوئی تھی، وہ جان بن گئی ہے اس لئے جان کے ساتھ ہی نکلے گی۔

[2] ترجمہ: جب تک میرا وجود قائم ہے تیرا عشق میرے دل میں قائم رہے گا، اور جبتک میرے دل میں دورانِ خون جاری ہے، تیری ہی امداد پر بھروسہ ہے۔

[3] ترجمہ: وہ دوزخ جو خم کی طرح عذاب سے پُر ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ خدا ان سے کلام نہیں کرے گا۔

یعنی لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ آل عمران: ۷۸) یعنی اس سے بڑھ کر تکلیف دِہ اور کوئی امر نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، بلکہ ان کی طرف قیامت کے دن آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔
استغفر اللّٰہ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

۲۰۔ اختصار بھی شعر کی خوبیوں میں سے ہے۔ ص۱۸۹ ہذا پر ابن رشیق کا فیصلہ دیکھئے کہ فاذا جاء بان یختصرہ ان کان طویلا ۔۔۔۔ ھو اولی بہ من مبتدعہ یعنی اگر کوئی کسی لمبے شعر کو مختصر کرے تو وہ اس شعر کو اپنانے کا زیادہ حقدار بن جاتا ہے۔ بہ نسبت اس کے جس نے پہلے وہ شعر کہا تھا۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم دفتر اوّل میں ہے:

اے خنک چشمے کہ او گریاں اوست ؛ اے ہمایوں دلے کہ او بریاں اوست[1]

دیکھئے حضرت اقدس نے اسے کتنا مختصر کر دیا ہے اور معنوں میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

اے خنک دیدۂ کہ گریانش ؛ اے ہمایوں دلے کہ بریانش

(درثمین صفحہ۷)

۲۱۔ اسی طرح گلستان سعدی میں ہے:

فرق است میاں آنکہ یارش در بر ؛ با آنکہ دو چشم انتظارش بر در[2]

اسے حضرت اقدس نے یوں مختصر کیا:

آں یکے را نگارِ خویش بہ بر ؛ دیگرے چشم انتظار بہ در[3]

(درثمین صفحہ۵)

---

[1] ترجمہ: وہ آنکھ ٹھنڈی ہے جو اس کے لئے روتی ہے، اور وہ دل مبارک ہے جو اس کے لئے جلتا ہے۔
[2] ترجمہ: ان دونوں میں فرق ہے ایک وہ جس کا محبوب اس کے پہلو میں ہے، اور دوسرا وہ جس کی آنکھ محبوب کے انتظار میں دروازہ پر لگی ہوئی ہے۔
[3] ترجمہ: ایک شخص کا محبوب اس کے پہلو میں ہے، اور دوسرے کی آنکھ اس کے انتظار میں دروازہ پر لگی ہوئی ہے۔

۲۲- مولانا روم کسی چیز کے خود اپنی دلیل آپ ہونے کے تخیل کو آفتاب کے متعلق لائے تھے یعنی عشق کی صحیح کیفیت عاشق ہونے پر ہی محسوس کی جا سکتی ہے۔ اور فرمایا تھا:

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب ✽ گر دلیلت باید از وے رُخ متاب[1]

حضرت اقدس نے اس تخیل کا رُخ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر لیا۔ (صرفہ عن وجہ الی وجہ اٰخر۔ ابن رشیق صـ۱۸۹ ہذا) اور فرمایا:

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ✽ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ[2]

(درِثمین صـ۱۹۱)

۲۳- اسی طرح شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں عاشقان حقیقی کے حالات کے پوشیدہ ہونے کے متعلق چشمۂ حیواں کی مثال دی تھی اور فرمایا تھا کہ:

بسر وقت شان خلق کے رہ برند ✽ کہ چون آب حیواں بظلمت درانند[3]

حضرت اقدس نے انہیں ذات باری تعالیٰ میں گم قرار دے کر اس مفہوم کو حقیقت سے زیادہ قریب کر دیا۔ فرمایا:

کس بسرِ وقتِ شان ندارد راہ ✽ کہ نہاں اند در قبابِ اللہ[4]

(درِثمین صـ۸۱)

۲۴- فردوسی نے شاہنامہ میں کہا تھا:

---

[1] ترجمہ: سورج اپنی دلیل آپ ہے، اگر مجھے اس کا ثبوت چاہیئے تو اس کی طرف سے اپنا رُخ نہ پھیر۔

[2] ترجمہ: اگر تجھے کسی ثبوت کی خواہش ہو تو اس پر عاشق ہو جا، محمدؐ خود اپنی دلیل آپ ہی ہے۔

[3] ترجمہ: ان کے احوال کا کھوج مخلوق نہیں لگا سکتی، وہ آب حیات کے چشمہ کی طرح پردۂ ظلمات میں ہیں۔

[4] ترجمہ: کوئی ان کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے گنبدوں (پردوں) میں ہیں۔

بکوشیم و فرجام کار آں بود ٭ کہ فرمان و رائے جہانبان بود[1]

حضرت اقدس نے اسے موجود الوقت فارسی زبان میں ڈھال لیا اور فرمایا: ؎

بکوشیم و انجام کار آں بود ٭ کہ آں خواہش و رائے یزداں بود[2]

(درثمین صـ۴۷)

۲۵ - اسی طرح مولانا روم نے آنحضرتؐ کے بچپن کے متعلق فرمایا تھا کہ: ؎

آنکہ فضل تو دریں طفلیش داد ٭ کس نشان ندہد بصد سالہ جہاد[3]

حضرت اقدس نے اس تخیّل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں تک وسعت دیدی اور فرمایا: ؎

اتباعش آں دہد دل را کشاد ٭ کس نہ بیند کس بصد سالہ جہاد[4]

(درثمین صـ۱۳۱)

کش اور کس میں صنعت تجنیس بھی پیدا ہوگئی۔

۲۶ - احمد سے میم گر کر احد بننے کو سبھی شاعر بیان کرتے آئے ہیں۔ امیر خسرو کہتے ہیں: ؎

میم احمد کہ در احد غرق است ٭ کمر خدمت از پئے فرق است

احمد اندر احد کمر بنداست ٭ یعنی ایں بندہ واں خداوند است[5]

---

[1] ترجمہ: ہم اپنی طرف سے جو کوشش بھی کرتے ہیں، اس کام کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی منشا ہو۔

[2] ترجمہ: ہم اپنی طرف سے جو کوشش بھی کرتے ہیں، اس کام کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خواہش اور مرضی ہو۔

[3] ترجمہ: تیرے فضل نے اسے بچپن میں جو کچھ عطا فرمایا ہے، وہ سَو سال کے مجاہدہ میں بھی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

[4] ترجمہ: آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی دل کو اسقدر انشراح بخشتی ہے، جو کوئی سَو سال کے جہاد سے بھی نہیں دیکھ پاتا۔

[5] ترجمہ: احمد کا میم جو احد میں غائب ہے، وہ دونوں میں فرق کے لئے کمرہمت (کا پٹکا) ہے۔ گویا احمد احد کی خدمت میں تیار کھڑا ہے، یعنی یہ غلام اور وہ آقا ہے۔

حضرت اقدس نے اسے یوں بیان فرمایا: ؎

شانِ احمد را کہ داند جز خداوند کریم ؛ آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

زاں نمط شد محوِ دلبر کز کمالِ اتحاد ؛ پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم [1]

(درثمین ص ۱۵۸)

حضرت اقدس کے بیان کی فضیلت ظاہر و باہر ہے ؛

---

[1] ترجمہ: احمدؐ کی شان کو سوائے خداوند کریم کے کون جان سکتا ہے، وہ اپنی خودی سے اسطرح الگ ہوگیا کہ میم درمیان سے گرگیا۔ وہ اپنے محبوب میں اس طرح محو ہوگیا کہ، کمال اتحاد کی وجہ سے اس کی صورت بالکل ربِّ رحیم کی صورت بن گئی ؛

درثمین کے اشعار میں کمی بیشی

اگر کوئی مصنف خود شاعر نہ ہو، تو جو اشعار اس کی تحریروں یا تقریروں میں آئیں گے وہ لازماً دوسرے لوگوں کے اشعار ہوں گے۔ لیکن جو مصنف خود بھی شاعر ہو اس کی تقریروں اور تحریروں میں جو شعر آئیں ان کے متعلق یہ فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ سب اس کے اپنے شعر ہیں یا بعض دوسروں کے بھی نقل کئے گئے ہیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کا کلام مرتب کرے تو کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر اس کے مجموعۂ کلام میں شامل کرے یا اس کے بعض اشعار کو دوسروں کا کلام سمجھ کر نظر انداز کر دے۔

۱۔ چنانچہ درثمین فارسی میں بھی حسب ذیل شعر سہواً شامل ہو گیا ہے، جو درحقیقت شیخ سعدیؒ کا شعر ہے:۔

کسانیکہ پوشیدہ چشم دل اند ٭ ہمانا کزیں توتیا غافل اند

یہ شعر حضرت اقدس کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" کے سرورق پر لکھا ہوا ہے۔ اور درثمین فارسی مترجم طبع دوم کے صفحہ ۲۴۶ پر درج ہے۔

۲۔ حضرت اقدس کے بعض اشعار درثمین میں شامل نہیں، حالانکہ یہ آپ کی کتب اور بعض اخبارات میں موجود ہیں۔ ان کی فہرست بطور ضمیمہ نمبر ۱ شامل ہذا کر دی گئی ہے، ان میں سے بعض کے متعلق تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مثلاً دیکھئے اس ضمیمہ کے اشعار نمبر ۱۹ تا ۲۴، نمبر ۲۸ تا ۳۰ اور نمبر ۳۴ تا ۴۶۔ یہ لازماً حضرت اقدس کے شعر ہیں۔ باقی اشعار کے متعلق بھی خاکسار کی حتمی رائے ہے کہ وہ بھی حضرت اقدس کے شعر ہی ہیں ان میں

سے بعض شعر الہامی بھی ہیں۔

۳۔ اس درِ ثمین میں کتابت کی بھی بعض غلطیاں ہیں، ایسی غلطیاں شعر کی فصاحت کو مجروح کر دیتی ہیں۔ دراصل ہمارے ہاں چھپائی کا جو طریق عام طور پر رائج ہے، یعنی لیتھو گراف، اس میں ایسی غلطیوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔

ضمیمہ نمبر ا

اشعار حضرت مسیح موعودؑ جو درثمین میں شامل ہونے چاہئیں

۱۔ چوں نیستت بیک مگسے تاب ہمسری ٭ پس چوں کنی بقادرِ مطلق برابری؟

جب تجھ میں ایک مکھی کی ہمسری کی بھی طاقت نہیں، تو پھر اس قادرِ مطلق کی برابری کس طرح کر سکتا ہے؟

۲۔ شرم آیدت زدم زنیٔ خود بکردگار ٭ رَو قدرِ خود ببیں کہ زکرمے کمتری

تجھے خدائے قدیر کے مقابلہ میں کچھ دعوٰی کرنے سے شرم آنی چاہیئے، جا اپنی حیثیت دیکھ کہ تو ایک کیڑے سے بھی کم تر ہے۔ (براہین احمدیہ حصّہ سوم صفحہ ۱۴۷)

۳۔ کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ (الہامی) ترجمہ: تیری مہربانیوں نے ہمیں گستاخ بنا دیا ہے۔

(یہ نظامی گنجوی کا مصرع ہے) (براہین احمدیہ حصّہ چہارم صفحہ ۵۵۵)

۴۔ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق (الہامی) ٭ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

وہ شخص ہرگز نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا۔ ہمارا ہمیشہ رہنا کائنات کی تختی پر کندہ کیا ہوا ہے۔

(یہ حافظؒ کا شعر ہے) (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۳۴ء)

۵۔ اے خدا نورے دہ ایں تیرہ درونانے را ٭ یا مدہ دردِ جگر ہیچ خدا دانے را

اے خدا ان دل کے اندھوں کو روشنی عطا کر یا کسی خداشناس کو (ان کی ہمدردی میں) دردِ جگر نہ دے۔

(اشتہار محکّ اخیار و اشرار مشمولہ سرمہ چشم آریہ)

۶۔ اے فخرِ رسل قرب تو معلومم شد (الہامی) دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

اے فخرِ رسل مجھے تیرے قُربِ الٰہی کا (بلند مرتبہ) معلوم ہو گیا ہے، تو اس لئے دیر

سے پہنچا ہے کہ بہت دُور سے آیا ہے۔

(یہ شعر ناصر علی سرہندی کا ہے) (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)

۷۔ ہر چہ باید نو عروسی را ہماں ساماں کنم (الہامی) ٭ و آنچہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

نئی شادی کے لئے جو کچھ چاہیئے وہ سامان مَیں مہیا کروں گا اور تجھے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ بھی عطا کروں گا۔ (شحنۂ حق صفحہ ۴۳)

۸۔ بر سر سہ صد شمار ایں کار را (الہامی) ترجمہ: اس کام کو تیسری صدی کے شروع میں سمجھو۔

(تذکرہ صفحہ ۲۰۴)

۹۔ سلطنت برطانیہ تا ہشت سال (الہامی) ٭ بعد ازاں ایام ضعف و اختلال

سلطنت برطانیہ آٹھ سال تک (مضبوط) ہے، اس کے بعد کمزوری اور افراتفری کا زمانہ۔

۱۰۔ سلطنت برطانیہ تا ہفت سال (الہامی) ٭ بعد ازاں باشد خلاف و اختلال

سلطنت برطانیہ (کی مضبوطی) سات سال تک ہے، اس کے بعد مخالفت اور افراتفری ہوگی۔

(تذکرہ صفحہ ۷۶۶)

۱۱۔ ننگ و نام و عزت دنیا ز دامان ریختیم ٭ یار آمیزد مگر با ما بخاک آمیختیم

شرم، شہرت اور عزت ہم نے سب اپنی جھولی سے پھینک دئے، ہم مٹی میں مل گئے۔ تا (اس طرح) شاید محبوب مل جائے۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۱)

۱۲۔ پشت بر قبلہ مے کنند نماز (الہامی) ٭ ترجمہ: قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر نماز پڑھتے ہیں۔

(یہ مصرع شیخ سعدی کا ہے) (تذکرہ صفحہ ۷۶۸)

۱۳۔ رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند (الہامی) ترجمہ: خوشخبری ملی کہ غم کا زمانہ نہیں رہے گا۔

(یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے) (تذکرہ صفحہ ۲۳۲)

۱۴۔ شد ترا ایں برگ و بار و شیخ و شاب (الہامی) ترجمہ: یہ پھل پھول اور بوڑھے اور جوان سب آپ کے ہو گئے۔ (تذکرہ ص۷۶۹)

۱۵۔ چوں مرا حکم از پئے قوم مسیحی دادہ اند ٭ مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند
چونکہ مجھے مسیحی قوم کے لئے مامور کیا گیا ہے، اس لئے مصلحتہً میرا نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔
(کتاب البریہ ص۲۲)

۱۶۔ چو کافر شناسا ترا از مولویست ٭ بریں مولویت بباید گریست
جب کافر مولوی سے زیادہ واقف کار ہو، تو ایسی مولویت پر رونا چاہیئے۔
(ضمیمہ انجام آتھم ص۴۹)

۱۷۔ خیز تا از در آں یار مرادے طلبیم ٭ بر در دوست نشینیم و کشادے طلبیم
اٹھو اس محبوب کے در سے اپنی مراد مانگیں، دوست کے دروازہ پر دھونی رمائیں اور کشائش طلب کریں۔ (مجموعہ اشتہارات حصّہ پنجم ص۴۵۹)

۱۸۔ قدیمان خود را بافزائے قدر (الہامی) ترجمہ: اپنے پرانوں کی قدر بڑھا۔
(یہ مصرع شیخ سعدی کا ہے) (تذکرہ ص۷۸۳)

۱۹۔ از افترا و کذب شما خون شدست دل ٭ داند خدا کہ زیں غم و یں چوں شدست دل
تمہارے بہتانوں اور جھوٹوں سے دل خون ہو گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ اس دلی غم سے دل کی کیا حالت ہو گئی ہے۔

۲۰۔ ہیچم عیاں نشد کہ شمارا بہ کینہ ام ٭ زینساں چرا دلیر و دگرگوں شدست دل
مجھے کچھ بھی تو معلوم نہ ہو سکا کہ میری دشمنی پر، تمہارا دل اتنا دلیر اور میرے خلاف کیوں ہو گیا ہے؟
(تحفہ غزنویہ ص۲۴)

۲۱۔ حریفے کہ در شنبہ میداشت جاں ٭ بیک شنبہ از وے نماند و نشاں
وہ مخالف جو ہفتہ کے دن زندہ تھا، اتوار کو اس کا کوئی نشان نہ رہا

۲۲۔ کجا ہست امروز آں لیکھرام؟ ❊ بیک شنبہ گویند ہر خاص و عام

آج وہ لیکھرام کہاں ہے، اتوار کے دن سب خاص و عام پوچھ رہے ہیں۔

۲۳۔ بدیں عمر میداشت طبع درشت ❊ نہ انسان کہ دست خدا لیش بکشت

اس عمر میں اس کی طبیعت بہت سخت تھی، اسے کسی انسان نے نہیں بلکہ خود خدا نے قتل کیا ہے۔

(تریاق القلوب ص ۱۱۲)

۲۴۔ نصرت و فتح و ظفر تا بستِ سال (الہامی) ترجمہ: مدد، فتح اور کامیابی بیس سال تک (حاصل ہو جائیگی)

(تذکرہ ص ۵۱۲)

۲۵۔ معنئ دیگر نہ پسندیم ما (الہامی) ترجمہ: ہم کوئی دوسرے معنے پسند نہیں کرتے۔

(الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۴ء)

۲۶۔ شعر جہاں عشق بروے آشکار (الہامی) ترجمہ: عالم محبت اس پر منکشف ہو گیا۔

(تذکرہ ص ۵۹۵)

۲۷۔ سرانجام جاہل جہنم بود (الہامی) ❊ کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

جاہل کا انجام جہنم ہوتا ہے، کیونکہ جاہل کا خاتمہ بالخیر کم ہی ہوتا ہے۔

(یہ شعر شیخ سعدی کا ہے) (البدر، رجون ۱۹۰۶ء)

۲۸۔ عجب دارم از لطف اے کردگار ❊ پذیر فتۂ چوں من خاکسار

اے پروردگار میں تیری مہربانیوں پر حیران ہوں، کہ تو نے میرے جیسے ناچیز کو قبول کر لیا ہے۔

۲۹۔ پسندیدگانے بجائے رسند ❊ زما کہتراں انت چہ آمد پسند

پسندیدہ لوگ تو کسی مرتبہ تک پہنچ سکتے ہیں، ہم جیسے حقیروں کی کونسی چیز تجھے پسند آگئی۔

۳۰۔ چو از قطرۂ خلق پیدا کنی ❊ ہمیں عادت اینجا ہویدا کنی

چونکہ تو ایک قطرہ سے ایک جہاں پیدا کر دیتا ہے، یہی عادت یہاں بھی ظاہر کرتا ہے۔
(تجلیات الٰہیہ صـ۲۲)

۳۱۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ (الہامی) ترجمہ: بہت سی آرزوئیں ہیں جو خاک میں مل گئیں۔
(نزول المسیح صـ۲۳۴)

۳۲۔ بمردی کہ نازیستن مرد را ❊ بہ از زندگانی بترکِ حیا
شرم سے مرجانا مرد کے لئے حیا ترک کر دینے کے بعد زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

۳۳۔ جہنم کزو داد فرقان خبر ❊ بسوزد درو کاذب بدگہر
جہنم جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، جھوٹ بولنے والا بدذات اسی میں جلے گا۔
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۱۹)

۳۴۔ بگرفتند راہِ مولیٰ را ❊ پشت پائے زدند دنیا را
انہوں نے مالکِ حقیقی کا راستہ اپنالیا، اور دنیا کو ٹھوکر مار دی۔

۳۵۔ دل نہ آرائش جہاں بردار ❊ عمر خود چوں سگانِ کُو بگذار
دنیا کی زیب و زینت سے دل ہٹالے، اور اپنی عمر کسی کی گلی کے کتّوں کی طرح گذار۔

۳۶۔ ہست دُنیا رفیق غدّارت ❊ نہ تو یار کسے نہ کس یارت
دُنیا تیری بے وفا ساتھی ہے، نہ تو کسی کا دوست ہے نہ کوئی تیرا دوست۔

۳۷۔ بجوانی کنید خدمت یار ❊ کہ بہ پیری نمی شود ایں کار
جوانی میں محبُوب کی خدمت کرو، کیونکہ بڑھاپے میں یہ کام نہیں ہوسکتا۔

۳۸۔ کوری آمد نشاں استدراج ❊ غفلت از عیب نفس و سوءِ مزاج
اندھاپن یعنی اپنے عیبوں اور بدخلقی سے لاپروائی کرنا آہستہ آہستہ ہلاک ہونے کی علامت ہے۔

۳۹۔ ترک دنیائے دوں بکلّی کُن ؛ بیخ نفس شقی برآر زبُن

دنیا کو مکمل طور پر چھوڑ دے ، اور بدبخت نفس کی جڑ نیچے سے اکھاڑ پھینک ۔

۴۰۔ عاشق زار در ہمہ گفتار ؛ سخن خود کشد بجانب یار

عاشق بیچارہ ہر بات چیت میں گفتگو کا رُخ محبوب کی طرف پھیر لیتا ہے ۔

۴۱۔ بے تو شوق گریستن دارم ؛ ایں چنیں شغلِ زیستن دارم

تیرے بغیر صرف رونے سے دلچسپی ہے، گویا میری زندگی کا مصرف یہی ہے ۔

۴۲۔ برزبان گفتگوئے زُہد و عفاف ؛ کارہا جملہ بدتر از اجلاف

زبان پر تو پرہیزگاری اور پاک باطنی کی باتیں ہیں، اور کام سب کمینے لوگوں سے بھی بدتر ۔

۴۳۔ سالک اوّل بود بخامیٔ کار ؛ گاہ غرق و گہے فتد بکنار

طالب حق شروع میں اپنے کام میں کچا ہوتا ہے، کبھی غوطے کھاتا ہے اور کبھی کنارے آلگتا ہے ۔

۴۴۔ باز نادم شود ز سُستیٔ دیں ؛ عہد بندد برائے ہر آئیں

پھر مذہب کے متعلق اپنی کوتاہی پر نادم ہوتا ہے، اور (نئے سرے سے) ہر حکم کی تعمیل کرنیکا عہد کرتا ہے ۔

(تشحیذ الاذہان جنوری ۱۹۱۰ء)

۴۵۔ سپردم بتو مایۂ خویش را (الہامی) ؛ تو دانی حساب کم و بیش را

مَیں نے اپنی پونجی (یعنی سب کچھ ہی) تیرے سپرد کر دی، یہ کم ہے یا زیادہ اسکا حساب تو ہی جانتا ہے ۔

(یہ شعر نظامی گنجوی کا ہے) (تذکرہ صفحہ ۴۹۱)

۴۶۔

ز درگاہ خدا مردے بصد اعزاز مے آید (الہامی) ؛ مُبارک باد اے مریم کہ عیسےٰ باز مے آید

بارگاہِ الٰہی سے ایک انسانِ کامل بڑی عزت و اکرام سے آرہا ہے، اے مریم تجھے مبارک ہو کہ عیسیٰؑ پھر آرہا ہے ۔

(تذکرہ صفحہ ۸۰۵)

۴۷ - بہ ہمیں مرداں ببا ید ساخت (الہامی) ترجمہ : ایسے ہی لوگوں سے بنا کر رکھنی چاہیئے۔
(ظہور الحق ص۵۱)

۴۸ - ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند (الہامی) ترجمہ : یہ کام تمہارے لائق ہے ، مرد ہی ایسے کام کرتے ہیں ۔
(تذکرہ ص۲۰۴-۲۰۵)

۴۹ - رونق دیں عقایدت بردہ ÷ دشمناں شاد و یار آزردہ
تیرے عقیدوں نے دین اسلام کی تر و تازگی مٹا دی ، دشمن خوش ہیں اور دوست ناراض ۔
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۲)

ضمیمہ نمبر ۲

دوسرے اساتذہ کے اشعار جو حضرت اقدسؑ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں نقل فرمائے

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۱	سعدی	امیدوار بود آدمی بخیر کساں ٭ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں انسان کو لوگوں سے بھلائی کی اُمید ہوتی ہے، مجھے تجھ سے بھلائی کی اُمید نہیں میرے ساتھ برائی بھی تو نہ کر۔ (براہین احمدیہ حصّہ دوم سرورق اندرونی صفحہ ج)
۲	نامعلوم	مختصر پیش تو گفتم غم دل ترسیدم ٭ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است مَیں نے تیرے آگے اپنے دل کا غم مختصر طور پر بیان کیا ہے، تاکہ تو کہیں دل آزردہ نہ ہو جائے ورنہ باتیں تو بہت ہیں (براہین احمدیہ حصّہ سوم ص ۲۶۷)
۳	حافظ	خوش بود گر محکّ تجربہ آید بمیاں ٭ تا سیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد بہتر ہو کہ تجربہ کی کسوٹی استعمال کی جائے، تا جس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اس کا مُنہ کالا ہو۔ (براہین احمدیہ حصّہ سوم ص ۲۷۳)
۴	سعدی	نہ از چینم حکایت کن نہ از روم ٭ کہ دارم دلستانے اندریں بوم تو مجھے چین اور روم کے قصّے نہ سنا، کیونکہ میرا محبوب اسی سرزمین میں بستا ہے۔
۵	″	چو روئے خوب او آید بیادم ٭ فراموشم شود موجود و معدوم جب مجھے اس کا حسین چہرہ یاد آتا ہے، تو مجھے حاضر و غائب سب بھول جاتے ہیں۔ (تقریر و خط مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

اشعار	نام شاعر	نمبر شمار
گویند سنگ لعل شود در مقام صبر ⁂ آرے شود ولیک بخون جگر شود کہتے ہیں صبر کرنے (یعنی لمبا عرصہ گذرنے) سے پتھر لعل بن جاتا ہے، ہاں بن جاتا ہے لیکن خون جگر پی کر۔	حافظ	۶
گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند ⁂ ہر قدر اے دل کہ بتوانی بکوش اگرچہ اس کا وصال کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا، پھر بھی اے دل جہاں تک تجھ سے ہو سکے کوشش کر لے۔ (الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء)	〃	۷
من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم ⁂ تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال مَیں تو صرف پیغام پہنچانے کی غرض سے تجھ سے بات کرتا ہوں، تو خواہ میری بات سے نصیحت پکڑے خواہ ناراض ہو جائے۔ (مکتوباتِ احمدیہ جلد دوم ص ۱)	سعدی	۸
اگر ہر موئے من گردد زبانے ⁂ از و رانم بہر یک داستانے اگر میرا ہر بال زبان بن جائے، تو مَیں ہر زبان سے تیری محبت کی داستان بیان کرتا رہونگا۔ (مکتوباتِ احمد حصہ اوّل ص ۲۶)	جامی	۹
من ایستادہ ام اینجا بخدمتت مشغول ⁂ مرا ازیں چہ کہ خدمت قبول یا نہ قبول مَیں تو یہاں آپکی خدمت میں مشغول کھڑا ہوں، مجھے اس سے کیا غرض کہ خدمت قبول ہو یا نہ قبول ہو۔	سعدی	۱۰
گر نباشد بدوست رہ بُردن ⁂ شرطِ عشق است در طلب مردن اگرچہ محبوب تک رسائی پانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو پھر بھی، عشق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تلاش میں جان لڑا دی جائے۔ (مکتوباتِ احمدیہ حصہ اول ص ۷)	〃	۱۱
ترسم کہ بکعبہ چوں رسی اے اعرابی ⁂ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است اے (عرب کے) بدو! مجھے خدشہ ہے کہ تو کس طرح کعبہ تک پہنچے گا، کیونکہ جس راستہ پر	〃	۱۲

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		تو چل رہا ہے وہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔
۱۳	نامعلوم	اے جفاکیش نہ عذر است طریق عشاق ؛ ہرزہ بدنام کنی چند نکونامے را اے ظالم عذر کرنا عاشقوں کا شیوہ نہیں، تو فضول چند نیک نام لوگوں (عاشقوں) کو بدنام کر رہا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص)
۱۴	مولانا روم	پائے استدلالیاں چوبیں بود ؛ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود دلائل پر بھروسہ کرنیوالوں کا پاؤں لکڑی کا ہوتا ہے، اور لکڑی کا پاؤں سخت کمزور ہوتا ہے۔
۱۵	حافظ	ترسم آں قوم کہ بردُردکشاں مے خندند ؛ در سرِ کارِ خرابات کنند ایماں را مَیں ڈرتا ہوں کہ جو لوگ تلچھٹ پینے والوں پر ہنستے ہیں، وہ کسی دن اپنا ایمان شراب وغیرہ کے کاموں پر لٹا دیں گے۔
۱۶	سعدی	دوستاں عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم ؛ باید اوّل بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی دوست مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ مَیں نے دل تجھے کیوں دیا؟ پہلے تجھ سے پوچھنا چاہیئے کہ تو اتنا خوبصورت کیوں ہے؟ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۶۲)
۱۷	"	باتو مشغول باتو ہم راہم ؛ واز تو بخشایش تو مے خواہم مَیں تجھی میں محو ہوں اور تیرا ہی ساتھی ہوں، اور تیری مہربانیوں کا متمنی ہوں۔
۱۸	"	تا مرا از تو آگہی دادند ؛ بوجودت گر از خود آگاہم جس وقت سے مجھے تیرا علم ہوا ہے، تیری ہی جان کی قسم اگر مجھے اپنے آپ کا کچھ بھی ہوش ہو۔ (مکتوبات احمدیہ حصہ اوّل ص)
۱۹	حافظ	زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست ؛ در حق ما ہر چہ گوئی ہیچ اکراہ نیست کوئی ظاہر پرست زاہد ہمارے حال سے واقف نہیں ہو سکتا، اس لئے ہمارے

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		متعلق تو جو کچھ بھی کہے بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہیں ۔(تبلیغ رسالت جلد اوّل صٓ۵۷)
۲۰	سعدی	کسانیکہ پوشیدہ چشم دل اند ÷ ہمانا کزیں توتیا غافل اند جن لوگوں نے دل کی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، وہی ہیں جو اس سرمہ کی قدر نہیں کرتے ۔ (سرورق سرمہ چشم آریہ)
۲۱	"	ہمہ خوبان عالم را بزیورہا بیارایند ÷ تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیورہا بیارائی دُنیا کے تمام حسینوں کو زیوروں سے زینت دی جاتی ہے، تو ایسا رو پہلی بدن حسین ہے کہ زیوروں کو زینت بخشتا ہے۔ (سرمہ چشم آریہ صٓ۱۳)
۲۲	"	نہ چنداں بخور کز دہانت برآید ÷ نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید تو نہ اتنا کھا کہ تیرے منہ سے نکلنے لگے ۔اور نہ اتنا کہ کمزوری سے تیری جان ہی نکل جائے ۔ (سرمہ چشم آریہ صٓ۳۳)
۲۳	"	تو کار زمیں را نکو ساختی ÷ کہ با آسماں نیز پرداختی کیا تُو نے زمینی کاموں کو درست کر لیا ہے، کہ آسمانی کاموں کی طرف بھی متوجہ ہو گیا ہے۔ (سرمہ چشم آریہ صٓ۴۵)
۲۴	نامعلوم	فلسفی را چشم حق بیں سخت نابینا بود ÷ گرچہ بیکن باشد و یا بوعلی سینا بود فلسفی کی خُدا کو پہچاننے والی آنکھ سخت اندھی ہوتی ہے، اگرچہ بیکن ہو یا بوعلی سینا ہو۔ (سرمہ چشم آریہ صٓ۴۷)
۲۵	حافظ	نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند ÷ جواناں سعادت مند پند پیر دانا را اے عزیز نصیحت پر کان دھر اکر، کیونکہ نیک کردار نوجوان بوڑھے دانا کی نصیحت کو جان سے زیادہ عزیز تر رکھتے ہیں ۔ (سرمہ چشم آریہ صٓ۵۵)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۶	سعدی	اگر صد سال گبر آتش فروزد ❊ چو یکدم اندران افتد بسوزد اگر آگ کا پجاری سو سال تک آگ جلاتا رہے، تو بھی اگر کسی وقت اچانک اس میں گر پڑے تو جلا ڈالتی ہے۔ (سرمہ چشم آریہ ص۸۶)
۲۷	نظیری	با دوستاں چہ کردی کہ کنی بدیگراں ہم ❊ حقا کہ واجب آمد زتو احتراز کردن تو نے دوستوں سے کونسا اچھا سلوک کیا ہے کہ دوسروں سے بھی کرے گا، بخدا تجھ سے بچ رہنا لازم ہے۔ (سرمہ چشم آریہ ص۱۰۰)
۲۸	سعدی	ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ❊ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار اگر تو نے کوئی بات نہیں کہی تو کسی کو تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، لیکن اگر کہی ہے تو اس کی دلیل لانی پڑے گی۔ (سرمہ چشم آریہ ص۱۱۴)
۲۹	ضرب المثل	ہر چہ دانا کند کند نادان ❊ لیک بعد از کمال رسوائی عقلمند جو کچھ کرتا ہے، بیوقوف بھی آخر وہی کرتا ہے، لیکن بہت خواری اٹھانے کے بعد۔ (سرمہ چشم آریہ ص۱۳۴)
۳۰	محمد یوسف سنوری	سرمہ چشم آریہ پُر در و پُر گوہر است ❊ بین ز سر جستجو سال ازیں ظاہر ست "سرمہ چشم آریہ" موتی جواہرات سے بھری ہوئی ہے، جستجو (کے پہلے حرف) کے ساتھ دیکھو سال تالیف نکل آئے گا۔ (آخری ورق سرمہ چشم آریہ)
۳۱	سعدی	گر نیاید بگوش رغبت کس ❊ بر رسولاں بلاغ باشد و بس اگر چہ کسی کو بھی متوجہ نہ کر سکے، پیغام لے جانے والوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے تک ہے۔ (شحنۂ حق ص۹)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۳۲	مولانا روم	عشق اوّل سرکش و خونی بود ÷ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود شروع میں عشق بہت منہ زور اور خونخوار ہوتا ہے، تا وہ شخص جو صرف تماشائی ہے بھاگ جائے۔ (سبز اشتہار ص۱۱)
۳۳	سعدی	درد لیست در دلم کہ گر از پیش آب چشم ÷ بر دارم آستیں برود تا بدامنم میرے دل میں ایسا درد ہے کہ اگر میں آنسوؤں کے آگے سے آستین ہٹاؤں تو وہ میرے دامن تک چلے جائیں گے۔ (فتح اسلام ص۶۶)
۳۴	"	چشم بداندیش کہ برکندہ باش ÷ عیب نماید ہنرش در نظر بدخواہ کی آنکھ کہ خدا کرے پھوٹ جائے، اسے ہنر بھی عیب دکھائی دیتا ہے۔ (توضیح مرام ص۴۵)
۳۵	نامعلوم	چشم شہبازِ کاردانانِ شکار ÷ از بہر کشادن ست گر دوختہ اند تجربہ کار شکاریوں کے باز کی آنکھ ہے تو کھلنے کے لئے ہی، اگرچہ اس وقت انہوں نے سی رکھی ہے۔ (توضیح مرام ص۵۴)
۳۶	مولانا روم	چوں بدندان تو کرمے او فتاد ÷ آں نہ دندانی بکن اے اوستاد جب تیرے دانتوں میں کیڑا لگ جائے تو وہ تیرے دانت نہیں رہے۔ حضرت انہیں اکھاڑ پھینکئے۔ (نسیم دعوت ص۵۸)
۳۷	سعدی	چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ ÷ قطع رحم بہ از مودّتِ قربیٰ جب اپنوں میں دیانت اور پرہیزگاری نہ رہے، تو محبت اور یگانگت کی بجائے تعلقات توڑ لینا بہتر ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد دوم ص۱۱)

اشعار	نام شاعر	نمبر شمار
باران در لطافت طبعش خلاف نیست ؛ در باغ لالہ روید در شورہ بوم خس بارش جس کی پاکیزہ فطرت میں کوئی ناموافقت نہیں، وہ باغ میں تو پھول اگاتی ہے اور شورہ زمین میں گھاس پھونس ۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل صفحہ ۱۰۴)	سعدی	۳۸
تامل کناں در خطا و صواب ؛ بہ از ژاژ خایانِ حاضر جواب خطا و صواب میں سوچ سے کام لینے والے ، بیہودہ گو حاضر جواب سے اچھے ہیں ۔ (ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۲۹۴)	؍؍	۳۹
عیب رنداں مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت ؛ تو چہ دانی کہ پسِ پردہ چہ خوب است و چہ زشت اے پاک طبیعت زاہد رندوں پر اعتراض مت کر ، تجھے کیا پتہ کہ پردہ کے پیچھے کوئی چیز خوبصورت ہے یا بدصورت ۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل صفحہ ۳۹۱)	حافظ	۴۰
چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است ؛ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست جب تو دل والوں کی کوئی بات سنے تو مت کہہ اٹھ کہ غلط ہے ، اے عزیز! تو بات نہیں سمجھ سکتا غلطی تو یہی ہے ۔ (ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۴۲۱)	؍؍	۴۱
ہر کاریکہ ہمت بستہ گردد ؛ اگر خارے بود گلدستہ گردد جس کام کے لئے کمر ہمت کس لی جائے ، اگر (اس میں) کانٹے بھی ہوں تو وہ گلدستہ بن جائیں گے ۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۵۰۶)	ضرب المثل	۴۲
چہ عقل است صد سال اندوختن ؛ پس آں گاہ در یک دمے سوختن یہ کیسی عقل ہے کہ سو سال تک جمع کرتے رہنا ، اس کے بعد ایک پل میں جلا ڈالنا (الحق لدھیانہ صفحہ ۱۱۴)	نامعلوم	۴۳
گندم از گندم بروید جو ز جو ؛ از مکافات عمل غافل مشو گندم سے گندم ہی اگتی ہے اور جو سے جو ، تو اپنے عمل کی پاداش سے غافل نہ ہو ۔	مولانا روم	۴۴

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۴۵	نامعلوم	باڈُرد کشاں ہر کہ در افتاد درافتاد ترجمہ: دُرد کشوں سے جو بھی الجھا ہار گیا۔ (آسمانی فیصلہ صـ۱۲)
۴۶	؍؍	انبیاء درا ولیا جلوہ دہند ؛ ہر زماں آیند در رنگے دگر نبی اولیاء کی شکل میں جھلک دکھاتے ہیں، ہر زمانہ میں ایک نئے روپ میں آتے ہیں۔ (نشان آسمانی صـ۷)
۴۷	سعدی	بیدار شو گر عاقلی، دریاب گر اہلِ دل ؛ شاید کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را اگر تو عقل والا ہے تو جاگ اُٹھ، اگر ہمت والا ہے تو اپنا مقصد حاصل کر لے۔ شاید پھر ایسے دن نہ مل سکیں۔ (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم صـ۲۱۵)
۴۸	؍؍	دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست ؛ در پریشان حالی و درماندگی دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کا ہاتھ تھامے، پریشانی اور لاچاری کی حالت میں۔ (تبلیغ رسالت جلد دوم صـ۱۱۶)
۴۹	نامعلوم	موسیٰؑ و عیسیٰؑ ہمہ خیل تواند ؛ جملہ دریں راہ طفیل تواند موسیٰؑ اور عیسیٰؑ آپؐ کی جماعت کے ہی افراد ہیں، سب اس راہ میں آپؐ کے طفیلی ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام صـ۱۶۴)
۵۰	حافظ	آسماں بار امانت نتواست کشید ؛ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند فرشتے اس امانت کا بوجھ نہ اُٹھا سکے، آخر قرعۂ فال مجھ دیوانہ کے نام ہی نکلا۔ (آئینہ کمالات اسلام صـ۱۹۳)
۵۱	مولانا روم	گر باستدلال کارِ دیں بدے ؛ فخر رازی رازدارِ دیں بدے اگر دین کا مدار دلیلیں پیش کرنے پر ہوتا، تو فخر الدین رازی دین کے رازدان

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		ہوتے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۲۹)
۵۲	مولانا روم	تا دل مرد خدا نا ید بدرد ٭ ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد جب تک کسی اللہ والے کا دل نہیں کڑھتا، خدا کسی قوم کو ذلیل نہیں کرتا۔ (آئینہ کمالات اسلام۔آخری صفحات)
۵۳	نامعلوم	برکاروبار ہستی اثرے ست عارفان را ٭ زجہاں چہ دید آنکس کہ ندید ایں جہان را اس دُنیا کے کاروبار پر خدا رسیدہ لوگوں کا اثر ہے، جس نے یہ کیفیت نہیں دیکھی اس نے اس دُنیا سے کیا دیکھا؟ (برکات الدعا ص۲۷)
۵۴	ہلالی	محمدؐ عربی کا بروئے ہر دو سرا ست ٭ کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او محمدؐ عربی جو دونوں جہانوں کی عزّت ہے، جو شخص اُس کے در کی خاک نہیں بنا اُس کے سر پر خاک۔ (انوار الاسلام ص۱)
۵۵	سعدی	من نہ آنستم کہ روز جنگ بینی پشت من ٭ آں منم کاندر میاں خاک و خوں بینی سرے مَیں ایسا شخص نہیں ہُوں کہ لڑائی کے وقت تو میری پیٹھ دیکھے، مَیں وہ ہوں کہ تجھے خاک اور خون میں پڑا ایک سر دکھائی دے گا۔
۵۶	؍؍	اکنوں ہزار عذر بیاری گناہ را ٭ مرشوئے کردہ را نبود زیب دختری اب تو اپنی غلطی پر ہزاروں عذر پیش کرے، لیکن شادی شدہ عورت کے لئے کنوارپن کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ (انوار الاسلام ص۲۲)
۵۷	نامعلوم	ہر دم براہ جاناں سوزیست عاشقاں را ٭ زجہاں چہ دید آنکس کہ ندید ایں جہان را عاشق ہر وقت اپنے محبوب کے لئے تڑپتے رہتے ہیں، جسے یہ کیفیت حاصل نہ ہوئی اس نے اس دُنیا سے کیا دیکھا۔ (انوار الاسلام ص۸۴)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۵۸	سعدی	گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ÷ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟ اگر چمگادڑ جیسی آنکھوں والے دن کے وقت نہ دیکھ سکیں، تو روشنی کے سرچشمہ سورج کا کیا قصور؟ (ضیاء الحق صفحہ ۶۲)
۵۹	″	مبادا دل آں فرومایہ شاد ÷ کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد خدا کرے اس کمینے کا دل کبھی خوش نہ ہو، جس نے دُنیا کی خاطر دین کو برباد کر لیا۔ (اشتہار ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء مشمولہ آریہ دھرم صفحہ ۶۸)
۶۰	نامعلوم	ہفتصد و ہفتاد قالب دیدہ ام ÷ بارہا چون سبزہ ہا روئیدہ ام میں سات سو ستر یعنی بیشمار سانچوں سے گذرا ہوں اور بار بار نباتات اور ہریاول کی شکل میں اُگا ہوں۔ (ست بچن صفحہ ۶۲)
۶۱	سعدی	حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است ÷ رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت بخدا دوزخ کے عذاب کے برابر ہے، ہمسایہ کے بل بوتے پر بہشت میں جانا۔ (مجموعہ اشتہارات صفحہ ۵۸۳)
۶۲	″	محال است سعدی کہ راہ صفا ÷ تواں یافت جز در پئے مصطفےٰ اے سعدی صفائی کے راستہ کو پانا، محمد مصطفےٰ کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں۔
۶۳	حافظ	درکوئے نیکنامی مارا گذر ندادند ÷ گر تو نمے پسندی تغیّر کن قضا را نیک نامی کے راستہ تک ہمیں رسائی نہیں ملی، اگر تجھے پسند نہیں تو حکم قضا کو بدل لے (اگر تجھ سے ہو سکے)۔ (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم صفحہ ۲۲۵-۲۳۱)
۶۴	نامعلوم	نداریم اے یار بانسیہ کار ÷ اگر قدرت ہست نقدے بیار اے دوست ہمیں اُدھار سے کچھ غرض نہیں۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو نقد حاضر کر (استفتاء صفحہ ۲۷)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۶۵	مولانا روم	بر کریماں کارہا دشوار نیست ترجمہ: جوانمردوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہوتے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء - پہلی تقریر)
۶۶	سعدی	کہ حلوہ چو یکبار خوردند وبس - ترجمہ: حلوہ جو ایک بار کھالیا کافی ہے۔
۶۷	جامی	گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی - ترجمہ: اگر تو لوگوں کے مرتبہ کا دھیان نہیں رکھتا تو تُو بے دین ہے۔
۶۸	ضرب المثل	سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم در دل ترجمہ: بات جو (کسی) دل سے نکلتی ہے وہ (دوسروں کے) دل میں بیٹھ جاتی ہے۔
۶۹	سعدی	لطف کن لطف اگر بیگانہ شود حلقہ بگوش ترجمہ: مہربانی کر مہربانی اتنا بے گانہ بھی غلام بن جائے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء دوسری تقریر)
۷۰	ضرب المثل	خشت اوّل چوں نہد معمار کج ؛ تا ثریا مے رود دیوار کج جب معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھے، تو وہ دیوار آسمان تک ٹیڑھی ہی اُٹھے گی۔
۷۱	نامعلوم	کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم ترجمہ: کوئی سُنے یا نہ سُنے مَیں گفتگو کرتا رہوں گا۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء تیسری تقریر)
۷۲	؍؍	مرداں خدا خدا نہ باشند ؛ لیکن ز خدا جدا نباشند خدا کے بندے خدا تو نہیں ہوتے ، لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء تیسری تقریر)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۷۳	سعدی	خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ⁂ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است کھانا زندہ رہنے اور عبادت کرنے کی خاطر ہے، تو سمجھتا ہے کہ زندگی محض کھانے پینے کے لئے ہے۔ (تقریر وخط مطبوعہ ۱۹۰۳ء)
۷۴	مولانا روم	من بہر جمعیتے نالاں شدم ⁂ جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم (بنسری کہتی ہے) میں نے ہر مجلس میں اپنا رونا رو دیا، اور برے بھلے ہر قسم کے لوگوں کی صحبت میں رہی۔
۷۵	″	ہر کسے از ظن خود شد یار من ⁂ از درون من نجست اسرار من ہر شخص اپنے ظن کی بنا پر ہی میرا دوست بنا، لیکن کسی نے میرے دل کے بھیدوں کے جاننے کی کوشش نہ کی (کتاب البریہ صفحہ ۱۵۴-۱۵۵)
۷۶	سعدی	سخن چیں بدبخت ہیزم کش است ⁂ ترجمہ: بدبخت چغلخور صرف ایندھن ڈھوتا ہے۔ (الحکم ۶ رمارچ ۱۸۹۸ء)
۷۷	مولانا روم	مرد آخر بین مبارک بندہ ایست ⁂ ترجمہ: انجام پر نظر رکھنے والا شخص خوش قسمت ہوتا ہے۔ (الحکم ۱۳ رمارچ ۱۸۹۸ء)
۷۸	نامعلوم	ہر کجا شمع ہدایت یافتی پروانہ باش ⁂ گر خردمندی پئے راہِ ہدیٰ دیوانہ باش جہاں کہیں ہدایت کی روشنی ملے تو پروانہ بن جا، اگر تو عقلمند ہے ہدایت کی راہ کے لئے دیوانہ ہو جا۔ (الحکم ۸ ستمبر ۱۸۹۸ء)
۷۹	سعدی	بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ⁂ و لیکن میفزائے بر مصطفیٰؐ ترک دنیا، پرہیزگاری اور صدق و صفا کے لئے ضرور کوشش کر، مگر مصطفیٰؐ (کے بتائے ہوئے طریقوں) سے تجاوز نہ کر۔ (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء)

نمبر شعار	نام شاعر	اشعار
۸۰	مولانا روم	ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ❊ زیر آں گنج کرم بنہادہ است ہر آزمائش جو خدا نے اس قوم کے لئے مقدر کی ہے، اس کے نیچے رحمتوں کا خزانہ چھپا رکھا ہے۔ (اشتہار ۳۰ ستمبر ۱۸۹۸ء مشمولہ راز حقیقت)
۸۱	"	او چو کل و تو چو جزئی نے کلی ❊ تو ہلاک استی گر از وے بگسلی وہ (امام الزمان) کل کی طرح ہے اور تو جزو کی مانند ہے کل نہیں، اگر تو اس سے تعلق توڑ لے تو سمجھ کہ ہلاک ہو گیا۔ (ضرورت الامام ص۱)
۸۲	"	آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ❊ فانی است و دست او دست خداست اس بزرگ کی دعا کسی اور دعا کی طرح نہیں ہوتی، وہ فانی فی اللہ ہے اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ (ضرورت الامام ص۱۲)
۸۳	نامعلوم	پندے ست گوش کن کہ رہی از عذاب و درد ❊ فرخندہ کس کہ پندے خردمند گوش کرد یہ ایک نصیحت ہے غور سے سن تا تو دکھ اور درد سے نجات پائے، مبارک ہے وہ شخص جو کسی عقلمند کی نصیحت پر کان دھرے۔ (ایام الصلح ص۱)
۸۴	"	عزیزان بے خلوص و صدق نکشایند راہے را ❊ مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا اے عزیزو! صدق اور راستی کے بغیر راستہ نہیں کھلتا، مصفا قطرہ چاہیئے تا موتی بن جائے۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۸۲۵) و (درثمین ص۱۶۹)
۸۵	"	گر جان طلبد مضایقہ نیست ❊ زر می طلبد سخن دریں ست اگر محبوب جان مانگے تو کچھ پرواہ نہیں، مشکل یہ ہے کہ وہ مال مانگتا ہے۔ (مجموعہ اشتہارات حصہ پنجم ص۴۵۹)
۸۶	سعدی	مرد باید کہ گیرد اندر گوش ❊ گر نوشت ست پند بر دیوار

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		آدمی کو چاہیئے کہ کان میں ڈال لے، اگرچہ وہ نصیحت دیوار پر ہی کیوں نہ لکھی ہو۔ (الحکم ۹ر اگست ۱۹۰۰ء)
۸۷	سعدی	گاہ باشد کہ کودک نادان ؏ بغلط بر ہدف زند تیرے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی نادان لڑکا بھی اتفاق سے کوئی تیر نشانے پر لگا لیتا ہے۔ (الحکم ۱۷ر اپریل ۱۹۰۵ء)
۸۸	”	جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ؏ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم میرے ساتھی کا حسن مجھ میں سرایت کر گیا ہے، ورنہ مَیں وہی مٹی کی مٹی ہوں۔ (الحکم ۲۴ر مئی ۱۹۰۵ء)
۸۹	”	مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست ؏ کہ زندگانیٔ ما نیز جاودانی نیست میرے لئے دشمن کی موت خوشی کی بات نہیں، کیونکہ ہماری زندگی بھی تو ہمیشہ کے لئے نہیں۔ (الحکم ۱۰ر اپریل ۱۹۰۵ء)
۹۰	نظامی	کہ زر زر کشد در جہان گنج گنج ؏ ترجمہ: دنیا میں سونا سونے کو اور خزانہ خزانہ کو کھینچتا ہے۔ (الحکم ۱۷ر اپریل ۱۹۰۵ء)
۹۱	سعدی	کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست ؏ ترجمہ: مَیں نے کسی شخص کو سیدھے راستہ پر چلتے ہُوئے گم ہوتا نہیں دیکھا۔ (الحکم ۲۴ر اپریل ۱۹۰۵ء)
۹۲	حافظ	بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؏ ترجمہ: دیکھو راستہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے؟ (الحکم ۶ر جنوری ۱۹۰۰ء)
۹۳	”	پیداست ندا را کہ بلند ست جنابت ؏ ترجمہ: آواز سے ظاہر ہے کہ تیری بارگاہ بہت بلند ہے۔ (الحکم ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۹۴	حافظ	فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید ؛ ہمہ آں کارکنیم آنچہ مسیحا مے کرد اگر روح القدس کا فیض مدد کرے ، تو سبھی وہ کام ہم کریں جو مسیحا کیا کرتا تھا . (اربعین نمبر ۲، ص ۱۲)
۹۵	"	اگر دست سلیمانی نباشد ؛ چہ خاصیت دہد نقش سلیمان اگر ساتھ حضرت سلیمانؑ کا ہاتھ نہ ہو تو خالی نقش سلیمانی (والی انگوٹھی) کیا تاثیر دکھا سکتی ہے؟ (الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء)
۹۶	سعدی	بروز ہمایوں و سال سعید ؛ بتاریخ فرخ میان دو عید ایک مبارک زمانہ اور ایک مبارک سال میں دو عیدوں کے درمیان ایک مبارک تاریخ کو . (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)
۹۷	ضرب المثل	خدا داری چہ غم داری ترجمہ: جب خدا تیرا ہے تو تجھے کیا غم ہو سکتا ہے؟ (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)
۹۸	نامعلوم	خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی ترجمہ: مٹی بننے سے پہلے مٹی ہو جا! (الحکم ۱۵ مارچ ۱۹۰۱ء)
۹۹	"	ہر چہ داری خرچ کن در راہ او ترجمہ: جو کچھ تیرے پاس ہے اسکی راہ میں خرچ کر دے . (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۱ء)
۱۰۰	سعدی	طلبگار باید صبور و حمول ؛ کہ نشنیدہ ام کیمیاگر ملول (کسی چیز کے) طلبگار کو صابر اور متحمل مزاج ہونا چاہیئے ، میں نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی کیمیاگر اکتا گیا ہو . (الحکم ۲۴ مارچ ۱۹۰۱ء)

نمبرشمار	نام شاعر	اشعار
۱۰۱	عمر خیام	گویند بحشر جستجو خواہد بود ﷼ وآں یار عزیز تند خو خواہد بود کہتے ہیں قیامت کے دن تفتیش ہوگی اور اس دن وہ پیارا محبوب تند خو ہوگا۔
۱۰۲	"	از خیر محض شرے نیاید ہرگز ﷼ خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود خالص بھلائی والی ہستی سے بُرا سلوک ہرگز ممکن نہیں مطمئن ہو کہ انجام بخیر ہوگا۔ (الحکم ۲۴ر مئی ۱۹۰۱ء)
۱۰۳	سعدی	مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار ﷼ مباش ایمن از بازی روزگار بے ثبات زندگی پر بھروسہ نہ رکھو زمانہ کی چالوں سے بے فکر مت رہو۔
۱۰۴	"	کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم ﷼ ترجمہ: کیونکہ دلوں کا گند سالوں تک معلوم نہیں ہوا کرتا۔
۱۰۵	ضرب المثل	ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ﷼ ایں خیال است و محال است و جنوں تو خدا کا طالب بھی بنتا ہے اور حقیر دنیا کا بھی، یہ محض وہم ہے، ناممکن ہے، دیوانگی ہے۔ (الحکم ۳۱ر جولائی ۱۹۰۱ء)
۱۰۶	سعدی	یکے پُرسید زاں گم گشتہ فرزند ﷼ کہ اے روشن گہر پیر خردمند کسی نے اس (یعقوب) سے جس کا بیٹا گم ہوگیا تھا پوچھا، کہ اے روشن ضمیر دانا بزرگ
۱۰۷	"	ز مصرش بُوئے پیراہن شمیدی ﷼ چرا در چاہ کنعانش ندیدی تُو نے ملک مصر سے تو کُرتے کی بُو سونگھ لی، لیکن یہیں کنعان کے کنوئیں میں اسے کیوں نہ دیکھا۔
۱۰۸	"	بگفت احوال ما برق جہاں است ﷼ دمے پیدا و دیگر دم نہاں است اس نے کہا کہ ہمارا حال بجلی کی طرح ہے، ایک لمحہ دکھائی دیتی ہے اور دوسرے لمحہ غائب ہو جاتی ہے۔
۱۰۹	"	گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ﷼ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم کبھی تو مَیں ایک بلند مقام پر بیٹھا ہوتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر بھی

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		نہیں دیکھ سکتا۔ (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء)
۱۱۰	سعدی	اگر درویش بریک حال ماندے ؛ سردست از دو عالم برفشاندے اگر کسی درویش کی حالت ہمیشہ ایک جیسی رہے، تو وہ دونوں جہانوں سے ہاتھ جھاڑ اُٹھے۔ (الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)
۱۱۱	امیر خسرو	من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ؛ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری مَیں تو بن گیا تُو مَیں بن گیا مَیں تن بنا تُو جان بن گیا۔ تا بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مَیں کوئی اور ہوں اور تُو کوئی اور ہے۔ (الحکم ۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء)
۱۱۲	نامعلوم	صیقل زدم آنقدر کہ آئینہ نماند۔ ترجمہ: مَیں نے شیشہ کو چمکانے کے لئے اتنا رگڑا کہ شیشہ ہی نہ رہا۔
۱۱۳	سعدی	کہ پیش از پدر مردہ بہ ناخلف۔ ترجمہ: ناخلف بیٹے کا باپ سے پہلے مرجانا ہی بہتر ہے۔ (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء)
۱۱۴	″	او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ ترجمہ: وہ تو خود ہی گمراہ ہے کسی کی کیا رہبری کریگا۔
۱۱۵	مولانا روم	نام احمد نام جملہ انبیاست ؛ چون بیامد صد نو دہم پیش ماست احمد کا نام سب نبیوں کے نام کا مجموعہ ہے، جب سَو کا ہندسہ آگیا تو نوے بھی ہمارے سامنے ہے۔
۱۱۶	حافظ	چہ خوش ترانہ زد آں مطرب مقام شناس ؛ کہ درمیان غزل قول آشنا آورد اس موقع شناس گویّے نے کتنا اچھا راگ گایا، کہ غزل کے اندر محبوب کی بات بھی لے آیا۔ (الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۲ء)
۱۱۷	نامعلوم	ہان مشو مغرور بر حلم خدا ؛ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا خبردار خدا کی بردباری پر مت اترانا ، وہ پکڑتا تو دیر سے ہے مگر سخت پکڑتا ہے۔ (الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۲ء)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۱۱۸	ابوسعید	ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست ۔ ترجمہ : ہماری یہ بارگاہ مایوسی کی جگہ نہیں ۔
۱۱۹	مولانا روم	اے کہ خواندی حکمت یونانیاں ؛ حکمت ایمانیاں را ہم بخواں اے شخص جس نے یونانیوں کی حکمت پڑھی ہے ، ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھ ۔ (الحکم ۱۰ر جولائی ۱۹۰۲ء)
۱۲۰	سعدی	بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم ؛ ترجمہ : وہ مہربان اچھوں کے ساتھ بروں کو بھی بخش دیتا ہے ۔ (الحکم ۱۷ر اگست ۱۹۰۲ء)
۱۲۱	حافظ	خیال روئے تو بستن نہ کار خاماں است ؛ کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاریست تیرے چہرہ کا تصوّر جمانا کچے آدمیوں کا کام نہیں ، کیونکہ تیری زلفوں کے سایہ میں آنا چالاکی کا طریقہ ہے ۔ (الحکم ۲۴ر اگست ۱۹۰۲ء)
۱۲۲	سعدی	ندارد بصد نکتۂ نغز گوش ؛ چو زحرفے بہ بیند برآرد خروش سینکڑوں عمدہ نکات پر تو کان نہیں دھرتا ، لیکن کوئی خطا دیکھے تو شور مچانے لگ جاتا ہے ۔ (تحفہ گولڑویہ، صفحہ ۴۰)
۱۲۳	”	ترا کشتی آورد و ما را خدا ۔ ترجمہ : تجھے کشتی لے آئی اور ہمیں خدا (لے آیا) ۔ (الحکم ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۲ء)
۱۲۴	حافظ	مرید پیر مغانم ز من مرنج اے شیخ ؛ چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد اے شیخ مَیں تو پیر مغاں کا مرید ہوں مجھ سے مت ناراض ہو ، کیونکہ تُو نے صرف وعدہ کیا تھا اس نے پُورا کر دیا ۔ (کشتی نوح، صفحہ ۴۱)
۱۲۵	”	سخن اینست کہ ما بے تو نخواہیم حیات ؛ بشنو اے پیک سخن گیر و سخن باز رساں پیغام یہ ہے کہ ہم تیرے بغیر زندگی کے خواہشمند نہیں ، اے قاصد سُن! پیغام سمجھ لے اور پھر اسے اسی طرح پہنچانا ۔

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۱۲۶	نامعلوم	عشقا برآ تو مغز گُردان خورده ی ٭ باشیر دلاں رستمی ہا کردی اے عشق سامنے آ تو جو پہلوانوں کے مغز کھا گیا ہے اور شیروں جیسے دل والوں سے رستم جیسی بہادریاں دکھائی ہیں۔
۱۲۷	”	اکنوں کہ بما روئے نبرد آوردی ٭ ہر حیلہ کہ داری نکنی نامردی اب جو تُو نے ہمارے مقابلہ کی ٹھانی ہے، تو اگر اپنے تمام داؤ پیچ عمل میں نہ لائے تو نامرد کہلائیگا۔
۱۲۸	”	حدیث آتش دوزخ کہ گفت واعظ شیخ ٭ حکایتے ست کہ از روزگار ہجراں است بزرگ واعظ نے دوزخ کی آگ کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، وہ جدائی کے زمانہ کی ہی داستان ہے۔ (الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء)
۱۲۹	نظامی	مرا خواندی و خود بدام آمدی ٭ نظر پختہ ترکن کہ خام آمدی تُو نے مجھے مقابلہ کے لئے للکارا اور آپ ہی جال میں پھنس گیا، اپنی سوچ کو زیادہ پختہ کر کیونکہ تو ابھی کچا ہے۔ (تحفۂ غزنویہ صفحہ ۳۵)
۱۳۰	سعدی	پدر چون دور عمرش منقضی گشت ٭ مرا ایں یک نصیحت داد و بگزشت میرے باپ کی زندگی کا عرصہ جب ختم ہو گیا، تو اُس نے مجھے یہ ایک نصیحت کی اور چل بسا۔ (تحفۂ غزنویہ صفحہ ۳۹-۴۰)
۱۳۱	ضرب المثل	بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ٭ کسے را باکسے کارے نباشد بہشت ایسی جگہ ہے جہاں کوئی دکھ نہ ہو، کسی کو کسی سے کچھ کام نہ ہو۔
۱۳۲	سعدی	کس نیاید بخانۂ درویش ٭ کہ خراج بوم و باغ بدہ فقیر کے گھر کوئی نہیں آتا کہ، زمین اور باغ کا خراج ادا کرو۔
۱۳۳	”	من آنگہ سر تاجور داشتم ٭ کہ بر فرق ظلّ پدر داشتم

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		اس وقت میرے سر پر گویا تاج تھا، جب میرے سر پر باپ کا سایہ تھا۔
۱۳۴	سعدی	اگر بر وجودم نشستے مگس ٭ پریشان شدے خاطر چند کس اگر میرے جسم پر کوئی مکھی بھی بیٹھ جاتی، تو بہتوں کے دل پریشان ہو جاتے۔ (الحکم ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)
۱۳۵	حافظ	چو کار عمر نہ پیداست بارے ایں اولیٰ ٭ کہ روز واقعہ پیش نگار خود باشیم جب عمر کا معاملہ پوشیدہ ہے، تو بہتر ہے کہ ہم موت کے آنے کے دن محبوب کے سامنے ہوں۔ (الحکم ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)
۱۳۶	امیر خسرو	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ ترجمہ: وہ تمام خوبیاں جو حسینوں میں پائی جاتی ہیں وہ سب تیری ذات میں جمع ہیں۔ (الحکم ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء)
۱۳۷	نامعلوم	ببیں دانش شان کہ ایں خوش بنا ٭ پس از وے چنیں ناز و کبر و ادا ان کی سمجھ دیکھو کہ اتنی اچھی عمارت (شکل) کے باوجود ایسا تکبر اور ناز و ادا۔ (الحکم ۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)
۱۳۸	نامعلوم	عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ ترجمہ: خدا چاہے تو دشمن بھی بھلائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ (الحکم ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء)
۱۳۹	نظامی	نشاط نوجوانی تا بہ سی سال ٭ چو چہل آمد فرو ریزد پر و بال نوجوانی کی فرصت تیس سال تک ہوتی ہے، جب چالیس سال ہوئے سب بال و پر جھڑ جاتے ہیں۔
۱۴۰	امیر خسرو	موئے سپید از اجل آرد پیام۔ ترجمہ: سفید بال مرگ کا پیغام لاتے ہیں۔ (البدر ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۱۴۱	مولانا روم	یار غالب شو کہ تا غالب شوی ۔ ترجمہ : تو زبردست کا ساتھی بن تا تو بھی غالب بن جائے ۔ (البدر ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)
۱۴۲	جامی	اگر دنیا بیک دستور ماندے ⁂ بسا اسرار ہا مستور ماندے اگر دنیا ایک ہی ڈھب پر رہتی ، تو کئی اسرار چھپے ہی رہتے (الحکم ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)
۱۴۳	سعدی	ایں سعادت بزور بازو نیست ⁂ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ یہ سعادت اپنے زور بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک وہ بخشنے والا خدا خود عطا نہ کرے ۔ (البدر ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء)
۱۴۴	〃	دوستاں را کجا کنی محروم ⁂ تو کہ با دشمناں نظر داری تو دوستوں کو کہاں محروم رکھے گا ، تو جو دشمنوں کا بھی دھیان رکھتا ہے ۔ (الحکم ۱۱ فروری ۱۹۰۳ء)
۱۴۵	نامعلوم	حضرت انساں کہ حد مشترک است ⁂ میتواند شد مسیحا میتواند شد خرے انسان جو حد مشترک ہے ، وہ مسیحا بھی بن سکتا ہے اور گدھا بھی ۔ (البدر ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء)
۱۴۶	سعدی	چہ خوش گفت[1] درویش کوتاہ دست ⁂ کہ شب توبہ کرد و سحر گہ شکست کسی بے حوصلہ فقیر نے جو رات کو توبہ کرتا تھا اور دن کو توڑ دیتا تھا، کیا اچھی بات کہی ہے ۔

[1] : وہ اچھی بات یہ ہے: ؎ "گر او توبہ بخشد بماند درست ⁂ کہ پیماں ما بے ثباتست و سست"
اگر خدا توبہ بخشے تو وہ قائم رہتی ہے ، کیونکہ ہمارا عہد تو ناپائیدار اور کمزور ہوتا ہے۔

(بوستان سعدی باب ۱۰)

نمبرشمار	نام شاعر	اشعار
۱۴۷	نامعلوم	خارقے کز ولی مسموع است ❊ معجزہ آں نبی متبوع است وہ معجزہ جو کسی ولی کے متعلق سُنا جائے ، وہ معجزہ اس نبی کا ہے جس کا وہ ولی پیروکار ہے۔ (الحکم ۲۸ر فروری ۱۹۰۲ء)
۱۴۸	سعدی	بتک را یکے بوسہ دادم بدست ❊ کہ لعنت برو بارد و بُت پرست مَیں نے اس ذلیل بت کے ہاتھ چومے ، خدا کرے کہ اس بت پر بھی اور بت پرست پر بھی خدا کی لعنت برسے ۔ (نسیم دعوت: صا۴)
۱۴۹	نامعلوم	حمد را با تو نسبتے است درست ❊ بر در ہر کہ رفت بردرتست ہر قسم کی تعریف کو تیرے ساتھ پختہ تعلق ہے ، کوئی کسی کے دروازہ پر بھی جائے تیرے ہی دروازہ پر ہے ۔ (نسیم دعوت: صہ۸۸)
۱۵۰	سعدی	دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست ۔ ترجمہ : اس نے فضول خیال جمایا اور جھوٹی توقع رکھی ۔ (الحکم ۱۰ر مارچ ۱۹۰۳ء)
۱۵۱	نامعلوم	کار دنیا کسے تمام نہ کرد ❊ ہر چہ گیرد مختصر گیرد دنیا کے کام کسی نے پورے نہیں کئے ، جو کچھ لیتا ہے تھوڑا لیتا ہے ۔
۱۵۲	مولانا روم	من ذرہ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم ❊ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم مَیں آفتاب کا ٹکڑہ ہُوں آفتاب کی ہی باتیں کرتا ہوں ، مَیں نہ رات ہوں نہ رات کا پجاری کہ خواب کی باتیں کروں ۔ (البدر ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)
۱۵۳	عبد اللہ انصاری	آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند ❊ فرزند و عیال و خانماں را چہ کند جو شخص تجھے پہچان لے وہ اپنی جان کو کیا کرے ، اولاد ، اہل و عیال اور خاندان کو کیا کرے ؟

اشعار	نام شاعر	نمبر شمار
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ؛ دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند تو اپنا دیوانہ بنانے کے بعد دونوں جہان بخش دیتا ہے ۔ تیرا دیوانہ دونوں جہانوں کو کیا کرے ؟ (الحکم ۱۷ر مارچ ۱۹۰۳ء)	عبداللہ انصاری	۱۵۴
ز بہر نہادن چہ سنگ وچہ زر ۔ ترجمہ: رکھ چھوڑنے کے لئے پتھر کیا اور سونا کیا ۔ (البدر ۲۷ر مارچ ۱۹۰۳ء)	سعدی	۱۵۵
بدنام کنندۂ نکونامے چند ۔ ترجمہ: چند نیک نام اشخاص کو بدنام کرنے والا ۔	عمر خیام	۱۵۶
شب تنور گذشت و شب سمور گذشت ۔ ترجمہ: تنور (پہ سونے) والی رات بھی گذر گئی اور سمور (پہن کر سونے) والی رات بھی گذر گئی ۔ (الحکم ۳۱ر مارچ ۱۹۰۳ء)	ضرب المثل	۱۵۷
کلیدِ در دوزخ است آں نماز ؛ کہ در چشم مردم گذاری دراز وہ نماز دوزخ کے دروازہ کی چابی ہے ، جو تو لوگوں کو دکھانے کے لئے دراز کرتا ہے ۔ (الحکم ۱۷ر اپریل ۱۹۰۳ء)	سعدی	۱۵۸
واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند ؛ چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند وہ واعظ جو محراب و منبر پر دکھائی دیتے ہیں ، جب خلوت میں جاتے ہیں تو اُس کے الٹ کام کرتے ہیں ۔	حافظ	۱۵۹
آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد ۔ ترجمہ: جسے (ذات الٰہی کا) پتا چل گیا ، پھر اس کا اپنا پتا نہیں ملتا ۔	سعدی	۱۶۰
منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ؛ ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت کوئی امیر پہاڑ جنگل اور بیابان میں اجنبی نہیں ہوتا ، جہاں جاتا ہے خیمہ لگا کر اپنا دربار سجا لیتا ہے ۔	؍؍	۱۶۱

اشعار	نام شاعر	نمبر شمار
وہ کہ گر مردہ باز گردیدے ؛ درمیان قبیلہ و پیوند بڑا غضب ہو اگر کوئی فوت شدہ شخص، اپنے قبیلہ اور رشتہ داروں میں واپس آجائے۔	سعدی	۱۶۲
ردّ میراث سخت تر بودے ؛ وارثان را ز مرگ خویشاوند وارثوں کے لئے ترکہ کا واپس کرنا اپنے عزیزوں کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دِہ ہوگا۔	؍؍	۱۶۳
ہمہ را روئے در خُدا دیدم ؛ واں خُدا بر ہمہ ترا دیدم مَیں نے سب کو خدا کی طرف متوجہ دیکھا اور ان سب کے اُوپر اے خُدا مَیں نے تمہیں دیکھا۔ (الحکم ۲۴ ر اپریل ۱۹۰۳ء)	نظامی	۱۶۴
با مسلمان اللہ اللہ با ہنود ان رام رام ترجمہ: مسلمانوں کے ساتھ اللہ اللہ اور ہندوؤں کے ساتھ رام رام۔ (البدر ۲۴ ر اپریل ۱۹۰۳ء)	حافظ	۱۶۵
توبہ فرماں چرا خود توبہ کمتر ے کنند۔ ترجمہ: توبہ کی تلقین کرنیوالے خود کیوں کم توبہ کرتے ہیں۔	؍؍	۱۶۶
اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ؛ پس بہر دستے نباید داد دست بہت سے شیطانوں کی شکل انسانوں جیسی ہوتی ہے، پس ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہیئے۔ (البدر ۱۵ ر مئی ۱۹۰۳ء)	مولانا روم	۱۶۷
خر بستہ بہ گرچہ دُزد آشناست۔ ترجمہ: اگرچہ چور سے جان پہچان ہو، گدھے کو باندھ کر رکھنا بہتر ہے۔ (الحکم ۱۷ ر جون ۱۹۰۳ء)	نظامی	۱۶۸
نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر می آید۔ ترجمہ: وہ نہ طاقت سے، نہ رونے سے نہ مال سے ہاتھ آسکتا ہے۔ (الحکم ۲۴ ر اگست ۱۹۰۳ء)	نامعلوم	۱۶۹
نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ؛ بسا کیں دولت از گفتار خیزد عشق صرف دیکھنے سے ہی پیدا نہیں ہوتا، بہت دفعہ یہ سعادت کلام سُننے سے	جامی	۱۷۰

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		حاصل ہو جاتی ہے۔ (البدر ۱۱ ستمبر ۱۹۰۳ء)
۱۷۱	نامعلوم	بمنزل جاناں رسد ہماں مردے ٭ کہ ہمہ دم در تلاش اُو دوران باشد محبوب کی بارگاہ میں وہی شخص پہنچ سکتا ہے، جو ہر لمحہ اس کی تلاش میں لگا رہے۔ (الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۳ء)
۱۷۲	نامعلوم	چراغے راکہ ایزد بر فروزد ٭ ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرے، جو شخص اس پر پھونک مارے گا اسکی ڈاڑھی جل جائیگی (الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۳ء)
۱۷۳	مولانا روم	ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ ترجمہ: ہر شخص کو کسی نہ کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔
۱۷۴	واقف (ضرب المثل)	شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ترجمہ: سُنی سنائی بات آنکھوں دیکھی جیسی کیسے ہو سکتی ہے؟ (الحکم ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)
۱۷۵	سرمد	حرفے بس است اگر در خانہ کس است۔ ترجمہ: ایک ہی لفظ کافی ہے اگر کوئی گھر میں ہو۔ (البدر ۸ مارچ ۱۹۰۴ء)
۱۷۶	"	سرمد گلہ اختصار مے باید کرد ٭ یک کار ازیں دو کار مے باید کرد سرمد گلہ مختصر کر دینا چاہیئے، ان دونوں کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہیئے۔
۱۷۷	"	یا تن برضائے یار مے باید کرد ٭ یا قطع نظر زیار مے باید کرد یا تو اپنا آپ محبوب کی خوشی میں لگا دینا چاہیئے، یا پھر محبوب سے دھیان ہٹا لینا چاہیئے۔ (الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء)
۱۷۸	مولانا روم	دشت دنیا جز دد و جز دام نیست ٭ جز بخلوت گاہ حق آرام نیست یہ دُنیا کا جنگل درندوں اور پھندوں سے خالی نہیں، بارگاہ الٰہی کی تنہائی کے

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		سوا کہیں امن نہیں ۔ (الحکم ۲۴ر مئی ۱۹۰۴ء)
۱۷۹	حافظ	مابداں منزلِ عالی نتوانیم رسید ؎ ہاں مگر لطف تو چوں پیش نہد گامے چند ہم اس عالی بارگاہ تک نہیں پہنچ سکتے سوائے اس کے کہ تو خود مہربانی سے چند قدم آگے بڑھ آئے ۔ (البدر ۸ر جون ۱۹۰۴ء)
۱۸۰	سعدی	آنکس کہ بقرآں و خبر زو نرہی ؎ اینست جوابش کہ جوابش ندہی تو جس شخص سے قرآن و حدیث (بیان کرنے) سے رہائی نہ پا سکے، اس کا (صحیح) جواب یہ ہے کہ اسے جواب نہ دے ۔ (الحکم ۱۰ر جولائی ۱۹۰۴ء)
۱۸۱	رر	گر وزیر از خدا بترسیدے ؎ ہمچناں کز ملک ملک بودے اگر وزیر خدا سے اس طرح ڈرتا ، جیسے بادشاہ سے (ڈرتا ہے) تو فرشتہ بن جاتا ۔
۱۸۲	جامی	(ک) عشق و مشک را نتواں نہفتن ۔ ترجمہ : کیونکہ عشق اور مشک کو چھپایا نہیں جا سکتا ۔ (البدر ۲۴ر اگست ۱۹۰۴ء)
۱۸۳	مولانا روم	چشم باز و گوش باز و ایں ذکا ؎ خیرہ ام از چشم بندی خدا آنکھیں کھلیں، کان کھلے اور یہ عقل موجود، خدا کی اس آنکھیں سینے پر حیران ہوں ۔
۱۸۴	رر	ایں کماں از تیرہا پر ساختہ ؎ صید نزدیک است دور انداختہ یہ کمان تیروں سے بھر رکھی ہے ، شکار جو نزدیک ہے اسے دور پھینک دیا ہے ۔ (لیکچر لاہور، صہ ۵۴)
۱۸۵	امیر خسرو	پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد ترجمہ : جب میں ہی نہ رہوں تو اس کے بعد تیرا آنا بے کار ہے ۔ (الحکم ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۴ء)

اشعار	نام شاعر	نمبر شمار
ہر چہ از دوست میرسد نیکوست ؏ ترجمہ: دوست جو بھی سلوک کرے بجا ہے۔ (الحکم ۱۰ر نومبر ۱۹۰۴ء)	ضرب المثل	۱۸۶
خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر ؏ زاں پیش تر کہ بانگ بر آید فلاں نماند اے مخاطب کچھ نیکی کرلے اور عمر کو غنیمت سمجھ، اس سے پہلے کہ آواز آئے فلاں نہیں رہا۔ (البدر یکم جنوری ۱۹۰۵ء)	سعدی	۱۸۷
بنی آدم اعضائے یک دیگر اند۔ ترجمہ: انسان ایک دوسرے کے اعضا ہیں۔ (البدر ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء)	؍؍	۱۸۸
لب بہ بند و گوش بند و چشم بند ؏ گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند ہونٹ، کان اور آنکھیں بند کرلے، اگر تجھے خدا کا نور نظر نہ آئے تو ہمارا مذاق اڑا۔ (البدر ۱۳ر مارچ ۱۹۰۵ء)	منسوب بہ مولانا روم	۱۸۹
فلسفی کو منکر حنانہ است ؏ از حواس انبیا بیگانہ است وہ فلسفی جو رونے والے ستون کا منکر ہے، وہ انبیاء کی باطنی حسوں سے بےخبر ہے۔ (البدر ۱۷ر جولائی ۱۹۰۵ء)	مولانا روم	۱۹۰
نکوئی با بداں کردن چنانست ؏ کہ بد کردن برائے نیک مردان شریروں کے ساتھ نیکی کرنا گویا شریفوں سے دشمنی کرنا ہے۔ (الحکم ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۵ء)	سعدی	۱۹۱
آثار پدید است صنادید عجم را۔ ترجمہ: عجم کے بزرگوں کے نشان ابھی موجود ہیں۔ (البدر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء)	عرفی	۱۹۲
تمتّع ز ہر گوشۂ یافتم ؏ ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم	سعدی	۱۹۳

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
		مَیں نے دُور دراز ملکوں سے بھی فائدہ اٹھایا، اور ہر کھلیان سے کوئی خوشہ لیا۔ (البدر ۶ نومبر ۱۹۰۵ء)
۱۹۴	سعدی	خواجہ در بند نقش ایوان است ✣ خانہ از پائے بست ویران است مالک مکان کے نقش و نگار کی فکر میں ہے، حالانکہ مکان کی بنیادیں ویران ہو چکی ہیں۔ (الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء)
۱۹۵	نامعلوم	(بہ) کے انداختم در دل مگر انداختم در دل۔ ترجمہ: مَیں نے کب دل میں ڈالا ہے، شاید کیچڑ میں ڈال دیا ہے۔ (البدر ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء)
۱۹۶	ضرب المثل	کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی ✣ کس بے کمال ہیچ نہ ارزد عزیز من کوئی کمال حاصل کر تا لوگ تجھے پسند کریں، اے میرے عزیز کمال کے بغیر کسی کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ (البدر ۹ فروری ۱۹۰۶ء)
۱۹۷	سعدی	یکے بر سر شاخ و بن مے برید۔ ترجمہ: ایک شخص ٹہنی کے سرے پر بیٹھا اس کی جڑ کاٹ رہا تھا۔ (الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء)
۱۹۸	"	چو از راہ حکمت بہ بندد درے ✣ کشاید بفضل و کرم دیگرے اگر کسی مصلحت کی بنا پر ایک دروازہ بند کر دیتا ہے، تو اپنے فضل و کرم سے دوسرا کھول دیتا ہے۔ (البدر ۹ اگست ۱۹۰۶ء)
۱۹۹	نامعلوم	عروس حضرت قرآن نقاب آنگاہ بردارد ✣ کہ دار الملک معنی را کند خالی ز ہر غوغا بارگاہ فرقان کی دلہن تب نقاب اٹھاتی ہے، جب باطن کی بستی کو ہر قسم کے شور و شر سے خالی کر لیا جائے۔ (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۷ء)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۰۰	مولانا روم	قطب شیر و صید کردن کار او ؎ باقیاں ہستند باقی خوار او قطب شیر کی مانند ہے شکار کرنا اسی کا کام ہے، باقی سب اس کا بچا کھچا کھانے والے ہیں۔
۲۰۱	سعدی	مکن شادمانی بمرگ کسے ؎ کہ دہرت پس از وے نماند بسے کسی کی موت پر خوشی مت مناؤ، کیونکہ اس کے بعد تیری زندگی کا عرصہ بھی زیادہ باقی نہیں رہے گا۔ (البدر ۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء)
۲۰۲	"	محال است سعدی کہ راہ صفا ؎ تواں رفت جز در پئے مصطفٰےؐ اے سعدی یہ ممکن نہیں کہ صدق و صفا کا راستہ محمد مصطفٰےؐ کی پیروی کے بغیر اختیار کیا جاسکے۔
۲۰۳	"	برد مہر آں شاہ سوئے بہشت ؎ حرام است بر غیر بوئے بہشت اس بادشاہ (دو جہاں) کی محبت بہشت کی طرف لے جاتی ہے، کسی دوسرے پر بہشت کی بُو بھی حرام ہے۔ (حقیقۃ الوحی،صـ۱۳)
۲۰۴	حافظ	عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد ؎ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست کون عاشق بنا کہ محبوب نے اس کے حال پر توجہ نہ کی ہو، حضرت درد ہی نہیں ورنہ طبیب تو موجود ہے۔ (حقیقۃ الوحی،صـ۱۷۳)
۲۰۵	نامعلوم	در سن غاشئ ہجری دو قران خواہد بود ؎ از پئے مہدی و دجّال نشان خواہد بود چودھویں ہجری میں چاند اور سورج کو گرہن لگے گا، وہ مہدی اور دجّال کے ظہور کا نشان ہوگا۔ (حقیقۃ الوحی،صـ۱۹۶)
۲۰۶	سعدی	پسندیدگانے بجائے رسند ؎ زما کہتران چہ آمد پسند پسندیدہ لوگ کسی مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں، آپ کو ہم جیسے حقیر بندوں کی کونسی چیز پسند آگئی۔ (حقیقۃ الوحی،صـ۳۲۴)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۰۷	مولانا روم	مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد ؛ سالہا بایست تا خون شیر شد ایک لمبے عرصہ تک اس مثنوی میں تاخیر ہوگئی، سالہا درکار ہیں تا خون دودھ بن جائے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۴۵)
۲۰۸	ضرب المثل	بنگر کہ خون ناحق پروانہ شمع را ؛ چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند دیکھئے پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو، اتنی مہلت نہ دی کہ رات کو صبح میں بدل لے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۱)
۲۰۹	حافظ	ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست ؛ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند یہاں بال سے بھی باریک ہزاروں بھید ہیں، یوں نہیں کہ جو بھی سر منڈ والے قلندری سمجھ لے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۹)
۲۱۰	نامعلوم	ز بخت خویش برخوردار باشی ؛ بشرط آنکہ با من یار باشی تو اپنے نصیبہ کا پھل خوب کھائے گا، بشرطیکہ میرا دوست بن جائے۔ (الحکم ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۷ء)
۲۱۱	سعدی	سعدیا حبّ وطن گرچہ حدیث است درست ؛ نتواں مرد بسختی کہ دریں جا زادم اے سعدی اگرچہ وطن کی محبت (کا جزو ایمان ہونا) صحیح حدیث ہے، لیکن محض اس لئے کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا تنگ دستی سے مرا نہیں جاتا۔ (البدر ۲۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء)
۲۱۲	محمد شاہ رنگیلا	شومئ اعمال ما صورت نادر گرفت۔ ترجمہ: ہمارے عملوں کی نحوست نے نادر شاہ کی شکل اختیار کرلی۔ (الحکم ۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء)
۲۱۳	نامعلوم (ضرب المثل)	آناں کہ عارف تراند ترساں تر۔ ترجمہ: جو زیادہ واقف ہیں وہی زیادہ ڈرتے ہیں۔ (الحکم ۱۸ر مئی ۱۹۰۸ء)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۱۴	جامی	نومید ہم مباش کہ رنداں بادہ نوش ⁂ ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند نا امید بھی نہ ہو کیونکہ (محبت الٰہی کی) شراب پینے والے رند اچانک ایک ہی نعرہ سے منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ (البدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)
۲۱۵	ضرب المثل	تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔ ترجمہ: جب تک کچھ نہ کچھ نہ ہو لوگ باتیں نہیں بناتے۔ (الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء)
۲۱۶	سعدی	کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست ⁂ اگر خون بفتوٰی بریزی رواست کیونکہ شریعت کی اجازت کے بغیر پانی پینا بھی گناہ ہے۔ اگر شرع کے حکم سے تو قتل بھی کرے تو جائز ہے۔ (البدر ۵ ستمبر ۱۹۰۸ء)
۲۱۷	"	یکے نیک خلق و خلق پوش بود ⁂ کہ در مصر یک چند خاموش بود ایک اچھے اخلاق کا مالک گدڑی پوش، مصر میں کچھ عرصہ بالکل خاموش رہا۔
۲۱۸	"	جہانے برو بود از صدق جمع ⁂ چو پروانہا وقت شب گرد شمع اخلاص سے ایک دنیا اس کے گرد جمع تھی، جیسے رات کے وقت شمع کے گرد پروانے۔
۲۱۹	"	شبے در دل خویش اندیشہ کرد ⁂ کہ پوشیدہ زیر زبان است مرد ایک رات اس نے اپنے دل میں سوچا، کہ انسان (کا کمال اس کی) زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔
۲۲۰	"	اگر ماند فطنت نہاں در سرم ⁂ چہ دانند مردم کہ دانشورم اگر میری عقل میرے سر میں ہی چھپی رہی، تو لوگوں کو کیسے معلوم ہوگا کہ میں بھی عقلمند ہوں۔
۲۲۱	"	سخن گفت و دشمن بدانست و دوست ⁂ کہ در مصر نادان تر از وے ہمو ست تب اس نے باتیں شروع کر دیں اور دوست دشمن سب نے سمجھ لیا، کہ مصر میں اس سے بڑا احمق اور کوئی نہیں۔

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۲۲	سعدی	حضورش پریشان شد و کار زشت ٭ سفر کرد و بر طاق مسجد نوشت اس کا سکون ختم ہو گیا اور معاملہ بگڑ گیا، تب وہ وہاں سے کوچ کر گیا اور مسجد کی محراب پر لکھ گیا۔
۲۲۳	"	در آئینہ گر روئے خود دیدمے ٭ بہ بیدانشی پردہ ندریدمے کہ اگر میں آئینہ میں اپنا منہ دیکھ لیتا، تو بیوقوفی سے اپنا پردہ نہ پھاڑتا۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ ۲۸-۲۷)
۲۲۴	نامعلوم	آن ترک عجم چوں بہ مئے عشق طرب کرد ٭ غارت گر کوفہ و بغداد و حلب کرد وہ عجمی معشوق جب عشق کی شراب سے سرشار ہو گیا تو اس نے کوفہ، بغداد اور حلب سب کو لوٹ لیا۔
۲۲۵	"	صد لالہ رُخے بود بصد حسن شگفتہ ٭ نازاں ہمہ را زیر قدم کرد عجب کرد سینکڑوں سُرخ پھولوں جیسے چہروں والے حسین پھولوں کی طرح کھلے ہوئے تھے، اُس نے ناز سے سب کو مات کر دیا عجیب کام کیا۔
۲۲۶	سعدی	صورت گر دیبائے چین رو صورت زیبا ش بین ٭ یا صورتے برکش چنیں یا توبہ کن صورت گری اے چینی منقش کپڑے کے مصوّر جا اس کی خوبصورت شکل دیکھ، یا ویسی ہی تصویر بنا یا مصوّری سے توبہ کر لے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ ۶۵)
۲۲۷	نامعلوم	بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت ٭ کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور صبح کے وقت تیرے متعلق دن کی طرح روشن ہو جائے گا، کہ اندھیری رات میں کس کے ساتھ تُو نے عشق کا کھیل کھیلا ہے۔
۲۲۸	"	من الستادہ ام، نیک تو ہم بیا بشتاب ٭ کہ تا سیاہ شود روئے کاذب مغرور میں تو یہ کھڑا ہوں تو بھی جلد آجا، تا جھوٹے مغرور کا مُنہ کالا ہو۔ (مکتوبات احمدیہ جلد سوم صـ ۱۰)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۲۹	نامعلوم	بہ نزدیک دانائے بیدار دل ؛ جوئے سیم بہتر ز صد تودہ گل روشن دل دانشمند کے نزدیک جو بھر چاندی، مٹی کے سینکڑوں ڈھیروں سے بہتر ہے۔ (مکتوبات احمدیہ حصہ سوم صـ۶۸)
۲۳۰	؍؍	عمر بگذشت و نماندست بجز گامے چند ؛ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند عمر گذر گئی اور چند قدم مزید اٹھانے کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔ بہتر ہے کہ کسی کی یاد میں چند شاموں کو صبح کریں۔ (البدر ۳؍ جون ۱۹۰۹ء)
۲۳۱	ضرب المثل	چوں بدولت بری مست نگردی مردی۔ ترجمہ: جب تو دولت ملنے پر بھی مست نہ ہو تو مرد ہے۔ (البدر ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء)
۲۳۲	سعدی	ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ؛ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری بادل ہوا چاند سورج اور آسمان سب کام کر رہے ہیں، تا تو خوراک حاصل کرے اور غفلت میں نہ کھائے۔
۲۳۳	؍؍	ایں ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ؛ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری یہ سب تیری خاطر پریشان اور فرمانبردار ہیں، یہ انصاف نہ ہوگا اگر تو حکم نہ مانے۔ (توضیح مرام صـ۶۷)
۲۳۴	نامعلوم	جذبۂ شوق بحدّیست میان من و تو ؛ کہ رقیب آمد و نشناخت نشانِ من و تو ہمارے درمیان محبّت کی کشش اس حد تک ہے، کہ رقیب آیا لیکن وہ (الگ الگ) میری اور تمہاری کوئی نشانی بھی نہ دیکھ پایا۔ (ازالۂ اوہام حصہ اوّل صـ۲۶۳)
۲۳۵	شمس تبریز	بجز یاہو و یامن ہو دگر چیزے نمیدانم۔ ترجمہ: مَیں اے وہ یا اے مَیں کے سوا اور کوئی چیز نہیں جانتا۔ (ست بچن، صـ۵۲)

نمبر شمار	نام شاعر	اشعار
۲۳۶	ضرب المثل	بدگہر از خطا خطا نکند۔ ترجمہ: بدذات آدمی غلط کام کرنے سے نہیں چوکتا۔ (نور القرآن، نمبر ۲، صہ)
۲۳۷	نامعلوم	مہ نور مے فشاند و سگ بانگ مے زند ؛ سگ را بپرس خصم تو از ماہتاب چیست چاند نور پھیلاتا ہے اور کتا بھونکتا ہے ، کتے سے پوچھو تجھے چاند سے کیا خفگی ہے۔ (ایام الصلح، ص ۱۶۶)
۲۳۸	ضرب المثل	چشم ما روشن و دل ما شاد ۔ ترجمہ: ہماری آنکھوں کی روشنی اور دل کی خوشی ۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۱۵)
۲۳۹	سعدی	فرس کشتہ چنداں کہ شب راندہ اند ؛ سحر گہ خروشان کہ وا ماندہ اند انہوں نے رات اتنا چلایا کہ گھوڑا ہی مرگیا، اور صبح کے وقت چلاتے ہیں کہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ: حصہ پنجم ص ۱۰۷)
۲۴۰	سعدی	خفتہ را خفتہ کے کند بیدار ۔ ترجمہ: سوئے ہوئے کو سویا ہُوا کیسے جگا سکتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۰)
۲۴۱	نامعلوم	چناں زندگی کن کہ با صد عیال ؛ نداری بدل غیر آں ذو الجلال تو سینکڑوں اہل و عیال کے باوجود اس طرح زندگی بسر کر، کہ اس ذو الجلال کے سوا تیرے دل میں اور کچھ نہ ہو۔ (چشمہ معرفت: ص ۲۸۷)

ضمیمہ نمبر ۳

اوزان

ہر وزن کے نیچے ان نظموں یا متفرق اشعار کے پہلے مصرعے لکھے ہیں جو اس وزن پر ہیں۔ اور ہر مصرع سے پہلے درثمین فارسی طبع دوم کا صفحہ لکھا ہے، جو اشعار ابھی درثمین میں شامل نہیں ہُوئے ان کے مصرعوں سے پہلے ضمیمہ ہٰذا نمبر ا میں سے اس شعر کا نمبر درج ہے اور ساتھ ہی ضمیمہ کا لفظ لکھ دیا گیا ہے ؂

نمبر صفحہ	مصرع اوّل	نمبر صفحہ	مصرع اوّل
	بحرِ ہزج مثمن سالم (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)		
۲۹	بدل دردیکہ دارم از برائے طالبان حق	۱۶۹	عزیزان بے خلوص و صدق نکشایند راہے را
۵۰	تُرا عقل تو ہر دم پائے بندِ کبر مے دارد	۱۷۲	اگر خود آدمی کاہل نباشد در تلاش حق
۶۶	کلام پاک آں بیچوں دہد صد جام عرفان را	۱۷۲	چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ اُمّت نورِ دیں بُودے
۱۲۶	ہمیں مرگست کز یاراں بپوشد روئے یاراں را	۱۷۲	بکوشید اے جواناں تا بدیں قوّت شود پیدا
۱۴۵	متاب از سر مہ رُو گر روشنئ چشم مے باید	۱۸۵	بدہ از دست خود آبے درختانِ محبّت را
۱۵۲	نمے ترسیم از مردن چنیں خوف از دل افگندیم	۲۴۴	ہر آں کاریکہ گرد داز دعائے محوجانانے
۱۵۲	چو شیر شرزۂ قرآں نماید رو بغرّیدن	۲۴۶	بتر سید از خدائے بے نیاز و سخت قہارے

۶ - بحر رمل مثمن مخبون (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن یا فعلان یا فاعلن یا فاعلان)

۸ ۔ بحر رجز مثمن سالم (مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن)

۹ ۔ بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن یا فاعلان)

۱۰۔ بحرِ مضارع مثمن اخرب (مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

۱۱۔ بحرِ خفیف مسدس مخبون محذوف یا مکسور (فعلاتن یا فاعلاتن مفاعلن فعلن یا فعلان

۱۲ - بحر مجتث مخبوُن محذوف یا مقطوع (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن یا فعلان)

۱۳ - بحر منقارب مثمن سالم یا محذوف (فعولن فعولن فعولن فعولن یا فعول یا فعل)

۱۴ - بحر سریع مسدس مطوی مکسوف (مفتعلن مفتعلن فاعلن)

۱۵۔ اوزان رباعی

نمبر صفحہ	مصرع اوّل
	(۱) مفعولن مفاعلن مفاعیلن فع
	پر پردہ کہ بود از میاں برخیزد
	(۲) مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع
	چوں رنگ خودی رود کسے را از عشق
	خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود
	از مصلحتے دگر طرف بینم لیک
	(۳) مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
	آنجا کہ محبتے نمک میریزد
	خاموش شود چو عشق شور انگیزد
	بارش زکرم برنگ خویش آمیزد
ضمیمہ ۶	اے فخر رسل قرب تو معلومم شد

نمبر صفحہ	مصرع اوّل
	(۴) مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
	ایں نفس دنی کہ صد ہزارش دہن است
	چوں بندہ شناختت بداں عزّ و جلال
	(۵) مفعول مفاعلن مفاعیل فعل
ضمیمہ ۶	دیر آمدۂ زراہ دور آمدۂ
	آنکس کہ بتو رسد شہاں راچہ کند
	بافقرِ تو فقرِ خسرواں راچہ کند
	بعد از تو جلال دیگراں راچہ کند
	اے یار ازیں بس است روئے تو مرا
	بہتر ز ہزار خلد کوئے تو مرا
	ہر لحظہ نگاہ ہست سوئے تو مرا
	بر عزّتِ من کسے اگر حملہ کند

نمبر صفحہ	مصرع اوّل	نمبر صفحہ	مصرع اوّل
	صبراست طریق، ہمچو خوئے تومرا جنگ است ز بہرِ آبروئے تومرا من چیستم و چہ عزتم ہست مگر (۶) مفعول مفاعیل مفاعیلن فع دیوانہ کنی ہردو جہانش بخشی		(۷) مفعول مفاعیل مفاعیل فعل دیوانۂ تو بر دو جہاں را چہ کند